FEBRUARY 2011
www.Paksociety.com
شعاع
www.Paksociety.com
Proudly Presented by Paksociety.com

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ----- 500 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 4000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ----- 5000 روپے

مستقل سلسلے

فروری 2011
جلد 25 شمارہ 6
قیمت 40 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل پبلشر نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقامِ اشاعت [illegible] کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaamonthly@yahoo.com, info@khawateendigest.com

فروری کا شعاع آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فروری میں ربیع الاول کے مہینے کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا اور ساری دنیا کو محبت اور رحمت کا پیغام دیا۔ جس کی روشنی نے چہار دانگ عالم میں اجالا کر دیا۔ جو قیامت تک کے لیے ہادی و رہبر ہیں۔ یہ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو کامل نمونہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے قبول کر لیں اور جس سے منع کریں اس سے باز رہیں۔

عروس البلاد کراچی ایک بار پھر ان ہی حالات کا شکار ہے جو پچھلے دو عشروں سے ہمارا مقدر بن گئے ہیں۔

ایک طرف مہنگائی، بے روزگاری اور لوڈ شیڈنگ ہے دوسری طرف انسانی خون کی ارزانی۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم اس مذہب کے پیروکار ہیں جس نے ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور مسلمان کا خون مسلمان پر حرام قرار دیا ہے اور ہم اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کے لیے زبان اور نسل کے تعصبات کا شکار ہو کر خون ریزی کر رہے ہیں۔

اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ ہم زندگی کے تمام معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں۔ اسی میں ہماری نجات ہے اور یہی فلاح کا راستہ ہے۔

مقابلۂ افسانہ نگاری،

اس ماہ سمیرا گل کا ناولٹ مقابلۂ افسانہ نگاری میں منتخب کیا گیا ہے۔ سمیرا گل باصلاحیت ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ آگے چل کر بہت اچھا لکھیں گی۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی جانب سے سمیرا گل کو مبارک باد۔

اس شمارے میں،

- مریم عزیز کا مکمل ناول۔ سلطنتِ دل،
- نبیلہ عزیز کا مکمل ناول۔ مہربان،
- رخسانہ نگار عدنان اور سمیرا گل کے ناولٹ،
- نعیمہ ناز، عنیقہ محمد بیگ، سیما بنتِ عاصم، آصفہ عنبرین قاضی، رضیہ مہدی اور نظارت نصر کے افسانے،
- مشہور شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ احادیث کا سلسلہ،
- شاعری سچ بولتی ہے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کا یہ شمارہ ہم نے پوری محنت سے ترتیب دیا ہے۔ آپ کو کیسا لگا؟ آپ کی رائے جاننے کے منتظر ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

شامِ شہروں میں شمعیں جلا دیتا ہے تو
یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو

آرزو دیتا ہے دل کو، موت کی، وقتِ دعا
میری ساری خواہشوں کا یہ صلہ دیتا ہے تو

حد سے بڑھ کر سبز ہو جاتا ہے جب رنگِ زمیں
خاک میں اس نقشِ رنگیں کو ملا دیتا ہے تو

تیز کرتا ہے سفر میں موجِ غم کی یورشیں
بجھتے جاتے شعلۂ دل کو ہوا دیتا ہے تو

دیر تک رکھتا ہے تو ارض و سما کو منتظر
پھر انہی ویرانوں میں گل کھلا دیتا ہے تو

اے منیرؔ اس بات کے افلاک پر ہونا ترا
اک حقیقت کو فسانہ بنا دیتا ہے تو

منیر نیازی

نعت رسول مقبول ﷺ

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپ ﷺ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپ ﷺ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایماں کی دولت ملی آپ ﷺ سے

کل بھی معمور تھا آپ ﷺ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپ ﷺ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسمِ محبت چلی آپ ﷺ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلِ علیٰ
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپ ﷺ سے

ختم ہے آپ ﷺ پر شانِ پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپ ﷺ سے

ناصر کاظمی

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

روزی کمانے کی ترغیب

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"انسان کا بہترین کھانا وہ ہے جو اس کی کمائی سے (حاصل) ہو اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔"

فوائد و مسائل: اسلام رہبانیت کا دین نہیں اور نہ ترک دنیا کی دعوت دیتا ہے، بلکہ دنیا میں اس طریقے سے رہنا سکھاتا ہے، جس میں ایثار، خیر خواہی اور تعاون کو پیش نظر رکھا جائے۔ دنیا میں امن و امان اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

محنت سے حاصل ہونے والی کمائی حلال کمائی ہے، بشرطیکہ اس میں شرعی احکام کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ یہ محنت جسمانی بھی ہو سکتی ہے، کوئی فنی مہارت یا دستکاری بھی ہو سکتی ہے، ذہنی اور دماغی بھی ہو سکتی ہے۔

انسان اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے اور ان پر خرچ کرتا ہے لہٰذا اولاد کا فرض ہے کہ والدین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرے۔

والدین اپنی اولاد سے حسب ضرورت مال لے سکتے ہیں، تاہم انہیں چاہیے کہ اولاد کی جائز ضروریات کو نظر انداز نہ کریں۔

صدقہ

حضرت مقدام بن معدی کرب زبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاکیزہ (اور عمدہ) روزی حاصل نہیں کر سکتا اور آدمی اپنی ذات پر، اپنے بیوی بچوں پر اور اپنے خدام پر جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

فوائد و مسائل: اپنی محنت سے حاصل ہونے والی کمائی بہترین ہے۔ مستحق ہونے کی صورت میں اسے ملنے والی مدد بھی اس کے لیے حلال ہے لیکن یہ کوئی عمدہ روزی نہیں، اس لیے اس سے ممکن حد تک بچتے ہوئے محنت مزدوری سے حاصل ہونے والی تھوڑی آمدنی پر قناعت کرنا بہتر ہے۔

اپنے آپ پر اور بیوی بچوں پر خرچ نہ کرنا بخل اور کنجوسی ہے، جو مذموم ہے لیکن اپنی اور گھر والوں کی جائز اور ناجائز فرمائشیں پوری کرتے چلے جانا بھی اسراف اور تبذیر ہے، جو بہت بری بات ہے۔ جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی مال سے زیادہ سے زیادہ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دوسروں کی ضروریات پوری کی جائیں۔

خادم خواہ زر خرید غلام ہوں یا تنخواہ دار ملازم، ان سے حسن سلوک، ان کا احترام اور ان کی جائز ضروریات کی تکمیل اخلاقی فرض ہے۔

شہید

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دیانت دار، سچا مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

فائدہ: یہ حدیث جامع ترمذی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، تاہم امانت و دیانت اور سچائی کے ساتھ تجارت

کرنا بہت فضیلت والا عمل اور نہایت باعث برکت ہے۔

اللہ کی راہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیوہ اور مسکین (کی ضروریات پوری کرنے) کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح اور اس شخص کی طرح ہے، جو رات کو قیام کرتا اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔"

فوائد و مسائل: معاشرے کے ضرورت مند، نادار اور معذور افراد کی کفالت اور خبر گیری، بہت عظیم عمل ہے۔ جس طرح جہاد اسلامی معاشرے کو کافروں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح ناداروں کی خبر گیری انہیں اسلام کے فوائد سے مستفید کر کے ان کے دل میں اسلام کی محبت قائم رکھتی ہے، بلکہ بعض حالات میں انسان فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر کفر اختیار کر لیتا ہے۔

عیسائی تبلیغی (مشنری) ادارے نادار افراد کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی طاقت بڑھتی اور مسلمانوں کی طاقت کم ہوتی ہے۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی مدد کر کے مسلمانوں کی طاقت کو محفوظ رکھنا اور کفر کی طاقت کو بڑھنے سے روکنا یقیناً جہاد کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

بیوہ کی کفالت کا بہترین ذریعہ اس کے نکاح کا بندوبست کرنا ہے۔ اس طرح اس کی عصمت بھی محفوظ ہو جاتی ہے اور اس کی اور اس کے یتیم بچوں کی کفالت و تربیت کا مستقل انتظام ہو جاتا ہے، تاہم اگر کسی وجہ سے اس کا نکاح نہ ہو سکے تو اس کی اور اس کے بچوں کی جائز ضروریات پوری کر کے انہیں معاشرے کے مفید ارکان بنانا مسلمانوں کا فرض ہے۔

طبیعت کی خوشی

حضرت معاذ بن عبداللہ رحمۃ اللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ) سے اور وہ اپنے چچا (حضرت عبید رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "ہم لوگ ایک مجلس میں موجود تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ کے سر مبارک پر پانی کا اثر تھا (غسل فرما کر تشریف لائے تھے) بعض لوگوں نے عرض کیا۔

"آج ہم آپ کو خوش دیکھ رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا "ہاں اللہ کا شکر ہے۔"

پھر لوگوں نے خوشحالی (اور دولت مندی) کا ذکر چھیڑ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"متقی آدمی کے لیے دولت مند ہونے میں حرج نہیں اور متقی کے لیے صحت دولت سے بہتر ہے اور طبیعت کا خوش ہونا بھی (اللہ کی) نعمت ہے۔"

فوائد و مسائل: دولت بذات خود کوئی بری چیز نہیں، اس کے حصول کا طریقہ اور اس کو جائز یا ناجائز مقام پر خرچ کرنا اسے برا بناتا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والا نیک آدمی روزی حلال طریقے سے کماتا ہے اور نیکی کے کاموں میں اور جائز ضروریات پوری کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اس طرح اسے کمانے میں بھی ثواب ملتا ہے اور خرچ کرنے میں بھی۔ ایسے آدمی کے لیے دولت واقعی ایک عظیم نعمت ہے۔

فاسق آدمی روزی کمانے میں حلال حرام کی تمیز نہیں کرتا اور خرچ کرتے وقت فخر و ریا، یا غیر ضروری عیش و عشرت میں خرچ کرتا ہے۔ اس طرح اس کے لیے اس دولت کا حصول بھی گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اس کا خرچ بھی گناہ میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔ ایسے آدمی کے لیے دولت ایک آزمائش بلکہ ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے

آمین۔

صحت دولت سے بڑی نعمت ہے۔ صحت کی حالت میں دولت کم ہونے کے باوجود نیکی کے بہت سے کام کیے جاسکتے ہیں۔

اللہ کی نعمت پر خوش ہونا اور اس کا شکر ادا کرنا تقویٰ اور زہد کے منافی نہیں۔

مومن کو خوش و خرم رہنا چاہیے۔ مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا بھی معمولی نیکی نہیں۔

جو نعمتیں ہمیں حاصل نہیں ان کے نہ ہونے پر افسوس کرنے کے بجائے ان نعمتوں پر توجہ کرنی چاہیے جو حاصل ہیں تاکہ دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو اور ناشکری جیسے برے عمل سے محفوظ رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (واما بنعمۃ ربک فحدث) اور آپ اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتے رہیں۔"

میانہ روی اختیار کرنا

حضرت ابو حمید (منذر بن سعد) ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا کے حصول کے لیے اچھا طریقہ اختیار کرو۔ ہر انسان کے لیے وہ کام آسان ہوجاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

فوائد و مسائل : دنیا کمانے کے لیے اچھا طریقہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حلال کمانے کی کوشش کرو اور اس میں ہمہ تن مشغول نہ ہو جاؤ کہ آخرت کی طرف توجہ نہ رہے یعنی اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔

جو روزی قسمت میں لکھی ہوئی ہے وہ حلال راستہ اختیار کرنے سے بھی مل ہی جائے گی پھر ناجائز اور حرام راستے سے تلاش کرنے کا کیا فائدہ؟

دین و دنیا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سب سے زیادہ پریشانی اس مومن کو ہوتی ہے جو اپنی دنیا کے معاملات کی بھی فکر کرتا ہے اور اپنی آخرت کے معاملات کی بھی۔"

فائدہ : یہ روایت ضعیف ہے تاہم یہ بات صحیح ہے کہ مومن کو سب سے زیادہ فکر آخرت کے معاملات کی ہوتی ہے اور اسی کو وہ سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اگر اس کے پاس دنیا کے وسائل کی کمی بھی ہو تو وہ اس کی فکر نہیں کرتا لیکن کافر کو صرف دنیا کا خیال ہوتا ہے کیونکہ اسے آخرت پر یقین نہیں ہوتا جب کہ کمزور ایمان والا مومن دنیا کے معاملات میں بھی پریشان رہتا ہے اور اسے آخرت میں سزا ملنے یا نیکیوں میں پیچھے رہ جانے کا بھی خوف ہوتا ہے۔ اس طرح وہ دو قسم کی پریشانیاں لیے پھرتا ہے۔

اچھا طریقہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے (اعتدال کے ساتھ) روزی طلب کرو کیونکہ کوئی انسان اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا اگرچہ اس (رزق کے حصول) میں دیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی طلب کرو۔ جو حلال ہے وہ لے لو اور جو حرام ہے وہ چھوڑ دو۔"

فوائد و مسائل : حلال روزی کا اہتمام کرنے والا روزی سے محروم نہیں رہتا۔

اللہ پر توکل کرتے ہوئے حرام روزی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

جس طرح دنیوی زندگی کی مدت مقرر ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی اسی طرح رزق بھی متعین ہے لیکن انسان کو اس کا صحیح یا غلط کوشش کی وجہ سے ثواب یا گناہ حاصل ہوجاتا ہے۔

تاجر کا درجہ

حضرت اسماعیل بن عبید اپنے والد (حضرت عبید بن رفاعہ) رضی اللہ عنہ سے اور وہ ان کے دادا (اپنے والد) حضرت رفاعہ بن رافع بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر گئے۔ لوگ صبح کے وقت خرید و فروخت میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی۔

"اے تاجروں کی جماعت!"

جب ان لوگوں نے اپنی نظریں اٹھائیں اور گردنیں لمبی کیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو گئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تاجر لوگ قیامت کے دن فاجر (اور گناہ گار) بن کر اٹھیں گے سوائے اس کے جو اللہ سے ڈرتا رہا اور اس نے نیکی کی اور سچ بولا۔ (یعنی جھوٹ اور دھوکے سے پرہیز کیا۔)"

بلاوجہ پیشہ نہ چھوڑنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جسے کسی جانب سے (کسی پیشے علاقے ملازمت وغیرہ سے) کچھ (رزق) ملے تو اسے چاہیے کہ اس (پیشے وغیرہ) کو اختیار کیے رکھے۔"

حضرت نافع رحمتہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ میں شام اور مصر کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتا تھا (ایک بار) میں نے عراق کی طرف سامان بھیج دیا پھر میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔

"ام المومنین! میں شام کی طرف سامان بھیجا کرتا تھا اب میں نے عراق کی طرف سامان بھیجا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایسا نہ کرو تمہارے (سابقہ) مقام تجارت کو کیا ہو گیا؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد مبارک سنا ہے۔

"جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے ایک طرف سے رزق کا سبب پیدا کرے تو وہ اسے اس وقت تک ترک نہ کرے جب تک اس میں تغیر یا خرابی پیدا نہ ہو جائے۔"

صنعتوں اور پیشوں کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں فرمایا جو بکریاں چرانے والا نہ ہو۔"

صحابہ کرام نے کہا۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی (گلہ بانی کرتے رہے ہیں)؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں بھی (بکریاں چراتا رہا ہوں۔) میں قیراطوں کے بدلے میں مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

(امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ کے استاد) حضرت سوید بن سعید رحمتہ اللہ نے فرمایا "یعنی ہر بکری (کی دیکھ بھال) کی اجرت ایک قیراط ہوتی تھی۔"

فوائد و مسائل : جسمانی محنت اور مزدوری حلال پیشہ ہے بشرطیکہ مزدور دیانت داری سے اپنا کام کرے اور اس کے ذمے کوئی ایسا کام نہ لگایا جائے جو شرعی طور پر ممنوع ہو۔

مزدوری کی اجرت مقرر کر کے کام کرنا چاہیے۔

بکریاں چرانا پیغمبروں کا پیشہ ہے جو بہت مشقت والا کام ہے۔ بھیڑیں عام طور پر ایک جگہ جمع ہو کر چرتی چگتی ہیں اور اکٹھی چلتی ہیں اس لیے انہیں سنبھالنا آسان ہے جب کہ بکریاں بکھر کر چرتی ہیں اور تیزی سے بھاگتی ہیں اس لیے انہیں کسی کے کھیت میں جانے سے روکنے کے لیے بہت ہوشیاری اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جسمانی طور پر کمزور مخلوق ہے اس لیے انہیں بھینسوں یا گدھوں کی

طرح مار پیٹ کر غصہ نہیں نکالا جا سکتا بلکہ چرواہے کو رحم دلی اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔ نبی کو بھی اپنی قوم کے نامناسب رویے کے جواب میں صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے انبیاء کی تربیت بکریوں کے ذریعے سے کی جاتی رہی ہے۔

نبوت کا جھوٹا دعوا کرنے والے بکریاں چرانے کا سخت کام نہیں کر سکتے ایسی حرکت وہی شخص کر سکتا ہے' جو لوگوں کے جذبہ عقیدت کا استحصال کرتے ہوئے بغیر محنت کے دنیا کا مال جمع کرنا چاہتا ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعوا کرنے والے کے جھوٹا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے بکریاں نہیں چرائیں۔

قیراط ایک سکے کا نام ہے جو دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا تھا۔

لکڑی کا کام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔"

فوائد و مسائل : لکڑی کا کام ایک اچھا پیشہ ہے جس کے ذریعے سے مومن اپنے ہاتھ کی محنت سے حلال روزی کما سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اللہ کے حکم سے لکڑی کی کشتی بنائی تھی۔

کسی بھی جائز پیشے کو حقیر نہیں جاننا چاہیے۔ حقارت اور ذلت کا کام یہ ہے کہ انسان روزی کمانے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرے' یا ایسا پیشہ اپنائے جو شریعت کی رو سے ممنوع ہے۔

تصویر بنانے والا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بلاشبہ تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ انہیں کہا جائے گا جو کچھ تم نے (اپنے خیال کے مطابق) پیدا کیا تھا' اسے زندہ بھی کرو۔"

فوائد و مسائل : جان دار چیزوں کی تصویر بنانا حرام ہے' خواہ وہ تصویر کاغذ' دیوار یا کپڑے وغیرہ پر بنائی جائے یا مجسم شکل میں مٹی' پتھر' چینی یا پلاسٹک وغیرہ سے بنائی جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تصویر کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ یہ درست نہیں کیونکہ پوجا تو درختوں' ستاروں' سورج' چاند اور آگ کی بھی کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ان چیزوں کا استعمال اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام نہیں۔

یہ دعوا بھی کیا جاتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں تصویر سازی اور مجسمہ سازی کی اجازت تھی' اگر یہ دعوا درست بھی ہو تو بھی کسی چیز کے سابقہ شریعت میں جائز ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہمارے لیے بھی جائز ہے' جب تک ہمارے پاس یہ واضح دلیل موجود نہ ہو کہ وہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

موجودہ دور میں تصویر کے بعض فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے دوسرے جائز متبادل ذرائع تلاش کریں خاص طور پر جب کہ تصویروں (فلم ٹی وی' وی سی آر وغیرہ) کی وجہ سے معاشرے میں فحاشی کا فروغ' تہذیب کے فروغ اور کثرت جرائم کے جو خوف ناک اور گھناؤنے نتائج سامنے آرہے ہیں' ان کے مقابل ان فوائد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تصویر بنانے والوں کی جان ڈالنے کا حکم انہیں شرمندہ کرنے اور ان کے جرم کی شناخت واضح کرنے کے لیے دیا جائے گا' اس طرح یہ حکم بھی اصل میں ایک عذاب ہی ہوگا۔

منع کے اس حکم میں ہاتھ سے بنی ہوئی' کیمرے سے بنی ہوئی یا پریس میں چھپی ہوئی سب تصویریں شامل ہیں۔

دستک دستک دستک

شاہین رشید

مونا لیزا

"کیسی ہو مونا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"تمہاری شخصیت میں اور تمہارے حسن میں کافی نکھار آگیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ پیسہ' خوشی یا پھر ڈائٹنگ؟"

"تینوں باتیں ہیں اور ایک چوتھی بات یہ بھی شامل کرلیں کہ میں ٹینشن نہیں لیتی کیونکہ ٹینشن سے چہرے پر بہت برے اثرات پڑتے ہیں۔"

"ٹینشن تو ایک قدرتی عمل ہے؟"

"بے شک مگر کچھ لوگ بلاوجہ کی ٹینشن بھی لے لیتے ہیں' جبکہ میں نہ کسی کے بارے میں برا سوچتی ہوں نہ کسی کا برا چاہتی ہوں۔ نہ بلاوجہ حسد کرتی ہوں اور قدرتی ٹینشن تو وہ ہوتی ہے جو قدرت دیتی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ان پریشانیوں سے دور رکھے۔ باقی باتوں کی میں پروا نہیں کرتی۔"

"آپ کہہ رہی ہیں کہ ٹینشن سے چہرے پر برے اثرات پڑتے ہیں اور ڈائٹنگ سے بھی تو برے اثرات پڑتے ہیں؟"

"میں فاقے والی ڈائٹنگ نہیں کرتی' بلکہ ایسی غذائیں استعمال کرتی ہوں جو مجھے اور میرے چہرے کو فریش رکھتی ہیں۔"

"آج کل تمہیں ڈرامہ سیریل "صندل" میں دیکھ رہے ہیں۔ جس میں تم ایک معذور لڑکی کا کردار کررہی ہو۔ گلیمرس رول کرتے کرتے اس رول کو کرنے کی وجہ؟"

"آپ کو پتہ ہے کہ میں اچھے رول کے آگے گلیمرس رول کی پروا نہیں کرتی "صندل" میں میرا کردار پولیو کی وجہ سے معذور ہونے والی لڑکی کا ہے' مجھے کردار اچھا لگا اور پرفارمنس کی گنجائش نظر آئی تو میں نے اسے قبول کرلیا۔"

"کیا فیڈ بیک مل رہا ہے؟ تمہیں یہ کردار کرنے میں مشکل تو پیش نہیں آئی؟"

"بہت اچھا فیڈ بیک مل رہا ہے لوگ حیران ہیں کہ میں نے اتنا سیدھا سادہ رول کیسے کرلیا۔ اب یہی کیا بات کم ہے کہ لوگ مجھے اس رول میں پسند کررہے ہیں' میری تعریف کررہے ہیں جہاں تک مشکل کی بات

ہے تو مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ ہمارے معاشرے میں معذور لڑکی کو ہمدردی کی نگاہ سے تو دیکھتے ہیں مگر محبت کی نگاہ سے نہیں اور اس کردار کے ذریعے بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ احساسات و جذبات سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں اور معذوری کوئی گناہ نہیں ہے۔"

"گلیمرس رول کی بات ہو رہی ہے تو ڈراموں میں تو تم نے بہت زیادہ گلیمرس رول نہیں کیے لیکن فلم میں بولڈ اور گلیمر دونوں ہی باتیں تم میں نظر آئیں۔ سب کچھ آسانی سے کرلیا؟"

"ہاں.... میں نے بولڈ سین اور گلیمرس رول کیا ہے اور یہ فلم کی ڈیمانڈ تھا۔ اس لیے کیا ہے۔ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے انڈیا کی فلم میں کام کرنے کا موقع ملا ہے۔"

"پاکستان سے بھی آفرز ہوں گی انڈیا کی مزید فلموں میں کام کرنے کا ارادہ ہے؟"

"فی الحال تو پاکستانی فلم میں کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے اور آپ انڈیا کا پوچھ رہی ہیں میں نے نا صرف مزید تین فلمیں سائن کی ہیں بلکہ بین الاقوامی معیار کی ایک پاکستانی فلم "سلطنت" میں بحیثیت مہمان اداکارہ کے کام بھی کیا ہے۔"

"آپ تو کہہ رہی ہیں کہ پاکستانی فلم میں کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"میرا مطلب ہے کہ جس معیار کی فلموں کی آفرز ہیں۔ ان میں ارادہ نہیں ہے اور "سلطنت" میں تو انڈیا اور پاکستان کے فنکاروں نے کام کیا ہے۔ بین الاقوامی سطح کی یہ فلم ہے اور کئی ممالک میں یہ ریلیز ہو گی۔"

"کچھ یاد ہے شوبز جوائن کیے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟"

"بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ یہی کوئی سات یا آٹھ سال ہوئے ہیں اور اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے کم عرصے میں مجھے اتنی زیادہ عزت و شہرت دی ہے۔"

"اپنے آپ کو ٹی وی ڈراموں کے لیے یا فلم کے لیے پرفیکٹ سمجھتی ہیں؟"

"پرفیکٹ تو میں کسی کے لیے بھی اپنے آپ کو نہیں سمجھتی' ابھی میں نے اتنا کام کیا ہی کہاں ہے۔ ابھی تو مجھے بہت کام کرنا ہے۔ مزید اپنے آپ کو منوانا ہے۔ اتنے کم عرصے میں کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہو سکتا۔"

"ماڈلنگ بھی تم نے زیادہ نہیں کی' وجہ؟"

"ہاں میں نے کمرشل اور ریمپ پہ ماڈلنگ کم کی ہے' البتہ میگزین کے لیے ماڈلنگ کافی کی ہے اگر بہت اچھے کمرشلز کی آفرز آئیں تو ضرور کروں گی۔"

"لڑکیوں کا ایک خواب ہوتا ہے۔ پیا کے گھر جانے کا وہ کب پورا کرنا ہے۔"

(ہنستے ہوئے) "ابھی نہیں' ابھی کچھ کرلوں شادی کے بعد زندگی محدود ہو جاتی ہے اور میں اپنی زندگی کو اتنی جلدی محدود نہیں کرنا چاہتی۔"

☆☆☆

ماجد جہانگیر

"کیسے ہیں' گزشتہ دنوں تو آپ آرٹس کونسل کے الیکشن میں بہت مصروف رہے۔ اب فارغ ہیں؟"

"جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کافی مصروفیت رہی اور اب فارغ ہوں۔"

"کچھ باتیں ہو جائیں آپ سے؟"

"جی بالکل ہو جائیں۔"

"آپ بحیثیت کامیڈین کے جانے پہچانے جاتے ہیں اور آپ کا "ففٹی ففٹی" آج بھی دیکھیں تو بہت لطف آتا ہے۔ ہمارے ملک میں مزاح نے ترقی کی ہے یا یہ زوال پذیر ہوئی ہے؟"

"میرا اپنا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ زوال پذیر ہوئی ہے۔ آپ دیکھیں کہ آج کل جو کامیڈی پیش کی جا رہی ہے۔ اس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا' کوئی پیغام نہیں ہوتا جبکہ ہم جو کامیڈی پیش کرتے تھے ان میں

ناظرین کے لیے کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوتا تھا۔ بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔"

"یعنی آج کے پروگراموں سے آپ بہت مایوس ہیں' خرابی کہاں ہے اسکرپٹ میں یا فنکاروں میں؟"

"ہاں جی' میں تو بہت ہی مایوس ہوں' جب اچھا اسکرپٹ ہی نہیں ہو گا تو فنکار بے چارے کیا کریں گے۔ فنکار تو وہی کچھ پرفارم کریں گے جو انہیں کرنے کو کہا جائے گا۔ اچھے اسکرپٹ اور محنت کے بغیر کچھ اچھا تخلیق نہیں ہو سکتا۔"

"اب اپنا کام دوبارہ دیکھتے ہیں تو کچھ کمی پاتے ہیں؟"

"نہیں کوئی کمی نہیں محسوس کرتا۔ ہمارا کام بہت اچھا تھا اور آج بھی دیکھنے میں ویسا ہی مزہ آتا ہے جب ہم اس پروگرام کو کیا کرتے تھے۔"

"امریکہ جانے کی کیا وجہ تھی؟"

"بس کچھ گھریلو پرابلمز کی وجہ سے مجھے امریکہ جانا پڑا امریکہ میں میں نے اپنے بھائی کے گھر قیام کیا۔"

"کیا پایا کیا کھویا؟"

"جس انسان کو محنت و مشقت کی عادت ہو وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جائے کھوتا نہیں ہے پاتا ہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھی زندگی گزاری ہے اور گزار رہا ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اپنے ملک میں اپنا نام کمانے میں بہت مشکل پیش آئی مگر پھر بھی مجھے اپنے ملک سے پیار ہے۔"

"ظاہر ہے جب آپ اس فیلڈ میں آئے تو ایک ہی ٹی وی چینل تھا اور کام کرنے والے خواہش مند زیادہ تھے۔ شاید اس لیے آپ کو بہت محنت کرنا پڑی۔"

"میں ذرا طبیعتاً "سنجیدہ انسان ہوں۔ اس لیے شاید لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں بھی کامیڈی کر سکتا ہوں۔ آپ یقین کریں کہ مجھے تو ٹی وی کے اندر جانے کی اجازت بھی نہیں ملتی تھی کیونکہ سب مجھے بہت سیدھا سادا انسان سمجھتے تھے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے اندر اتنی کامیڈی بھری ہوئی ہے۔"

"پھر کیسے پتا چلا؟"

"بس پھر آہستہ آہستہ سب کو پتا چلا' جب میں ہٹ ہونے لگا۔ بہرحال مزہ اسی کام میں ہے جس میں محنت ہو اور محنت کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے اور یہ میٹھا پھل مجھے بہت راس آیا۔"

"امریکہ کی بات کر رہے تھے' سنا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی کوئی عزت نہیں ہے؟"

"مسلمانوں کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا مگر یہ حقیقت ہے کہ اب امریکہ میں ہم پاکستانیوں کا امیج بہت خراب ہوا ہے۔ ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ مگر پاکستانی بھی کیا کریں کہ ان کا روزگار وہاں بندھا ہوا ہے۔"

"آپ اتنے سال رہ کر آئے۔ وہاں کی شہریت لی آپ نے یا نہیں؟"

"نہیں میں نے وہاں کی شہریت نہیں لی۔ مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور میں اس کا پاسپورٹ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ میرا ملک میری پہچان ہے اور میں اسے کسی بھی قیمت میں کھونا نہیں چاہتا۔"

"امریکہ میں کیا کیا آپ نے؟"

"وہاں میری جاب تو تھی ہی ہے۔ اس کے علاوہ شوبز سے بھی وابستہ رہا۔ اور اسٹیج بھی کافی کیے۔ بندے کے اندر صلاحیت ہو تو وہ کہیں بھی اسے استعمال کر سکتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

سویرا ندیم

"کیسی ہیں آپ؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"قید تنہائی" اور "میڈ اسائیں" میں آپ کی پرفارمنس بہترین ہے آپ کو کیسا رسپانس مل رہا ہے؟"

"بہت شکریہ پسند کرنے کا اور ہمیں تو اچھا ہی رسپانس ملتا ہے۔ آپ بتائیں کیونکہ آپ ہر طرح کے لوگوں سے ملتی ہوں گی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ "قید تنہائی" میں بہترین اداکاری ہے اور بتائیں کسی کردار کو لیتے وقت کس بات کو مدِنظر رکھتی ہیں؟"

"کردار بہت اسٹرانگ ہو' ڈائریکٹر بہت اچھا ہو اور اسکرپٹ بہت اچھا ہو۔ میں کم کام کرتی ہوں مگر ان تینوں باتوں کو ضرور مدِنظر رکھتی ہوں تاکہ لوگ میرے ڈراموں کو زیادہ عرصے تک یاد رکھیں۔"

"ماشاء اللہ سے آپ کو کتنے سال ہو گئے ہیں اس فیلڈ میں؟"

"مجھے تقریباً" چودہ سال ہو گئے ہیں۔ 1995ء میں میں نے اس فیلڈ کو جوائن کیا تھا اور میرا پہلا ڈرامہ سیریل "اڑان" تھا یہی ڈرامہ میری پہچان بنا اس کے بعد مجھے کافی آفرز آنی شروع ہو گئی تھیں' تب سے اب تک میں کافی کام کر چکی ہوں۔"

"میں نے دیکھا ہے کہ خواہ بڑی عمر کی سینئر آرٹسٹ ہوں یا آج کل کی لڑکیاں' لباس کے معاملے میں بہت آزاد ہو گئی ہیں۔"

"جی ہاں' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن کیا کہہ سکتی ہوں۔ سب کی اپنی اپنی مرضی ہوتی ہے۔"

"ہم نے سنا ہے کہ ایسا سب کچھ ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کی ہدایت پر ہوتا ہے؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ جو کردار کی ڈیمانڈ ہوتی ہے اسی لحاظ سے لباس پہنا جاتا ہے۔ بس یہ خیال کر لینا چاہیے کہ ہمارا لباس ہماری روایات کی عکاسی کر رہا ہو۔ کیونکہ لباس ہی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔"

"فنکار کے لیے سیکھنے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے۔ آپ دوسروں سے سیکھتی ہیں یا اپنے ڈراموں کو دیکھ کر سیکھتی ہیں؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سیکھنے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے اور مجھے تو جہاں سے کوئی اچھی بات پتہ چلتی ہے میں اسے گرہ میں باندھ لیتی ہوں'

اپنے ڈرامے بھی اسی نیت سے دیکھتی ہوں کہ کہاں میں نے اچھا پرفارم کیا اور کہاں کسر رہ گئی۔ پھر اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"لوگ بھی کہتے ہوں گے کہ آپ نے کہاں اچھا

اور کہاں برا پرفارم کیا؟"

"لوگ زیادہ تر تعریف ہی کرتے ہیں میں چاہتی ہوں کہ لوگ تنقید بھی کریں کیونکہ میں تعمیری تنقید کا ہرگز برا نہیں مانتی ہوں۔ کوئی ہمیں ہماری خامیاں بتائے گا تو ہم مزید پرفیکٹ ہوں گے۔"

"اس فیلڈ میں بہت سے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہو گا۔ کوئی ایک بات جو آپ کو بہت بری لگتی ہو؟"

"اس فیلڈ کی بات نہیں ہے۔ ہر فیلڈ میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ جھوٹ بہت بولتے ہیں' جب وہ بولتے ہیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں میں یہ نہیں کہتی کہ لوگ جھوٹ نہ بولیں۔ بولیں مگر جب مجبوری ہو اور بولے بغیر گزارا نہ ہو رہا ہو۔"

"کسی بھی کام کے لیے پلاننگ کرتی ہیں؟"

"کوئی خاص نہیں ۔۔۔ کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ ہماری قسمت کے فیصلے اوپر والا ہی کرتا ہے۔ کوشش ضرور کرتی ہوں۔ مگر فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتی ہوں۔"

"اس فیلڈ میں ان رہنے کے لیے اپنی فٹنس کا کتنا خیال رکھتی ہیں؟"

"بہت زیادہ' کیونکہ موٹا ہونا مجھے قطعی پسند نہیں ہے۔ میں اپنی خوراک کا خاص خیال رکھتی ہوں۔ جہاں محسوس کرتی ہوں کہ میں موٹی ہو رہی ہوں۔ کھانے پینے میں اور بھی زیادہ احتیاط کرتی ہوں' نہ صرف خود احتیاط کرتی ہوں بلکہ اپنی ساتھی لڑکیوں کو بھی کہتی ہوں کہ اس فیلڈ میں دیر تک رہنا ہے تو اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھیں۔"

"اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟ جو چاہا وہ پا لیا یا ابھی پانے کی جستجو ہے؟"

"پانے کی جستجو تو انسان کو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے میں خوش ہوں ۔۔۔ میں نے بہت کچھ پایا ہے اس فیلڈ میں آ کر اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت شکوہ شکایت کرتے رہتے ہیں۔"

رضیہ جمیل

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لیے دعاگو ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو، ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور جو لوگ ہمارے پیارے شہر کراچی میں دہشت گردی کر رہے ہیں یا دہشت گردوں کا ساتھ دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے نجات دے۔ آمین۔

ناہید مقصود نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے۔

ناولٹ میں "ہم ہیں آوارہ" نے محفل لوٹ لی۔ فارحہ آپ کا انداز بیاں اور الفاظ کا چناؤ بہت خوب صورت ہے۔ آپ نے کہا عشق میں کوئی عورت، مرد نہیں ہوتا بالکل ٹھیک، میرے نزدیک عشق میں عمر کا فرق بھی نہیں ہوتا۔ "چاند کے پار چلو" اچھی کہانی تھی۔

"ایک حقیقت" وہی پرانا موضوع، ویسے بالکل ایسا ڈراما پی ٹی وی پر پچھلے ماہ چلا تھا "راز عشق"۔ کسی کے اتنے خالص جذبات بھی بھلا کسی سے چھپے رہ سکتے ہیں۔ نائلہ کی فکریں اور دعائیں اچھی لگیں۔

افسانوں میں "دسمبر کی شب" کافی ہٹ کر تھا۔ ردا فاطمہ کوئی اچھا سا ناول لکھیں۔ "تیرا ہونے لگا ہوں" میں اماں کو سلیقہ شعار ہو تو گئی۔ چلیں چند ماہ کا انتظار ہی سہی۔

"بادفانہ ہرجائی" ثریا انجم آپ نے زبردست ٹاپک چھیڑا، پڑھ کر مزہ آیا۔ اب بات ہو گی مکمل ناول کی، مجھے اس کا اینڈ بالکل پسند نہیں آیا۔ فیصل کو ردا سے صرف وقتی محبت تھی اور فیصل نے لائبہ سے شادی کیوں کی؟ اگر وجہ یہ تھی کہ دونوں ایک ہی شعبے سے منسلک ہیں تو لائبہ نے تو شادی کے بعد جاب چھوڑ دی تھی۔

"ستارۂ شام" صرف چھ ورق پر مشتمل یہ ناول پلیز آمنہ کچھ خیال کریں ہمارا۔ "کوئی دیپک ہو" بڑی دیر بعد یہ پوزیشن آئی جو ہم نے کافی دیر پہلے سوچ لی تھی، رخسانہ جی!

ج: پیاری ناہید! شعاع کی محفل میں خوش آمدید اور دعائیں۔ آپ کو فیصل کے ناول کا اینڈ اچھا نہیں لگا لیکن … پروا نے بھی تو کتنی بڑی غلطی کی تھی۔ بغیر کسی کو کچھ بتائے اپنا گھر چھوڑ دیا اور ملک سے باہر جا کر نوکری کر لی۔ اپنا کوئی اتا پتا بھی نہیں چھوڑا۔ شوہر اور بیوی کے درمیان بہت سی باتیں ہوتی ہیں، غلط فہمیاں بھی پیدا کی جاتی ہیں۔ وقتی طور پر غصے میں بہت کچھ کہہ سن لیا جاتا ہے لیکن اس طرح اپنا گھر چھوڑ دینا، غائب ہو جانا کسی طور پر درست رویہ نہیں۔ پروا فیصل کی محبوبہ نہیں بیوی تھی۔ اس کی کچھ ذمہ داریاں، کچھ فرائض اور حقوق بھی تھے۔ اس نے کسی کی پروا نہیں کی اور اپنا گھر چھوڑ گئی تو اسے سزا تو ملنا ہی تھی۔ محبت اپنی جگہ اور زندگی کے حقائق اپنی جگہ۔ کوئی کتنا ہی عزیز ہو کتنا ہی اہمیت رکھتا ہو اگر منظر سے ہٹ جائے تو اس کی جگہ بہت دیر تک خالی نہیں رہتی۔

فیصل نے لائبہ سے شادی کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لائبہ اس سے محبت کرتی تھی اس لیے اس نے

لائبہ کو ترجیح دی۔

گل ناز شہزادی نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے۔

پہلے ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ ان ڈائجسٹوں میں غیر اخلاقی کہانیاں ہوتی ہیں۔ ایک دوست نے ماہ دسمبر کا شمارہ ہمیں بطور تحفہ دیا۔ پہلے شمارے سے ہی پتا چلا کہ ہماری سوچ غلط تھی۔ آمنہ جی کا ناول (ستارۂ شام) بہت پسند آیا۔ بات جو ہم نے نوٹ کی ہے کہ زیادہ تر لڑکیاں شادی شدہ ہوتی ہیں اور تمام ہیروئنز ہی خوب صورت ہوتی ہیں جی۔ کبھی آپ عام غریب یا سادہ سی لڑکی کو بھی لکھا کریں۔ اس ماہ ماہا ملک کا ناولٹ بہت اچھا تھا زوا جی آپ نے تو کمال کر دیا کیا خوب خطاب دیا۔ بالی لالا بابا بڑا اچھا لگا۔

ج: گل ناز! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ قبول کریں۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیں گی۔

یہ ای میل ہمیں گڑھی شاہو لاہور سے سویدہ سحرش نے کی ہے، لکھتی ہیں۔

آپی! یہ کیا کہ پورے مہینے انتظار کرنے کے بعد "دیوار شب" کی اتنی مختصر قسط؟ چلیں … بہت اچھا ناول ہے لیکن بے چاری … اب گھر بچانے کے لیے کسی ایک کو تو سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور مرد ایسا کم ہی کیا کرتے ہیں۔ پروا کو لات مار دینی چاہیے تھی ایسی نام نہاد شہرت پہ جس نے اس کا گھر اجاڑ دیا۔ ماہا ملک جی! آپ بھی گریٹ ہو۔ اس دفعہ بھی بہت اچھا لکھا۔ مصباح گل جی نے بھی "چاند کے پار" جیسی تحریر دی، بہت اچھی تھی۔ مگر رخسانہ نگار جی! آپ پر یہ بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا یہ اسٹار پلس ٹائپ کہانیاں پلیز۔ "دیپک ہو" کو جلدی نمٹا دیں۔ آپی! ہم عمیرہ احمد کو بہت مس کرتے ہیں، آپ پلیز انہیں ڈھونڈ لائیں نا! شاعری تو ساری اچھی ہوتی ہے۔ مجھے "تاریخ کے جھروکے" بہت پسند ہے۔ افسانوں میں سدرہ سحر عمران کا "بھیگی جنوری کی شام" زیادہ پسند آیا۔ جبیں سسٹرز آپ کے لیے تو مجھے لگتا ہے کہ "تلاش گمشدہ" کا اشتہار دینا پڑے گا۔ آپی! مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے مگر ہمت نہیں ہوتی۔

ج: سویدہ سحرش! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ راحت جبیں کا مکمل ناول "امرت کا پیالہ" جنوری کے خواتین ڈائجسٹ میں شامل تھا۔ مختصر اقساط تو ہمیں بھی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ اس ماہ دونوں ناولز کی اقساط طویل ہیں۔ "کوئی دیپک ہو" کی مارچ میں آخری قسط شامل ہو گی۔

صدف ارشاد احمد چنہ حیدرآباد سے تشریف لائی ہیں۔

نئے سال کی مبارکباد نہیں دوں گی کیوں کہ ہمیں تو زندگی کا ایک سال کم ہونے پر ڈر لگتا ہے۔ خیر شعاع سارا ہی اچھا ہے۔ فارحہ ارشد اتنا اچھا لکھا واہ! (ہم ہیں آوارہ سو) عکرمہ رسول ہمیشہ یاد رہے گا اور آپی پلیز کنیز نبوی سے لکھوائیے پلیز اور کنیز نبوی جی پلیز ٹھیاری کی خوشبو اور شاہ سائیں کا عشق لے کر آجائیے۔ کنیز نبوی جی بہت سارا لکھیں اور ہمیشہ خوش اور آباد رہیں اور یونہی سندھ کی خوشبو پھیلاتی رہیں ویسے بھی لگتا ہے آپ کو شاہ سائیں کی دعا ہے اور آپ کنیز نبوی سے ان کے "روز و شب" لکھوائیے اور پلیز اسد قریشی ایکٹر اور فہد مصطفیٰ کا انٹرویو ضرور ضرور دیجیے پلیز۔

ج: پیاری صدف! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ ایک سال کم ہونے پر خوف تو ہم کو بھی محسوس ہوتا ہے کہ وقت اتنی تیزی سے ہاتھ سے پھسلتا جا رہا ہے اور اعمال نامے میں کچھ بھی نہیں۔ مبارکباد ہم ایک سال کم ہونے کی نہیں بلکہ ایک نیا سال شروع ہونے کی دیتے ہیں کہ آنے والا سال ہمارے لیے بابرکت ہو۔ آمین۔

کنیز نبوی کی کمی تو ہمیں بھی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ وہ ہماری بہت پیاری رائٹر ہیں آج کل وہ ناسازیٔ طبع کے باعث لکھ نہیں پا رہی ہیں۔ آپ دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں صحت مند اور خوش و خرم رکھے اور وہ ہمارے لیے بہت سارا لکھیں۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

ملکہ عمر ناز نے سرگودھا سے لکھا ہے۔

"دیوار شب" میں مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ معاذ زری سے شادی کرے گا۔ سب سے بہترین افسانہ جو مجھے لگا وہ ردا فاطمہ کا "دسمبر کی آخری شب" تھا۔ باقی ناولٹ

بس سو سو ہی تھے جو ایک افسانہ "پر کا کوا" تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ "میں کی کریاں مناواں" میں پروا کا انجام آپ نے نبیلہ جی اچھا نہیں کیا۔ فیصل کو اگر لائبہ مل چکی تھی۔ تو پروا کے لیے بھی کوئی تو ہونا چاہیے تھا۔ دکھ دکھ چاروں طرف بس دکھ ہی دکھ ہیں۔ زہرہ ممتاز کا "راز عشق" پڑھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ میں پہلے بھی پڑھ چکی ہوں۔ کیا یہ دوبارہ شائع ہوا ہے۔

"ستارۂ شام" کی ساتویں قسط تھی۔ لیکن ابھی تک مجھے اس کے کردار نہ تو یاد ہوئے ہیں اور نہ ہی سمجھ میں آئے ہیں۔ پچھلے خط میں آپ نے میرا ادھورا نام شائع کیا تھا اب ایسا نہ کیجیے گا

ج: ملکہ جی! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ زہرہ ممتاز کا ناولٹ مطبوعہ نہیں تھا۔ یہ پہلی بار شائع ہوا ہے۔ آمنہ ریاض کے ناول میں کرداروں کی زیادتی کے بارے میں ہماری کافی قارئین نے شکایت کی ہے۔ آگے چل کر کردار کم ہو جائیں گے۔

پروا جیسی لڑکیاں جو ذرا سی بات پر اپنا گھر چھوڑ دیتی ہیں۔ آخر میں اسی طرح خالی ہاتھ رہ جاتی ہیں۔ ہر جگہ۔ جہاں کچھ لوگ ساتھ مل کر رہتے ہیں "غلط فہمیاں" لڑائی جھگڑے ہوتے ہی رہتے ہیں "اگر اس طرح گھر چھوڑ دیا جائے تو کوئی گھر بھی نہ بس سکے۔

مسز سعدیہ ہارون نے یہ ای میل ہمیں کراچی سے لکھی ہے

میں آپ کی بہت پرانی قاری ہوں مگر پہلی دفعہ آپ کو میل کر رہی ہوں۔ ان انیس سالوں میں شادی اور بچوں کی مصروفیت کے باوجود شعاع کا ساتھ نہیں چھوٹا۔ میں ان قارئین میں سے ہوں جو کہانیوں کو مصنف کے نام کے بجائے کرداروں اور کہانی کے نام سے یاد رکھتے ہیں۔ اس بار ماہا ملک کا ناولٹ "ایک حقیقت یہ بھی ہے" جو میں نے کافی عرصہ پہلے پڑھا تھا۔ سو اسے دیکھ کر مجھے بڑی کوفت ہوئی۔ آخری دی پہ مصروفیت رسالوں میں لکھنے کے بعد ہی ملی ہے۔ ردا فاطمہ اور مصباح گل کے افسانے بہت اچھے لگے "نگران" میں کوئی نیا پن نہیں تھا۔ البتہ نبیلہ ابر راجہ اس بار بازی لے گئیں۔ بہت مختلف اور بہترین کہانی تھی۔

آمنہ ریاض "ستارۂ شام" "بس سو سو چل رہا ہے" البتہ "دیوار شب" "بہت بہترین جا رہا ہے۔ باقی تمام سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے جا رہے ہیں۔

ج: سعدیہ شعاع کی محفل میں خوش آمدید اور دعائیں۔ انیس سال سے ہماری قاری ہیں اور پہلی بار ہمیں ای میل کی ہے۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

حنا کنول نے سیالکوٹ سے لکھا ہے۔

جنوری کا شعاع آتے ساری شکایتیں' پریشانیاں جیسے پل بھر کو بھول گئیں۔ ٹائٹل پہ ماڈل کا ڈریس' میک اپ بہت خوب صورت تھا۔ سب افسانے' ناول ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ماہا ملک' ماشاء اللہ لکھتی ہی بہت اچھا ہیں۔ "راز عشق" زہرہ ممتاز نے دوستی جیسے تعلق کو بہت دلکش انداز میں پیش کیا۔ نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول "کی کریاں مناواں" کو میں اس دفعہ شعاع کی جان کہوں گی۔ "بھیگی جنوری کی شام" سعدیہ سحر نے کمال کر دیا "پر کا کوا" مجھ ناقب نے بہت اچھے موضوع کا چناؤ کیا اور بہت مختصر اور جامع انداز میں اس برائی پہ تنقید کی۔ اس ماہ کا خط میں محترمہ شمع فراز کی آرا سے میں سو فیصد متفق ہوں کہ زیادہ اقساط سے ناول کا حسن متاثر ہوتا ہے۔ آپی! اس بار خط آپ کے میں جام پورے زرقا افشین کی انوکھی فرمائش کی بابت پڑھا۔ پہلے تو جہاں پڑھ کر زیر لب مسکرائی پھر سوچ میں پڑ گئی کہ واقعی اگر ایسا ہو تو کیسا ہو؟ انتظار میں ہوں کہ کب ہماری قابل مصنفین ایسا دلچسپ ناول تخلیق کریں۔

آپی! آپ سے پوچھنا تھا لبنیٰ غزل اور ہما بخاری اب نہیں لکھتیں کیا؟ اور فرحت اشتیاق سے بھی کوئی ناول لکھوائیں ناں میرے تعارف کا کیا بنا؟

ج: پیاری حنا! فرحت اشتیاق لکھ رہی ہیں۔ آپ جلد ہی ان کا ناول پڑھ سکیں گی۔ لبنیٰ غزل اور ہما کوکب بخاری نے کافی عرصے سے کچھ نہیں لکھا۔ اب آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

قصبہ تارا ٹائر محمد شاہ' میانوالی سے ماریہ رانا اپنی ای میل کے ساتھ رونق محفل ہیں' لکھتی ہیں۔

میں آپ کو پہلی بار میل کر رہی ہوں اور اس کی وجہ رخسانہ نگار کی "کوئی دیپک ہو" ہے۔ پلیز رخسانہ جی اثانیہ کو بلال سے الگ مت کیجیے گا۔ باقی پورا شمارہ اچھا تھا۔ نئی رائٹرز نے بہت اچھا لکھا اور اپنی سسٹرز کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ عمیرہ احمد سے درخواست ہے کہ وہ ہمارے لیے کوئی ناول ضرور لکھیں۔ وہ میری فیورٹ ہیں۔

ج: ماریہ جی! یاد آوری کا شکریہ۔ رخسانہ نگار تک آپ کی درخواست پہنچا رہے ہیں۔ ویسے بھی مارچ میں "کوئی دیپک ہو" کی آخری قسط ہو گی۔

یہ خط مریم طارق کا ہے۔ مریم اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئی ہیں۔

شعاع جنوری 2011ء ہاتھ میں آیا۔۔۔ تو احساس ہوا کہ تقریباً" آٹھ سال سے یہ میں پڑھ رہی ہوں۔ مگر کبھی خط نہیں لکھا اور پھر میری ہمت ایک رائٹر کی وجہ سے بندھی۔ پیشے کے لحاظ سے میں ایک استاد ہوں۔ قارئین کے لحاظ سے رائٹرز کے لیے ہم استاد ہی ہوتے ہیں۔ ان کی تعریف اور تنقید کرتے ہیں۔ اس لیے میں اپنی شاباشی عنیقہ محمد کو دیتی ہوں۔ عنیقہ ویل ڈن! آپ کی خاطر میں نے قلم اٹھایا ہے۔

اس ماہ ماہا ملک کی کہانی "ایک حقیقت" زبردست تحریر تھی۔ اکثر بیویاں سنجیدگی کا ایسا لبادہ اوڑھتی ہیں کہ شوہر بیچارا تنگ آجاتا ہے۔ "دسمبر کی شب" ردا فاطمہ نے ٹرین کے سفر میں اس بالی والے کا کردار زبردست لکھا۔ "تاریخ کے جھروکوں میں" "اولاد آدم کی ابتدا" کا ٹاپک اشاعت کر کے آپ نے اچھا کیا۔ شعاع ڈائجسٹ ہر طرح سے علم کا خزانہ دے رہا ہے۔ میں بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تین رائٹرز کو مزید پڑھنا چاہتی ہوں' کنیز نبوی' عنیقہ محمد بیگ' ردا فاطمہ

ج: پیاری مریم! آپ نے خط لکھنے میں زیادہ ہی تاخیر کر دی۔ آٹھ سال کی طویل محبت میں کسی بھی رائٹر کی تحریر نے آپ کو اتنا متاثر نہیں کیا کہ آپ ہمیں خط لکھتیں۔ خیر! ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے کہ آپ اتنے طویل عرصے سے شعاع پڑھ رہی ہیں۔ کنیز نبوی' عنیقہ محمد بیگ اور ردا فاطمہ تک آپ کا پیغام اور تعریف پہنچا رہے ہیں۔ عنیقہ محمد بیگ کی تحریر تو اس ماہ شامل ہے' ردا فاطمہ کی تحریر آپ آئندہ ماہ پڑھ سکیں گی۔

اب ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا اور ایک ضروری بات آئندہ اپنے شہر کا نام لکھنا نہ بھولیے گا۔

ثمینہ اکرم نے بہار کالونی لیاری کراچی سے لکھا ہے۔

یہ شمارہ مجھے نئے سال کا تحفہ دینے کے لیے بہترین لگا۔ اداریہ پڑھ کر حمد اور نعت سے مستفید ہوئے "پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں" پڑھ کر ایمان افروز لگیں۔ شمع فراز صاحبہ کا خط پڑھ کر احساس ہوا' باذوق اور باصلاحیت قارئین بھی اس ادارے کے لیے عطیہ خداوندی ہیں۔ "کوئی نیا خواب ہو" نئے سال کا سروے خوب رہا۔ اسلم شیخ کی کچھ یادیں کچھ باتیں شیئر کیں۔ یہ جان کر دلی خوشی ملی کہ وہ لیاری (بہار کالونی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ محنت اور جدوجہد سے انسان کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے "دیوار شب" کی قسط نمبر 35 پڑھی۔ جس میں یہ صرف چند قدم آگے ہی بڑھ پایا ہے۔ سعدیہ سحر عمران نے "بھیگی شام" افسانہ خوب لکھا۔ یہ بھی کبھی اس رسالے کی قاری ہوا کرتی تھیں اب افسانہ نگار بن گئیں۔ بہت خوب بھئی (ماشاء اللہ) ردا فاطمہ کا افسانہ "دسمبر کی آخری شب" ٹرین کے سفر میں ہونے والی پہلی نظر کی محبت ثابت ہوئی۔ مصباح گل کا ناولٹ "چاند کے پار چلو" یہ ان لڑکیوں کے لیے ایک نصیحت ہے جو ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھتی ہیں۔

"کوئی دیپک ہو" میں آخر ہی ہوا "حقیقت یہ بھی ہے" کے ساتھ ماہا ملک کا نام دیکھ کر ایک خوشگوار حیرت ہوئی۔ آخر اتنے طویل عرصے بعد انہیں ہم معصوم قارئین کا خیال آہی گیا۔ ثمینہ لودھی کی شاید یہ پہلی کہانی ہے خوب تھی۔

اس ماہ کے سلسلے "مسکراہٹیں اور باتوں سے خوشبو آئے" مجھے پسند آئے۔ جبکہ سردی کے حساب سے مچھلی کے پکوان مزہ دے گئے۔ "تاریخ کے جھروکوں سے" "اولاد آدم کی ابتدا" میں دلچسپ اور مفید معلومات سے مستفید

ہوئے۔ سردیوں سے ہونے والی بیماریوں سے بچاؤ کے بارے میں مجھے کئی اہم اور مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ برائے مہربانی اعصابی کمزوری کا علاج اور غذا کا ضرور بتائیں۔ آپ جو تاریخی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اس میں حوالہ کتب ضرور دیا کریں۔ میری ایک فرمائش ہے کہ آپ مسالہ چینل کی کوکنگ ایکسپرٹ "ردا آفتاب" کا انٹرویو ضرور شائع کریں۔ مجھے ایک بات پتہ کرنی تھی کہ اگر شمارے کے مختلف سلسلوں میں شرکت کرنے کے لیے کچھ بھیجنا ہو تو کیا ہر تحریر کے لیے ہمیں الگ الگ لفافہ استعمال کرنا ہوگا (جواب ضرور دیں)

کافی عرصے سے انیسہ سلیم کی کوئی تحریر شامل نہیں ہوئی۔ کیا بات ہے؟ آپ سے ایک درخواست تھی کہ پرانی رائٹرز جیسے رفعت سراج' ایم سلطانہ فخر' زیب چوہدری' آسیہ رزاقی' نگہت عبداللہ' راحت جبیں' رفعت ناہید سجاد وغیرہ جو کہ آج کل کچھ نہیں لکھ رہیں۔ آپ ان کے پرانے ناول/ناولٹ ہی ہر ماہ ایک شائع کر دیا کریں۔

ج: ثمینہ جی! آپ کی دعاؤں کے لیے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ کی یہ دعائیں ہمارے لیے دنیا کا سب سے قیمتی اور انمول تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور خوش و خرم رکھے۔ آمین۔

انیسہ سلیم تک آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے نہ جانے کیا وجہ ہے ہمارے اور قارئین کے شدید اصرار کے باوجود وہ لکھ نہیں پا رہی ہیں۔

پرانی رائٹرز کی تحریروں کی فرمائش نوٹ کر لی ہے کوشش کریں گے جو نام آپ نے لکھے ہیں۔ ان مصنفین کی تحریریں شامل کر لی جائیں۔

ہر تحریر کے لیے علیحدہ لفافہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ایک ہی لفافہ میں مختلف سلسلوں کے لیے تحریریں بھجوائی جا سکتی ہیں۔

انصاریہ سید کوٹلی آزاد کشمیر سے شریک محفل ہیں۔

میں نے اپنی کزن کے گھر شعاع دیکھا تو اس کے شمارے گھر لے آئی میں نے پڑھے تو مجھے بہت اچھے لگے۔ خطوں کا سلسلہ بھی پڑھا لیکن یہ جان کر حیرت ہوئی کہ کوٹلی سے کسی نے بھی خط نہیں لکھا تھا میں نے سوچا جب یہ شمارے مجھے اتنے پسند ہیں تو مجھے خط لکھ کر بتانا چاہیے۔ میں اپنی ایک تحریر بھی بھجوانا چاہتی ہوں۔

ج: انصاریہ جی! آپ نے بہت اچھا کیا کہ ہمیں خط لکھ کر اپنی پسند کے بارے میں بتایا۔ لیکن آپ نے بہت مختصر خط لکھا' آئندہ تفصیلی خط لکھیے گا۔

کوٹلی سے ہمیں بہت سی بہنیں خط لکھتی ہیں جو شائع بھی ہوئے ہیں۔ محض اتفاق ہے کہ آپ نے جو شمارے پڑھے' ان میں کوٹلی کا کوئی خط شامل نہیں تھا۔

آمنہ بلوچ نے ڈگری کالج ڈھرکی سے لکھا ہے۔

شعاع سے ہمارا تعارف کسی کی وساطت سے ہوا اور پھر وہیں رخسانہ نگار صاحبہ کے "چارہ گر" کی ہیروئن ابیہا سے ٹاکرا ہو گیا۔ اور پھر راحت جبیں کے "زرد موسم" میں ایمن سے ملاقات نے ہماری شعاع کے ساتھ ساتھ "خواتین ڈائجسٹ" سے بھی پکی دوستی کروا دی۔

پچھلے تین سالوں سے جب سے یہ ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں' اس دوران بہت ساری تحریریں پڑھیں جو بے انتہا پسند آئیں سب ہی کہانیوں میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور موجود ہوتا ہے۔ ان ہی تحریروں سے ہمیں مثبت سوچ ملتی ہے۔ بلکہ یہ کہوں تو زیادہ بہتر ہے گا۔ کچھ میں نہیں آتا۔ کس کس رائٹر کی تعریف کروں' بات ہو محبتوں کی رائٹر سعدیہ عزیز آفریدی کی یا پھر ذکر ہو لازوال تحریروں کی مالک عمیرہ احمد کا جبیں سسٹرز کی منظر نگاری ہو یا بات ہو ہماری شعاع ڈائجسٹ کی روح رواں رخسانہ نگار کی بے مثال تحریروں کی۔ ان سب کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔

اب آتے ہیں جنوری کے شمارے کی طرف جیسے ہی ڈائجسٹ ہاتھ میں آیا۔ سب سے پہلے ٹائٹل پہ نظر دوڑائی۔ ماڈل بہت ہی پیاری لگی۔

نایاب جیلانی کو موجود نہ پا کر مایوسی ہوئی۔ البتہ نبیلہ ابر راجہ کو دیکھ کر خوشی محسوس ہوئی۔ لیکن یہ کیا صرف ایک ہی مکمل ناول؟ پلیز دو مکمل ناول تو ضرور ہونے چاہئیں۔

نبیلہ ابر "میں کی کریار مناواں" بے شک ایک زبردست تحریر تھی۔ پروا اور گل نام بے حد پسند آیا۔ شہرت کی چکا چوند اور انا کے زعم میں اس نے فیصل کو کھو دیا۔ لیکن فیصل نے اتنی جلدی دوسری شادی کر لی۔

افسانے سب ہی اچھے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ سدرہ سحر کا "بھیگی جنوری کی شام" پسند آیا۔

ماہا ملک کے ناولٹ "ایک حقیقت یہ بھی ہے" میں ریحانہ بیگم کا کردار پسند آیا۔

ہماری موسٹ فیورٹ رائٹر فائزہ افتخار کہاں گم ہیں' ان کی بہت کمی محسوس ہو رہی ہے۔

آپی! عفت سحر طاہر کیا پہلے عفت سحر پاشا کے نام سے لکھتی تھیں۔ میں نے ان کی ایک تحریر پڑھی تھی۔ عفت سحر پاشا کے نام سے "دست بے طلب میں پھول"

ج: پیاری آمنہ! عفت سحر طاہر پہلے عفت سحر پاشا کے نام سے لکھتی تھیں۔ شادی کے بعد وہ عفت سحر طاہر کے نام سے لکھ رہی ہیں۔ فائزہ افتخار کی تحریر آپ جلد پڑھ سکیں گی۔

نبیلہ ابر راجہ کے ناول میں اگر فیصل کی شادی نہ ہوتی تو ناول کی ساری خوب صورتی ختم ہو جاتی۔ ناول میں کوئی کلائمکس ہی نہ آتا۔

آرمی پبلک کالج اٹک سے فرخندہ خالد نے لکھا ہے۔

میں شاید 1999ء سے شعاع اور خواتین کی مستقل قاری ہوں۔ آپ کو شاید یاد ہو لیکن میں کسی زمانے میں دونوں ماہناموں کی مستقل تبصرہ نگار رہی ہوں۔ پھر ایم ایس سی کے دوران ہاسٹل میں رہی' آپ سے رابطہ نہ رہ سکا۔ بعد میں غم جاناں تو ملا نہیں' غم روزگار نے ایسا الجھایا کہ کئی بار تبصرہ لکھ کر رکھا لیکن پوسٹ نہیں کر سکی۔

ٹائٹل بس ٹھیک ہی تھا۔ قلم اٹھانے پر مجبور کیا ماہا ملک نے۔ انہوں نے دنیا بھر کی ساری بےزاری ریحانہ صاحبہ میں اکٹھی کی اور ذمہ دار گردانا کیمسٹری کو۔ حالانکہ نیو والے کہتے ہیں کہ کیمسٹری Subject of Love ہے اور مزید یہ کہ میں نے خود کیمسٹری میں ہی ماسٹرز کیا۔ پہلے پڑھی اب مقامی کالج میں پڑھا رہی ہوں۔ میں تو بالکل ایسی نہیں بلکہ میری دوست بھی تو باقاعدہ شاعری کرتی ہے۔ کیمسٹری پڑھنے کے باوجود ہم تو بارش' چاندنی' پھول' گجرے وغیرہ وغیرہ سب کے قدردان ہیں۔ جناب! خاصے رنگین مزاج ہیں۔ ایک بات اور صفحہ 84 پر بتول خالہ اور اماں کے عمرے پر جانے کا ذکر ہے بغیر کسی محرم کے۔ کیا محرم کے بغیر عورت عمرے پر جا سکتی ہے؟ میرے علم کے مطابق تو نہیں۔ وضاحت کر دیجیے۔

"چاند کے پار چلو" اور "میں کی کریار مناواں" میں کچھ نیا نہیں تھا' روایتی موضوعات' روایتی انجام سو کچھ خاص پسند نہیں آئے۔ باقی مستقل سلسلے اور سلسلے وار ناول بہت اچھے جا رہے ہیں۔ افسانے سارے بہت اچھے تھے۔ خصوصاً "دسمبر کی شب" موسم کے پکوان میں کبھی کیک بسکٹ بنانے کی تراکیب بھی دیجیے اور "پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" میں سجدہ سہو کے متعلق احکامات بھی شامل کر دیں۔

ج: فرخندہ طویل مدت بعد آپ نے ہمیں یاد کیا بہت شکریہ۔ کیمسٹری ہو یا سائنس کے دوسرے مضامین سائنس پڑھنے والوں کو فنون لطیفہ میں زیادہ ہی دلچسپی لیتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی شاعر تھے۔ بہترین مصور بھی تھے وہ کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ ہیڈ رہے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر آج کل ایک روزنامہ میں کالم لکھ رہے ہیں اور موضوعات کے لحاظ سے معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے حد خوب صورت نثر بھی لکھتے ہیں۔ ماہا ملک کے ناولٹ میں محترمہ فطری طور پر خشک مزاج واقع ہوئی تھیں اور کچھ اپنی پڑھائی کو انہوں نے سر پر سوار کر رکھا تھا۔

سانحۂ ارتحال

بہن نعیمہ ناز کے والد سمیع اللہ خان اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ سمیع اللہ خان نہایت نیک نفس اور نفیس طبع انسان تھے۔ بہت اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی وفات ان کے اہل خانہ کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے۔ ہم نعیمہ ناز کے غم میں برابر کے شریک ہیں دعاگو ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ مجیدہ مسو کے متعلق ان شاء اللہ آئندہ ماہ احادیث دیں گے۔

شہناز سلیمان نے گاؤں ڈھینڈہ ہری پور ہزارہ سے لکھا ہے۔

ٹائٹل پر زارا گل کی تصویر پیاری تھی۔ "دیوار شب" بہت سست جا رہا ہے' روا فاطمہ کا افسانہ "دسمبر کی شب" بہت ہی پیارا لگا۔ نیا سال کا نیا شعاع بہت ہی پیارا لگا' کرکٹر وسیم اکرم کا انٹرویو بھی کریں اور آخر میں ایک سوال کہ کیا راحت جبیں کا "زرد موسم" کتابی شکل میں آیا ہے اور کہاں ملے گا اور اس کی قیمت کیا ہے۔

ج: پیاری شہناز! شعاع کی پسندیدگی کا شکریہ۔ راحت جبیں کا ناول زرد موسم کتابی شکل میں آچکا ہے۔ آپ درج ذیل ایڈریس پر 600 روپے منی آرڈر کردیں۔ ناول آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا ایڈریس یہ ہے۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔

مسرت ریاست مانانوالہ سے تشریف لائی ہیں۔

میں نے حال ہی میں میٹرک کیا ہے۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو زیادہ تعلیم نہیں دلوائی جاتی۔ بورڈ ختم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے تینوں رسالوں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ ویسے امی سخت خلاف ہیں ان کے۔ اوپر سے مجھ سے چھوٹا بھائی ان رسالوں کے خلاف امی کو الٹی پٹیاں پڑھاتا ہے۔ جب بھی کہیں امی کی نظر پڑ جائے انہوں نے شروع ہو جانا ہوتا ہے۔ اچھی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پہلے صفحے پر ہی بے حیائی کے نمونے بیٹھے ہوں۔

آپی! میری کچھ رائٹرز سے ایک شکایت ہے کہ وہ جذبوں کا اظہار بے باک انداز میں لکھتی ہیں' اس طرف توجہ دیں تاکہ ڈائجسٹ کا معیار متاثر نہ ہو اور نہ ہی ہمیں کسی کو پڑھنے کے لیے دیتے وقت جھجک محسوس ہو۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے شمارے کی طرف تو سب سے پہلے رخسانہ آپی کا "کوئی دیپک ہو" کا تذکرہ کرتے ہیں جو مجھے بہت پسند ہے اور اس میں بسمہ اور ثانیہ کا کردار مجھے بہت پسند ہے۔ لیکن ثانیہ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہو رہا ہے اور زونیرہ جیسے پڑھے لکھے لوگ اس حد تک گر جاتے ہیں نیکی اور بدی کا فرق رکھتے ہوئے بھی غلط راستہ اختیار کرتے ہیں' ایسے لوگوں کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ "ستارۂ شام" اور "دیوار شب" بھی بڑے اچھے انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ نبیلہ ابر راجہ کا "میں کی کریاں مناواں" بڑا پسند آیا۔ ناولٹ میں "ہم ہیں آوارہ" فائزہ ارشد بازی لے گئیں' باقی ناولٹ بھی اچھے تھے اور افسانے تو اس دفعہ سارے ہی بڑے زبردست تھے۔ باقی سب سلسلے بھی اچھے تھے سوائے شاعری کے کہ مجھے کچھ خاص اچھی نہیں لگتی اور نہ ہی پڑھتی ہوں۔

ج: پیاری مسرت! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے گھر والوں نے آپ کو آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دی جبکہ آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ذہین اور باصلاحیت ہیں۔ کوشش کریں کہ آپ کو پرائیویٹ پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ آپ گھر پر رہ کر میٹرک کا امتحان دے سکتی ہیں' اپنی امی کو آپ شعاع کی کوئی تحریر منتخب کر کے سنا دیں پھر ہر ماہ وہ آپ کو خود شعاع منگوا کر دیں گی۔
مصنفین سے آپ کی شکایت ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہماری مصنفین تو اس سلسلے میں بہت محتاط ہیں اور ہم خود بھی بہت احتیاط رکھتے ہیں۔
شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

سائرہ منیر احمد نے کراچی سے لکھا ہے۔

میری خالہ پندرہ' سولہ سال سے شعاع پڑھ رہی ہیں مگر کبھی خط نہیں لکھا' اب تو ماشاء اللہ ان کے تین بچے ہیں۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ ان بچوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ وہ شعاع سے بھی اپنا رشتہ بخوبی نبھا رہی ہیں۔ ان ہی کو دیکھ کر میں نے شعاع پڑھنا شروع کیا۔
ٹائٹل زیادہ متاثر نہ کر سکا' ہماری آنکھوں میں تو ستمبر اور نومبر کا ٹائٹل بس گیا ہے۔ اف یہ دلہنیں کتنی پیاری لگتی ہیں۔

سب سے پہلے "کوئی دیپک ہو" پڑھا۔ پورے مہینے دعا مانگی تھی کہ اس بار زونی کا پلان فیل ہو جائے مگر اس بار تو رخسانہ جی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ رخسانہ جی پلیز! اسے ذرا اونا خواب کر دیجیے' ہمارا نازک سا دل اس صدمے کو برداشت نہیں کر پا رہا!

پھر ہماری نگاہوں نے "دیوار شب" کو تلاشا' پلیز عالیہ

جی! انجام کا ذکر زیادہ سے زیادہ کریں اور گزارش ہے کہ کہانی کو تیزی سے آگے بڑھائیے' رفتار سست پڑ رہی ہے۔ "ستارۂ شام" "زہرہ" آمنہ ریاض بہت ہی عمدہ لکھ رہی ہیں مجھے "شبیہ العباس" بہت کڑک اور زبردست کردار لگا' ابھی تو سمجھنے کی کوشش میں ہیں کیونکہ کاسٹ بہت لمبی ہے۔ اوپل ڈن آمنہ جی!
زہرہ ممتاز کا "راز عشق" بہت ہی ہلکی پھلکی عمدہ ناولٹ' ماہا ملک اچھے انداز بیاں کے ساتھ واپس آئیں' میری فیورٹ رائٹر ہیں!
مکمل ناول بھی کمال کے تھے' افیل کا کردار بہت پسند آیا مگر۔۔۔ نبیلہ جی بہت اچھا لکھا۔ باقی تمام سلسلے بہت ہی اچھے ہیں اور علی ظفر کا تفصیلی انٹرویو شامل کریں۔

ج: پیاری سائرہ! شعاع کے محفل میں خوش آمدید اور دعائیں۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

مریم افتخار' وزیر آباد سے شریک محفل ہیں۔

آج سے تین سال پہلے بدولت نے آپ کو خط لکھا تھا جو کہ ابا ردی کی نذر ہو گیا۔
عمیرہ احمد' فائزہ افتخار' راحت جبیں' نفزیلہ ریاض اور اب نمرہ احمد وہ رائٹرز ہیں جن کو پڑھتے ہوئے یہی محسوس ہوتا ہے جیسے لفظوں کو موتیوں میں پرو ڈالا ہو۔ قاری بہنیں اکثر ایک فرمائش کرتی ہیں آپ سے کہ ٹائٹل پر ماڈل گرل کی جگہ قدرتی مناظر کی تصاویر دیا کریں تو وہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں ہم کہتے ہیں سب رسالوں پہ ہی عورتوں کی تصاویر ہوتی ہیں لیکن وہ سب غیر معیاری ڈائجسٹ ہوتے ہیں' شعاع منفرد ہے۔
نبیلہ جی جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ شاہین جی لاہور اور گوجرانوالہ' گجرات کے DJs کے تو آپ انٹرویو ہی نہیں لیتیں۔ ہماری فرمائش ہے کہ مست ایف ایم 103 کے D.J ڈاکٹر اعجاز وارث' ڈاکٹر فیضان اور علیزے چوہدری کے انٹرویو بھی دیں بمعہ تصویر کے۔
فائزہ جی! جہاں بھی ہیں فوراً "رجوع" کرلیں شعاع کی طرف ورنہ۔۔۔۔ اور عمیرہ جی سے کیا کہیں عجب اپنے لوگوں کی فرمائش پہ توجہ نہیں دی انہوں نے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔

ج: پیاری مریم! بے حد افسوس ہے کہ آپ نے تین سال پہلے خط لکھا اور وہ شامل نہ ہو سکا تو آپ اتنی زیادہ ناراض ہوئیں کہ آپ نے اتنے عرصہ تک ہمیں خط ہی نہیں لکھا۔ اچھی مریم! خط شامل نہ ہونے کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے تاخیر سے ملا ہو' صفحات کی کمی کے باعث شامل نہ ہو سکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں ملا ہی نہ ہو۔ راستے میں کہیں کھو گیا ہو' اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی ناراضی دور ہو گئی اور آپ نے ہمیں یاد کیا۔
شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ قبول کریں۔ آپ کی فرمائشیں نوٹ کرلی ہیں۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

گوجرہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے گاؤں جودھا نگری سے

قرۃ العین نے ڈی آئی خان سے لکھا ہے۔

آج جس ناول کی وجہ سے ہم نے یہ قلم اٹھایا وہ اس ماہ کا (میں کی کریاں مناواں) ہے۔ جب ہم نے پڑھا تو ہم بہت روئے۔ پروا کے ساتھ بہت غلط ہوا۔ فیصل پہ تو حد سے زیادہ ہی غصہ آرہا تھا۔ اس نے دوسروں کی وجہ سے ایک بے قصور کو اتنی بڑی سزا دی اور اپنی زندگی بھی تباہ کی اور سلسلہ وار ناول "ستارۂ شام" بھی بہت اچھا جارہا ہے اس میں "شبیہ العباس" بہت اچھا لگا۔

ج: پیاری قرۃ العین! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ فیصل پر آپ کو غصہ آیا لیکن یہ تو عام مشاہدہ کی بات ہے کہ جب کوئی لڑکی اس طرح اپنا گھر چھوڑ جاتی ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی لے لیتی ہے۔ پروا کو گھر چھوڑنے سے پہلے کچھ سمجھ داری سے کام لینا چاہیے تھا۔

آپس کی بات

رضیہ مہدی

ایک چھوٹی سی بچی دروازے کے قریب آئی۔ ہم بڑی دیر سے بیل بجا رہے تھے۔ اس نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

ہم دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اب اس بچی کو کیسے بتائیں کہ ہم کون ہیں پھر صوفیہ نے اس سے پوچھا۔

"بیٹی! یہ انعام بھائی کا گھر ہے نا؟"

"جی۔ آپ کون ہیں؟" وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

"آپ ایسا کریں' اپنی امی کو بلا لائیں۔" اس مرتبہ پھر صوفیہ نے ہی اس سے کہا۔

"اچھا۔" وہ چلی گئی۔

ہم لوگ تھک بھی گئے تھے پھر کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ اتنے میں ایک خاتون قریب آگئیں۔ بچی شاید کسی عزیزہ کو پکڑ لائی تھی۔

"جی فرمائیے!" وہ قریب آئیں۔

"ہم لوگ آنٹی کے انتقال کا سن کر آئے ہیں۔ نزہت وغیرہ ہوں گی یہاں یا انعام بھائی اور ان کی بیگم۔"

"جی جی۔" انہوں نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ "تشریف لائیے۔"

"نزہت آج ۔۔ کل چلی گئیں' وہ اسلام آباد میں رہتی ہیں ۔۔ انعام بھائی ہیں۔"

"ہم لوگوں کو سیدھے ۔۔ اس طرف لے کر بڑھیں۔"

"۔۔ آپ لوگوں کو اور زحمت کرنی ۔۔"

کوئی بات نہیں۔" میں نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"یہاں تشریف رکھیں' آپ لوگ۔ میں باجی کو بلا لاتی ہوں۔ انعام بھائی میرے بہنوئی ہیں۔"

"اچھا اچھا!" ہم دونوں سامنے پڑے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ گھر صاف ستھرا اور سادگی سے آراستہ تھا مگر وہ جو کسی کی موت کے بعد ایک خاموشی در و دیوار سے بھی برسنے لگتی ہے تو یہاں وہی احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔

انعام بھائی کی بیگم کچھ دیر بعد آئیں "معاف کیجیے کام میں ذرا مصروف تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم لوگ بھی تو یوں ہی بغیر اطلاع کیے چلے آئے۔ دراصل آپ لوگوں کا کوئی فون نمبر بھی ہمارے پاس نہیں تھا اور آنٹی کا سنا تو رہ نہیں پائے۔"

"جی بس وہ۔ امی تو اچانک ہی۔۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولیں۔ "یہ سامنے ان کا کمرہ ہے اور کمرہ تو کیا وہ تو سارا گھر ہی خالی کر گئیں۔" وہ گہری سی سانس لے کر بولیں۔

پھر جھجکتے ہوئے بولیں۔ "معاف کیجیے گا' میں آپ لوگوں کو پہچان نہیں پا رہی ہوں۔"

صبیح چہرے اور دلکش خدوخال کی نرم نرم بولنے والی خاتون ہم لوگوں کو اچھی لگ رہی تھیں۔

"میں صوفیہ ہوں نزہت کی دوست' ویسے یہ جو سامنے گھر ہے نا یہ ہمارا تھا ہم لوگ یہیں پیدا ہوئے پلے بڑھے پھر امی یہاں سے گلشن چلی گئیں تو۔۔"

"او ہو بڑا ذکر سنا ہے آپ لوگوں کا اور آپ سے تو شاید میں ملی بھی ہوں پہلے۔" انہوں نے صوفیہ کی طرف دیکھا۔

"جی۔ میں آپ کی شادی میں آئی تھی' تب ہی نزہت نے آپ سے تعارف کرایا تھا مگر اس وقت تو آپ کا پتہ نہیں کس کس سے تعارف کروایا جا رہا ہوگا۔"

"ہاں' پھر بھی مجھے آپ چہرہ دیکھا دیکھا سا لگ رہا تھا۔ نزہت اب اسلام آباد میں ہوتی ہیں' آئی ہوئی تھیں۔ کل ہی گئی ہیں اور طلعت باجی تو دبئی سے آئی تھیں۔ وہ بھی کل ہی گئی ہیں' شام بھائی البتہ نہیں آپائے۔ وہ کینیڈا میں ہوتے ہیں۔"

"ہاں بس ہم لوگوں کو ذرا دیر سے اطلاع ملی۔" میں نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

آپ لوگوں کو تو امی بہت یاد کرتی تھیں انعام وغیرہ بھی' جب سب بھائی بہن اکٹھے ہوتے ہیں تو آپ لوگوں کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔"

"ہاں بڑا ساتھ رہا ہے ہم لوگوں کا نا امی سے رہا بغیر کسی مطلب کے ۔۔ آٹھ ۔۔ گزرا ۔۔ بچپن ۔۔ زندگی کا۔" باتیں کرتے کرتے وہاں ماضی کی کھڑکی کے پٹ کھول دیا تھا۔ وہ وقت ہی بہت عجیب تھا۔ سب کے دکھ سکھ سانجھے ہوتے تھے۔ پڑوسی رشتہ داروں سے بڑھ کر ہوتے تھے اور ایسے اچھے پڑوسی بالکل گھر جیسی اپنائیت۔ کسی دوری کا احساس نہیں حالانکہ اجداد کا تعلق الگ الگ جگہوں سے۔ زبان اور تہذیب الگ جبکہ فقہ بھی الگ الگ مگر یوں شیر و شکر رہتے کہ کوئی دیکھ کر فرق نہ کرپائے۔

انعام بھائی کی بیگم روحی مجھے بالکل آنٹی کی طرح لگ رہی تھیں۔ نرم خو اور محبت آمیز گفتگو کرنے والی۔ کسی تلخ کلامی اور طنزیہ بات سے کوئی واسطہ نہیں۔ شام بھائی' انعام بھائی' طلعت اور نزہت یہ چاروں' حسن بھائی بھی ہمارے یہاں تو کبھی میں صوفیہ اور حسان بھائی ان کے یہاں۔

کتابوں سے دوستی یہاں بھی بچے بڑے سب کو اور وہاں بھی جسے دیکھو کچھ نہ کچھ پڑھ رہا ہو تا وہاں بیٹھے بیٹھے سامنے ۔۔ کھڑکی چلے گی۔ آنٹی کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ وہ کچے گوشت کی بریانی بڑی مزیدار بناتی تھیں۔ پر ہم لوگ اکثر ڈبل کے میٹھے کی بھی فرمائش کر ڈالتے تھے جسے وہ ضرور پورا کرتی تھیں۔ ہمارے گھر بھی جو کچھ اچھا بنتا امی ان کے گھر ضرور بھیجتی تھیں۔

روحی بھابھی اس اثنا میں چائے لے آئیں اور بتانے لگیں۔ "امی آپ لوگوں کو بہت یاد کرتی تھیں۔ پڑوس تو ٹھیک ہی ہے مگر شاید دل سب سے نہیں مل پاتا۔ وہ بتاتی تھیں کہ آپ لوگوں اور ان لوگوں میں انہوں نے کبھی فرق ہی نہیں سمجھا۔"

"ہاں یہ تو ہے' ہم لوگوں کو بہت چاہتی تھیں آنٹی۔"

"بس زندگی اتنی مصروف ہے کہ کہیں آنا جانا ہی نہیں ہو پاتا۔ نہ آپ لوگ آپائے نہ ہم۔"

مجھے یاد آیا' ایک مرتبہ میں کسی کام سے اس طرف آئی تھی۔ واپسی میں جلدی میں ہونے کی وجہ سے میں

دیکھا بھالا لگ رہا ہے۔

”نوید! یہ وہ راستہ نہیں ہے جہاں سے ہم لوگ بڑی امی کے گھر گئے تھے (نوید اور میں چچازاد ہیں)۔“

”ہاں‘ یہ جو سامنے سڑک جا رہی ہے نا! یہ ان کے گھر کی طرف جاتی ہے۔“

”کتنے دن بلکہ سال ہوگئے۔ انہیں نہیں دیکھا۔“

مجھے اپنی بڑی امی یاد آنے لگیں۔ ہمارے بچپن میں ہر اتوار کو بڑی امی اور بڑے ابو دونوں ضرور ہماری طرف آتے تھے۔ سب گھر والوں سے ملتے حالانکہ دونوں جاب کرتے تھے۔ میری یہ بڑی امی خاندان کی سب عورتوں میں ممتاز لگا کرتی تھیں ان کی ڈریسنگ ان کے سلیقے سے کٹے اور بنے بال اور سب سے بڑھ کر ان کا باتیں کرنے کا اسٹائل انہیں سب میں ممتاز کرتے تھے۔ گو کہ یہ ہماری سگی بڑی امی نہیں تھیں پر رشتہ قریبی تھا اور مان اس سے بھی زیادہ قریبی۔ وہ بمشکل ایک دو گھنٹے سے نکال کر آتی تھیں مگر آتی ضرور تھیں اور دس پانچ منٹ ہی سہی سب سے محبت سے ملتی ضرور تھیں پھر دونوں بیمار رہنے لگے۔ بڑے ابو کا انتقال ہوگیا اور یہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہوگیا۔

فون کی سہولت دن بدن ارزاں اور ہر دم میسر ہونے کے باوجود ہم لوگ بھولے بسرے لوگوں کب کب یاد کرتے ہیں۔

میں نے لمحوں میں فیصلہ کرلیا۔ ”نوید! بڑی امی سے ملنے چلیں۔“

”پھر کبھی ماریہ! ابھی تو دل بہت عجیب سا ہو رہا ہے۔“

”پھر کبھی“ میں نے تاسف سے کہا۔

”پھر کبھی نہیں آتا نوید! تھوڑی دیر کو چلتے ہیں۔“

نوید نے میری طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر گاڑی اس سڑک پر ڈال دی۔

وہاں بھی بڑی امی کی بہو نے گیٹ کھولا۔ شادی بیاہ میں ملاقات ہوتی رہی تھی۔

سلام خیریت پوچھنے کے بعد انہوں نے بڑی امی تک پہنچا دیا۔

بڑی امی بہت کمزور ہو رہی تھیں۔ مگر لبوں پر وہی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اور ہمیں دیکھ کر اٹھیں اور لڑکھڑاتے قدموں سے ہماری طرف بڑھیں۔ ہم دونوں بھی بڑھے۔ انہوں نے نوید اور میرے چہرے پر اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے اتنی محبت سے دیکھا اور وہ بار بار مجھے پیار کرتیں‘ کبھی نوید کو چومتیں۔ ہمارے بچپنے کو یاد کرتیں۔ کبھی ہمارے بڑوں کا ذکر کرتیں۔

اور اس دن ہم دونوں نے احساس کیا کہ ہم نے انہیں جو خوش کیا وہ کیا مگر خود کو بہت خوش کیا۔ اتنی محبت اتنی چاہت کوئی ہم سے کہاں کرسکتا ہے۔ ہم لوگ کتنے برے ہیں کہ یہ گرانقدر چاہتیں سمیٹ نہیں پاتے۔

انہوں نے کوئی شکوہ نہیں کیا بس یہی کہا کہ ”میں شفیق (بیٹے) سے کہتی رہتی ہوں کہ تم لوگوں سے ملانے چلے مگر اس کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ کہتا ہے امی میں گاڑی ڈرائیور بھیج دیتا ہوں آپ چلی جایئے۔ میں بیٹا اب راستے بھول جاتی ہوں اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ گھر گلی محلے سب بدل بھی تو جاتے ہیں۔“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ کوتاہی تو ہم لوگوں سے ہو رہی ہے۔ مجھے دل ہی میں نہیں زبان سے بھی اس کا اعتراف تھا۔

واپسی میں ہم دونوں نے عہد کیا کہ اب اس غلطی کی تلافی ضرور کریں گے اور اپنے ان محبت کرنے والوں کو کچھ وقت ضرور دیں گے۔ یہ انمول محبتیں‘ یہ دعائیں دینے والے لوگ یہ ہم پر اپنا پیار نچھاور کرنے والے لوگ اب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں اور — اس سے پہلے کہ خسارے کا احساس قوی ہوجائے ہمیں جاگ جانا چاہیے۔ ہیں ناں آپ لوگوں کا خیال ہے؟

☆

آمنہ ریاض

ستارۂ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اُگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے۔ جو وہ اپنے چھ مربعہ زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ، اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مُردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دُعا بن چکا ہے۔ اس کی دُعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوبصورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی جنت کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ بہتر مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دُنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم اس کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے جنت بی بی حراست میں ہے۔ جس کا دعوٰی ہے کہ اس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت بی بی شیزو فرینیا کی مریض ہے جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتلائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور مجلسی خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبیعتاً سخت گیر اور غصہ ور نوجوان تھے۔ جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ بھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے نالاں ہے۔ شبیہہ، تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیرہ اور عزہ، تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ تنوی کا منگیتر ہے۔ وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروج کو اس کی بات کا علم نہ ہو۔

ثمینہ بیگم، ثروت دانیال کی اولاد ہے جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بد مزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال، ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد، زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے جس سے ماوی کا سر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

(اب آگے پڑھیے)

۸

آٹھویں قسط

بھید بھری پراسرار رات دنیا پر جھک آئی تھی۔

سارے میں دوسرے پہر کی تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ چوکیدار کے کیبن سے نکلتی ٹیلی ویژن کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح محسوس ہوتی تھی یا مین روڈ سے کبھی کبھار گزرتی ٹریفک کی آواز اس خاموشی کے تسلسل میں خلل ڈال دیتی تھی۔

بے تحاشا خنکی اور گل چین کی دل فریب مہک۔

انیکسی کے داخلی حصے پر آرائشی فانوس کی بے حد مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن یہ روشنی برآمدے میں لگے جھولے تک پہنچنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ اسی نیم تاریک جھولے پر ثمینہ بڑی دیر سے تنہا بیٹھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انہوں نے گہرے رنگ کی گرم شال اوڑھ رکھی تھی اس کے باوجود خنکی انہیں اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔

ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹتا۔ وہ بڑھتی ہوئی خنکی کا احساس کر کے اندر جانے کا ارادہ کرتیں پھر بیٹھ رہتیں۔ ہر بار شرمندگی و خفت بری طرح ان پر حاوی ہوتی اور وہ جھنجلاہٹ کے مارے وہیں بیٹھی رہ جاتیں۔

تب ہی انیکسی کا دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ ثمینہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فیضان ہاتھوں میں دو مگ پکڑے کھڑے تھے پھر پیر سے دروازہ بند کر کے ان کے پاس آ گئے۔

"فیضی! اس وقت کافی پئیں گے تو نیند کیسے آئے گی؟" فیضان نے ایک مگ ان کی طرف بڑھا دیا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے جب ثمینہ نے پوچھا۔

"نیند تو آپ کو ویسے بھی نہیں آ رہی۔ پھر کافی پینے میں کیا حرج ہے۔"

"تم کیوں اب تک جاگ رہے ہو؟" ثمینہ نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کام کر رہا تھا کمپیوٹر پر بس اسی مصروفیت میں اتنا ٹائم ہو گیا اب نیند نہیں آ رہی تھی تو سوچا کافی پی لی جائے پھر آپ یہاں بیٹھی ہوئی نظر آ گئیں۔" فیضان نے آہستہ آواز میں لیکن تفصیل سے بتایا۔

"اب بتائیں... آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟"

"اس قدر فضول حرکت سرزد ہوئی ہے مجھ سے کہ شرمندگی کے مارے نیند ہی اڑ گئی۔" ثمینہ نے خفت سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

"اللہ بخشے اماں جی کہا کرتی تھیں۔ ثمینہ تجھے بولنے کا سلیقہ کبھی نہیں آ سکتا۔ آج میں نے ان کی بات کو درست ثابت کر دیا۔ اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی مجھے بولنے کا سلیقہ نہیں آ سکا۔ بتاؤ کیا ضرورت تھی یہ کہنے کی تم وہی ثروت ہو نا — مستقیم بھٹی کی بیوی۔ میری جگہ کوئی احمق بھی ہوتا تو سمجھ لیتا۔ وہ اب مستقیم بھٹی کی بیوی نہیں دانیال حسن کی بیوی ہے۔ میری زبان کیوں پھسل گئی۔"

ثمینہ نے دایاں ہاتھ سر پر مارتے ہوئے خفت و جھنجلاہٹ کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

"بھول جائیں بجیا! جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"اتنی دیر سے بھولنے کی کوشش ہی تو کر رہی ہوں لیکن..." وہ اٹک سی گئیں۔ "مجھے کم سے کم دانیال صاحب کے سامنے یہ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مرد کتنا ہی اعلا ظرف کیوں نہ ہو بیوی کے ماضی کے حوالے کو کبھی درگزر نہیں کر پاتا۔ میں تو اتنے لوگوں کے درمیان [illegible] یاد آ رہا ہے جس روز سے ثروت سے ملی تھی یہی سوچ رہی تھی اس کو کہاں دیکھا ہے۔ حسن دونوں [illegible] بھائی جان اور [illegible] حویلی میں تھے ایک روز ثروت سے ملاقات ہوئی تھی بس وہی ملاقات ذہن میں رہ گئی اور آج یاد آئی تو زبان پھسل گئی۔"

"آپا! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اس طرح مستقل سوچ سوچ کر اور پریشان ہو کر آپ اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں کہ اپنے کہے جملوں کا اثر کم کر لیں۔" فیضان نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں مسز دانیال سے معذرت تو کر ہی سکتی ہوں۔"

ثمینہ پرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں۔ چند منٹ خاموشی ان دونوں کے درمیان حائل رہی پھر فیضان نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"میں آپ سے شہروز کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔" ثمینہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"شہروز اسپیشلائزیشن کے لیے جا رہا ہے۔ جانے سے پہلے وہ ماوی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہے۔" فیضان نے مختصر لفظوں میں انہیں شہروز کا پیغام پہنچا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فیاض بھائی نے تو مجھ سے ذکر نہیں کیا جبکہ مجھے تو شہروز کے جانے کی بھی کوئی خبر نہیں۔" ثمینہ نے پریشانی سے باہر آتے ہوئے کہا تھا۔

"بس اچانک ہی اس کے جانے کا پلان بنا ہے جہاں تک نکاح والی بات ہے شہروز پہلے آپ کا اور ماوی کا ارادہ جاننا چاہ رہا ہے پھر ہی بھائی جان سے بات کرے گا۔ اسی لیے اس نے مجھ سے کہا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھوں کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں؟"

”لو۔۔۔ اس میں اعتراض والی کیا بات ہے۔ جب منگنی کی ہے تو نکاح بھی تو کرنا ہی ہے بلکہ سچ پوچھو تو مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔۔۔۔ ورنہ منگنی کے بعد سے ان دونوں کی یہی رٹ تھی کہ شادی کے لیے تو ابھی سوچیے بھی مت۔“

”پھر میں شہروز سے کہہ دوں فیاض بھائی جان سے بات کرے؟“

”اں۔۔۔“ ثمینہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔ ”میں ذرا ماوئی سے بھی اس کی رائے معلوم کر لوں۔ ایسا نہ ہو شہروز نے صرف اپنی طرف سے بات کی ہو۔ تمہیں پتا نہیں ہے میری نازک مزاج بیٹی کا۔ معمولی سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف کی تو ساری زندگی ہی جتاتی رہے گی۔“ ثمینہ نے کھنکتی ہوئی آواز میں بیٹی کا ذکر کیا تھا۔ سچ تو واقعی یہی تھا کہ ماوئی کی شادی کا خیال ہی ان کے لیے بے حد خوش کن تھا۔

”آپ پوچھ لیں ماوئی سے مجھے بھی ابھی کچھ روز مزید یہاں رکنا پڑے گا بزنس کے سلسلے میں وہ بھی تب اگر دانیال صاحب نے آج والی بات کا ایشو نہ بنایا تو۔ دوسری صورت میں ہم اکٹھے ہی واپس چلیں گے۔“ فیضان نے ہلکے پھلکے انداز میں مطلع کیا۔ ثمینہ چونک سی گئیں۔

”واقعی فیضی! یہ تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس بات کا اثر تمہارے کاروبار پر بھی پڑ سکتا ہے۔“

”اگر تقدیر میں کوئی ایسی بات لکھی ہے تو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس لیے آپ پریشان نہ ہوں۔“ فیضان نے زور دیتے ہوئے کہا اس سے قبل کہ ثمینہ کچھ کہتیں۔ دروازہ کھول کر ماوئی باہر نکلی۔ وہ نیند سے اٹھ کر آئی تھی اور ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے پریشان لگ رہی تھی۔

”آپ لوگ اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ اس نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا۔

”بس اندر آ ہی رہے تھے اور ماوئی اتنی ٹھنڈ میں تم بغیر کوئی گرم کپڑا اوڑھے باہر آ گئی ہو۔ پاؤں میں سلیپر بھی نہیں ہیں۔ عقل کہاں ہے تمہاری۔“ ثمینہ اسے ڈانٹتے ہوئے اندر چل دیں۔ فیضان پیچھے دروازے بند کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

”رات بھی آپ کو بار بار کھانسی آتی رہی۔ اگر آپ کہیں تو جو شاندہ بنا لاؤں؟“ ثروت نے کن اکھیوں سے دانیال حسن کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

جب سے کمرے میں آئی تھیں دیکھ رہی تھیں انہوں نے مسلسل اٹھا پٹخ لگا رکھی تھی۔ جو چیز رکھتے زوردار آواز کے ساتھ۔ الماری کا پٹ بند کیا اس انداز سے کہ ایک پل کو تو کمرے کی دیواریں بھی کانپ گئی ہوں گی۔ پیشانی پر اتنے بل کہ گننا مشکل۔ تاثرات میں کرختی و خفگی بلکہ لاتعلقی۔

ثروت میں زبان کھولنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

ایک خدشہ ان کی توقع کے برعکس بے حد جلدی حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آ گیا تھا اور وہ جانتی تھیں وضاحت پیش کرنے کا کوئی موقع انہیں نہیں دیا جائے گا۔

کسی کی یادداشت کے غلط وقت پر چمک اٹھنے کا گناہ بھی ان ہی کی فرد جرم میں لکھا جا رہا تھا۔

بڑی مشکل دانیال حسن کی گویائی پر لگا قفل تھا۔ جس انسان کو عنادول میں رکھ کر اولاد کی طرح اس کی پرورش کرنے کا شوق ہو۔ وہ اپنی ہی نہیں اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگیاں بھی مشکل بنا دیتا ہے۔

”دانیال۔ ! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔“ ثروت نے جھجکتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ اس بار ان کی آواز پہلے سے بلند تھی۔

”جی فرمایئے۔۔۔ اب کیا پوچھ رہی ہیں آپ؟“

الفاظ کچھ کہیں یا نہ کہیں۔۔۔ لہجے کتنا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ بتا دیتے ہیں۔ ثروت نے گہری سانس بھرتے ہوئے سوچا پھر ہمت کر کے بولیں۔

”دانیال!۔۔۔۔ ثمینہ نے جو بھی کہا اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ جب انہیں یاد آیا تو کیا میں ان کی زبان پکڑ لیتی۔“ ثروت نے منت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

”ثروت!“ دانیال حسن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں بولنے سے روک دیا۔ ”میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں چاہتی ہوں آپ بات کریں۔“ ثروت نے سرعت سے کہا۔

”ثمینہ کے بھائی کے ساتھ پارٹنرشپ آپ نے کی اب اگر ان لوگوں کا مستقیم سے کوئی۔۔۔“

”میں نے کہا نا میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ نہیں کا مطلب ہوتا ہے نہیں۔“ یکدم دانیال حسن نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ ثروت دم بخود کسی قدر سہم سی گئیں۔

”ان لوگوں کا تمہارے پہلے شوہر سے کا تعلق تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں جاننا میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔ مجھ سے کوئی بات مت کرو۔۔۔۔ تمہیں اپنے ماضی سے جڑے رہنے کا شوق ہے خصوصاً“ جس ماضی میں تمہارے سابقہ شوہر کا حوالہ بھی آتا ہو۔۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم شوق سے ان لوگوں سے رابطہ رکھ کے مستقیم کی خبرگیری کر سکتی ہو۔“ بظاہر ٹھنڈے لہجے میں بولتے دانیال حسن جیسے غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

”مجھے مستقیم کی خبرگیری کرنا ہوتی تو آپ سے شادی ہی نہیں کرتی۔“ ثروت نے یکدم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

”یہی تمہارا دوغلا پن ہے ثروت۔۔۔۔!“

اسی پل دروازہ ایک آواز کے ساتھ کھلا اور اپنی دھن میں دوڑتا ہوا ولی اندر داخل ہوا۔

”بی ابا میرے جوتے۔۔۔“

”ولی! تمہیں کسی نے تمیز نہیں سکھائی؟“ دانیال حسن نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ولی بری طرح سہم کر وہیں رک گیا اور نا سمجھی سے ماں باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جب تک تمیز نہ سیکھ لو اس کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" دانیال حسن بری طرح دھاڑے تھے۔ ولی خوفزدہ ہو کر الٹے قدموں پلٹ گیا۔

ثروت کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے ولی کو واپس جاتے دیکھا۔

"بدگمانی کی جس آگ میں آپ جل رہے ہیں دانیال! برائے مہربانی اس کی تپش کو میرے بچوں تک منتقل نہ کریں۔"

ثروت نے سخت متنفر لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ دانیال حسن نے ہاتھ میں پکڑا قلم میز پر پٹخ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کلاس روم میں لیکچر کے دوران کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

صرف ٹیچر عائشہ کی آواز تھی جو وضاحت سے سنائی دیتی تھی قد آدم کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ کے بڑے بڑے ٹکڑے اندر تک بچھ رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی کونے میں سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ زور پکڑتی جسے ٹیچر کی ایک تنبیہی نظر یا ڈائس پر پین کی ہلکی سی ٹک ٹک ماند کر دیتی۔

نمرہ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے چپکے سے ساری کلاس پر نظر ڈالی پھر ترچھی نظروں سے تنوی اور عبیر کو دیکھا جو بالکل اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سنجیدگی سے لیکچر سن رہی تھیں۔ معاً اسے ایک خیال آیا اس نے اپنی نوٹ بک پر لکھا۔

"یہ ناراضی کب تک چلے گی!" اور اسے عبیر کی طرح کھسکا دیا۔

عبیر نے پہلے چونک کر اسے اور پھر نوٹ بک کو دیکھا۔ نمرہ چہرے پر زمانے بھر کی سنجیدگی اور پڑھائی سے عشق کی حد تک لگاؤ کے تاثرات چہرے پر سجائے لیکچر سن رہی تھی۔

عبیر نے کہنی مار کر تنوی کو متوجہ کیا اور آنکھوں سے نوٹ بک کی طرف اشارہ کیا۔

چند سیکنڈ بعد نوٹ بک پھر نمرہ کے سامنے آن رکی۔ لکھا تھا۔

"جب تک فلم اسٹار انجمن دوبارہ سے سینما کی اسکرین کو چار چاند نہیں لگاتی۔"

نمرہ نے پل بھر کے لیے سوچا پھر لکھا۔

"انجمن کا ہماری ناراضی سے کیا تعلق؟"

جواب آیا۔ "وہی جو تمہارا انجمن سے ہے۔"

"میرا انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"چل جھوٹی!۔۔۔ سلطان راہی کس کے خوابوں کا شہزادہ تھا؟"

"شاید تم دونوں میں سے کسی کے خوابوں کا ہو۔۔۔ بڑی بدتمیز ہو آج تک مجھے تو بتایا ہی نہیں۔"

"ہم پر ایسا گھٹیا الزام نہ لگاؤ نمرہ! ہم تو تمہارے حوالے سے ان کی بڑی عزت کرتے ہیں اور بھائی صاحب سلطان راہی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"دفع دور۔۔۔ وہ بے چارا تو شاید میری پیدائش سے بھی پہلے انتقال کر چکا تھا۔" نمرہ نے خاصا برا مانا تھا۔

"ہاں اب بن جاؤ ننھی منی۔"

"میں ہوں ننھی منی اب تم جیسی عمر رسیدہ لڑکیوں کی کلاس فیلو بن گئی ہوں تو یہ میری ذہانت کا کمال ہے۔"

"تمہاری شکل اور صحت انجمن سے ملتی ہے جبکہ عقل بہو بیگم سے۔"

"عبیر! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"اور عزائم پھولن دیوی سے۔" وہ سیر تھی تو عبیر سوا سیر اور اس وقت تو تنوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بے چاری نمرہ نے جلدی ہی ہار مان لی۔

"صلح کرنی ہے کہ نہیں؟"

"ایک برگر دو سموسے ایک کوک اور۔۔۔ اور دو ڈونگ ڈونگ کھلاتی ہو تو میں راضی ہوں۔"

"شکل اور صحت میری انجمن سے ملتی ہے اور خوراک تمہاری۔"

نمرہ نے بے ساختہ کہنی اس کی بازو میں ماری اور دانت پیس کر بولی۔ تنوی عبیر کے دوسری طرف تھی اس صورت حال پر ہنس دی۔ عبیر نے بمشکل اپنی چیخ روکی اور بازو سہلاتے ہوئے بری طرح نمرہ کو گھورا جواباً نمرہ نے ہنسی دبا کر کانوں کو ہاتھ لگایا پھر تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یوں اس بے سبب ناراضی کا اختتام ہوا جو عروش کی وجہ سے ان کے درمیان آ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

دانیال حسن توقیر صاحب کے آفس میں موجود تھے۔ چند منٹ قبل چپڑاسی چائے رکھ کر گیا تھا اور اب دانیال حسن اپنی بند آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے سہلا رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچنے کے بعد ہی فیصلہ کیا ہے توقیر! اس ذہنی حالت کے ساتھ میں کچھ نہیں کر پاؤں گا اس لیے میں نے پارٹنر شپ سے دو دور ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے میرا سرمایہ واپس چاہیے۔" دانیال حسن نے کہا تھا۔

"تمہارے بجائے یہ باتیں کوئی بیس اکیس سال کا لڑکا کر رہا ہوتا تو اس کی جذباتیت سمجھ میں آتی۔۔۔ تمہارے جیسا میچور آدمی ایسا احمقانہ اور جذباتی فیصلہ کر رہا ہے اس کی تک ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" توقیر صاحب نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جس کا تعلق ثروت کے ماضی سے ہو۔" دانیال حسن نے سابقہ انداز میں کہا۔

"دانیال' دانیال!" توقیر صاحب جیسے اکتا ہی گئے۔ "تمہیں پتا ہے تم نے اپنی زندگی خود مشکل بنا رکھی ہے اور صرف اپنی ہی نہیں تم نے بھابھی کی زندگی بھی مشکل بنا رکھی ہے۔ لوگ تو اپنا ماضی بھول جاتے ہیں۔ تم بھابھی کا ماضی سر پر سوار کر کے خود کو اور انہیں اذیت دے رہے ہو۔" توقیر صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور انہیں درپیش مسائل سے بھی آگاہ تھے۔

"یار توقیر! میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہے۔ مہربانی فرما کے مجھے لیکچر مت دو۔" دانیال حسن نے یکدم درشتی سے کہا تھا۔

"لیکچر نہیں دے رہا تمہارے فائدے کی بات ہی کر رہا ہوں۔"

"میرا فائدہ صرف اسی میں ہے کہ میرا سرمایہ مجھے واپس کر دیا جائے۔" دانیال حسن کی ذہنی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ ہر طرح کا نفع نقصان بھول چکے تھے۔ توقیر صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔

"تم حد سے زیادہ خود غرض انسان ہو دانیال! صرف اپنی پڑی ہوئی ہے۔ تمہارے اس فیصلے کا اثر کسی دوسرے پر کیا پڑے گا۔ تمہیں اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں۔" جھنجلاہٹ میں وہ بری طرح برس پڑے۔

"تم نے ایک بار بھی سوچا ہے۔ تم اپنا سرمایہ نکال لوگے تو میرا کیا ہو گا؟ میں جو اپنی پائی پائی اس کاروبار پر لگا بیٹھا ہوں ایک اور پارٹنر کہاں سے ڈھونڈوں گا۔ تمہارے لیے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ میرا سرمایہ واپس کر دو تمہیں تو یہ

بھی نہیں کر سکتا۔"
دانیال حسن نے چونک کر توقیر صاحب کو دیکھا۔ واقعی انہوں نے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔
"ٹھیک ہے پھر..... فیضان مہدی کو بیچ میں سے نکال دو۔ مجھے صرف اس کے ساتھ کام کرنے پر اعتراض ہے۔ جب وہ ہی نکل جائے گا تو میری پریشانی خودبخود ختم ہو جائے گی۔"
چند منٹ کے غوروخوض کے بعد دانیال حسن نے تجویز دی تھی۔ جس پر توقیر صاحب اور جھنجلا گئے۔
"دانیال! تم سے کم ایک بینکر کے منہ سے ایسی بے عقلی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیا تمہیں ساری ٹرمز اینڈ کنڈیشنز نہیں پتا..... فیضان کا سرمایہ بھلے ہی ہم دونوں کے سرمائے سے کم ہو مگر تجربہ اسی کا ہو گا۔ اسے ہی نکال دیا تو ہم دونوں کا سرمایہ بھی برباد ہو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو دانیال! فی الحال فیضان کو ہماری نہیں..... ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ وہ بے چارہ تو اس کام میں ہاتھ بھی نہیں ڈال رہا تھا میں نے ہی اسے مجبور کیا۔ اب میں ہی اسے الگ ہونے کا کہتا ہوں تو میری کیا عزت رہ جائے گی اس کی نظر میں۔" توقیر صاحب کی اپنی ہی پریشانی تھی۔
دانیال حسن خاموشی سے مگر ناپسندیدگی کے تاثرات چہرے پر سجائے چائے کے مگ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھتے رہے۔ توقیر صاحب بغور ان کے تاثرات کا جائزہ لیتے رہے پھر بولے۔
"دیکھو دانیال! میں سمجھ سکتا ہوں تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ پوائنٹس ہیں۔ تم ایک بار ان پر غور کر لو، مجھے یقین ہے تمہارے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ فیضان بہت بہترین اور محنتی انسان ہے۔ تم دیکھ لینا وہ ہمارے کاروبار کو دنوں میں کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ثروت بھابھی کے ماضی سے ثمینہ آپا کے ماضی کی کڑی جڑتی ہے۔ فیضان کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے بلکہ میرا تو خیال ہے ثمینہ آپا کا بھی اس سے کوئی لینا دینا نہیں، وہ تو بس بات برائے بات ذکر آ گیا تھا جسے تم نے اپنے ذہن پر سوار کر لیا ہے۔"
دانیال حسن ابھی بھی مستقل خاموش تھے۔ وہ دیر تک اس صورت حال پر غور کرتے رہے پھر ناچار انہوں نے کہا۔
"ٹھیک ہے مجھے فیضان مہدی کی شراکت منظور ہے لیکن ایسا میں صرف تمہارے لیے کر رہا ہوں ورنہ اب اس کاروبار میں میری کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"شکریہ..... مہربانی۔ میں احسان یاد رکھوں گا۔" توقیر صاحب سکون سے مسکرائے پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔
"اب خود پر بھی ایک احسان کرو۔ نکل آؤ اس ماضی کے عذاب سے جو تمہارے لیے صرف اور صرف تکلیف و اذیت کا سبب بنتا ہے۔ ثروت بھابھی نے ساری دنیا سے منہ موڑ کر تم سے شادی نہیں کی تھی کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں یا کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ تم نے اپنے اردگرد اپنے ہی نظریات کی آگ جلا رکھی ہے دانیال! اس آگ کو خود نہیں بجھاؤ گے تو ساری زندگی سلگتے رہو گے۔" توقیر صاحب مستقل سمجھاتے رہے۔ کچھ باتیں دانیال حسن نے سمجھیں کچھ نہیں۔ دل و دماغ تو اس تپش اور دھوئیں کی زد میں تھے جو اس آگ کی مرہون منت تھی جس کی نشاندہی توقیر صاحب نے کی تھی۔

☼ ☼ ☼

ثمینہ بری طرح کشمکش کا شکار تھیں۔
گوکہ ارادہ کر لیا تھا کہ ثروت سے معذرت کرنی ہے لیکن اس فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ تھی جو مستقل پھانس

کی طرح چبھ رہی تھی اور انہیں ان کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرنے دے رہی تھی۔
ماوی اور فیضان کے گھر سے نکلنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بے مصرف بیٹھی رہیں۔ بہت کچھ یاد آرہا تھا جسے بالآخر ذہن سے جھٹک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ٹیکسی لاک کر کے باہر آگئیں۔
شازیہ انہیں باہر ہی مل گئی۔
"شازیہ! ذرا ثروت بی بی کو اطلاع دے دو کہ میں آئی ہوں۔"
"بڑی بی بی تو گھر پر نہیں ہیں جی ولی صاحب کے اسکول گئی ہیں۔"
"اوہ....." ثمینہ کو مایوسی ہوئی۔ "اچھا ایسا کرو۔ تم یہ چابیاں رکھو..... میں گروسری کے لیے مارکیٹ جارہی ہوں۔ ماوی یا فیضان صاحب آئیں تو چابیاں انہیں دے دینا اور....." وہ کہتے کہتے رکیں۔
"اور ثروت بی بی کو بتا دینا کہ میں ان سے ملنے آئی تھی۔"
"ارے ثمینہ آنٹی!" انیہا نے انہیں ٹیرس سے دیکھا تھا۔ ثمینہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ ٹیرس کی گرل پر جھکی ہوئی تھی۔
"اندر آئیے ناں..... آپ یہاں سے ہی واپس کیوں جارہی ہیں؟"
"میں تمہاری ممی سے ملنے آئی تھی۔ اب وہ تو گھر پر موجود نہیں ہیں۔ میں پھر کسی وقت چکر لگاؤں گی۔"
انیہا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ثمینہ گیٹ کی طرف پلٹ گئیں تب ہی انیہا کو کچھ خیال آیا تو اس نے زور سے آواز دے کر ثمینہ کو مخاطب کرلیا۔
"آنٹی! ماوی ہے گھر پر؟"
ثمینہ نے گردن نفی میں ہلا کر اسے جواب دیا اور باہر آگئیں۔ انہیں کئی طرح کے خیالات درپیش تھے۔
سرفہرست شہوز اور ماوی کی شادی پھر ثروت سے معذرت اور پھر ماضی کے قصے۔
جیسے کل کی بات ہو۔ وہ واحد ملاقات جو کئی سال پہلے ثروت سے ہوئی تھی۔ وہ حویلی اور نیم کے درخت، کچی مٹی کا کھلا سا احاطہ وہ طنز و نفرت کے زہر میں بجھے تیر۔ جو بارہا انہوں نے اپنے وجود پر سہے۔ بھوک سے مرجانے کا خوف۔ شریک حیات سے دائمی جدائی کا غم۔
انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ذہن بہل جائے مگر ذہن تھا کہ بار بار اسی ایک نقطے پر آکر الجھ جاتا۔
"میں ماوی سے بات کرتی ہوں۔ اسی سال اس کی اور شہوز کی شادی ہو جانا چاہیے۔"
ثروت سے شروع ہوئی یادوں کا سلسلہ کہاں جا پہنچا تھا۔ ثمینہ نے تکلیف کی ایک تیز لہر کو دل کی سرحد پر پھیلتے محسوس کیا تو بڑی دقت سے اپنے ذہن و دل کو اس دوسرے موضوع کے ساتھ مصروف کرنا چاہا مگر اس کشمکش میں وہ اردگرد سے کٹ گئیں یہاں تک کہ سامنے سے آتی بس بھی انہیں دکھائی نہ دے سکی۔ بس ڈرائیور کے بروقت بریک لگانے کے باوجود ثمینہ بری طرح ٹکرا گئیں اور ایک چھوٹی سی گڑیا کی طرح اڑتی ہوئی دور جاگریں۔ تکلیف کے بدترین احساس کے ساتھ ماؤف ہوتے ذہن نے جو آخری منظر دیکھا۔ وہ بازو سے فوارے کی طرح نکلتا ہوا خون اور اردگرد اکٹھا ہوتا مجمع تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا ہے ارسل! گاڑی کیوں روکی ہے؟"
پچھلی سیٹ پر نیم دراز جبلی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ارسل نے تھوڑا سا اچک کر سڑک کے کنارے جمع بھیڑ میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ جبلی جھٹکے سے سیدھا ہوا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔
"یہاں تو ہر دوسرے روز یہی سب ہو رہا ہوتا ہے۔" واثق نے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ہی ارسل اور سعد بھی اتر گئے۔
"بے چاری عورت بیس منٹ سے سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" واپس آکر انہوں نے بتایا۔
"چلو ارسل! ہماری فلم نکل جائے گی۔" جنید نے تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے ارسل سے کہا۔ وہ پانچوں فلم دیکھنے سینما جارہے تھے۔
"لیکن وہ عورت....." جبلی نے کہا۔
"ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔" ارسل نے جبلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"کم آن....." جنید جھنجلا کر بولا۔ "اب تم لوگ ہمدردی کرنے نہ کھڑے ہو جاؤ یہاں اتنے لوگ موجود ہیں کوئی نہ کوئی اسے اسپتال لے جائے گا۔"
"بیس منٹ سے سب کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے ہیں ہم بھی بے حس بن کر چل دیے تو بے چاری یہیں پڑی پڑی مرجائے گی۔"
"جبلی ٹھیک کہہ رہا ہے۔" واثق نے کہا۔ "فلم تو پھر کبھی بھی دیکھی جاسکتی ہے یار! ایک انسانی جان فلم سے زیادہ اہم ہے۔"
"اب میں کچھ کہوں گا تو تم سب مجھے بے حس ثابت کرنے پر تل جاؤ گے۔ جانتے بھی ہو میں کتنا نرم دل ہوں ایسی ایموشنل باتیں مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔" جنید نے مسکینی کی شکل بنا کر کہا۔
"تم یہاں کھڑے رہ کر اپنی شان میں قصیدہ پڑھو۔ میں اور ارسل اسے اسپتال لے جارہے ہیں۔" جبلی نے اکتا کر کہا تھا۔
"مرضی ہے تمہاری..... میں تو تمہیں ہی پولیس کے چکروں سے بچانے کے لیے کہہ رہا تھا ایسی سڑک کنارے کی جانے والی ہمدردی گلے پڑ جاتی ہے۔ یہاں کا سارا سسٹم ہی خراب ہے۔" جنید نے ناپسندیدگی سے کہا تھا۔
"واثق! تم لوگ ٹیکسی لے کر آجاؤ میں اور ارسل اسپتال جارہے ہیں۔" جبلی کو فی الحال صرف اس زخمی عورت کی فکر تھی تب ہی جنید کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا اور فٹ پاتھ کی طرف پلٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

جبلی اور ارسل ان خاتون کو ایک پرائیویٹ اسپتال لے آئے تھے۔ یہاں ڈاکٹر مجتبیٰ انصار جبلی کے جاننے والے تھے۔ نہ بھی ہوتے تو ان کو کسی دقت کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ جیب نوٹوں سے بھری ہو تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔
ڈاکٹر مجتبیٰ کی وجہ سے کسی قانونی کارروائی میں پڑے بغیر علاج شروع کر دیا گیا تھا۔
"میں علاج شروع کر رہا ہوں لیکن بہتر ہوتا اگر ان کے گھر والے یہاں موجود ہوتے۔" ڈاکٹر مجتبیٰ نے جبلی

سے کہا تھا۔

"اب گھر والوں کو کہاں سے تلاش کریں؟" ارسل نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر یک بارگی اسے یاد آگیا۔

"سڑک پر سے میں نے ان آنٹی کا پرس بھی اٹھایا تھا' ممکن ہے اس میں سے کوئی سراغ مل جائے۔ گاڑی میں پڑا ہے' میں لے کر آتا ہوں۔" ارسل جھٹ پٹ آفس سے باہر نکل گیا۔ جیڈی وہیں بیٹھا صورت حال پر غور کرتا رہا۔ پریشانی بڑی فطری سی بات تھی۔

چند منٹ بعد ارسل واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوب صورت سا پرس تھا اور وہ کسی قدر مایوس لگ رہا تھا۔

"یہ تو بالکل خالی ہے۔"

"ممکن ہے' یہ ان خاتون کا نہ ہو۔" جیڈی نے خیال ظاہر کیا۔

"سڑک پر ان کے قریب پڑا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے جو لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے' ان ہی میں سے کسی نے روپے اور قیمتی چیزیں نکال لی ہوں گی اور خالی پرس وہیں پھینک دیا۔ ورنہ سیل فون تو آج کل ہر ایک کے پاس ہی ہوتا ہے۔ دوسرے یہ خاتون بھی اپنے حلیے سے ایسی نہیں لگ رہیں کہ خالی پرس لے کر گھومیں۔"

جیڈی نے پرس لے کر یونہی اسے ٹٹولا پھر بولا۔

"اس حصے میں چیک کیا؟" وہ پرس کی اندرونی جیب کی بات کر رہا تھا۔ ارسل کا جواب سنے بغیر ہی وہ دیکھنے لگا۔ اس زپ کے اندر چند کاغذ رکھے تھے۔ ایک کسی شاپنگ مال کا بل تھا' جبکہ دوسرا کوئی نسخہ تھا۔ "مسز ثمینہ رجب!" جیڈی نے با آواز بلند پڑھا۔ "میرا خیال ہے اس پریسکرپشن کے ذریعے سراغ لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"اوہو.... جیمز بانڈ کے جانشین۔" ارسل نے ہنسی اڑائی۔

"جیمز بانڈ کا جانشین تو بننا ہی پڑے گا' ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ پولیس آگئی تو نزلہ ہم پر گرے گا۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔" ارسل نے فوراً کہا۔ "جیڈی! میرے ابو کا فون آیا تھا' انہیں کوئی کام ہے مجھ سے.... اگر تم یہاں مینیج کر لو تو میں گھر کا چکر لگا آؤں۔"

"کیا بات کر رہے ہو.... میں اکیلا کیا کروں گا' اگر کوئی مسئلہ ہوا تو۔" جیڈی سٹپٹا کر بولا۔

"کچھ نہیں ہوتا یار! تم ایسے ہی گھبرا رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔" ارسل تسلی دے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر مجتبیٰ آگئے۔

"جھوٹی تسلی نہیں دوں گا' خاتون کی حالت بہت سیریس ہے۔" انہوں نے آتے ہی کہا۔ "بظاہر صرف بازو فریکچر ہوا ہے اور تھوڑی اسکن ڈیمج ہوئی ہے۔ لیکن اندرونی چوٹیں کس حد تک ہیں' اس کا اندازہ مریض کے ہوش میں آنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے ان کے سر پر بھی چوٹ لگی ہے۔ اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ اگر ہوش آجاتا ہے تو ٹھیک' ورنہ تم سمجھ رہے ہو نا!"

"جج.... جی۔" وہ بے چارہ فطرتاً معصوم اور حساس تھا' کسی کی خراب حالت کے خیال سے ہی بوکھلا رہا تھا۔

"کسی نہ کسی طرح تم ان کے گھر والوں کا پتا لگالو۔ کیونکہ کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں ان کی مریض کے پاس موجودگی بہتر ہوگی۔"

جیڈی سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

"ماوی باجی! انیکسی کی چابیاں لے لیں۔"

ماوی تھکے تھکے انداز میں انیکسی کی طرف بڑھ رہی تھی' جب اس نے شازیہ کی آواز سنی' اس نے گردن موڑ کر دیکھا' شازیہ بھاگی چلی آرہی تھی۔

"یہ لیں۔" اس نے چابیاں ماوی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

"ثمینہ بی بی مارکیٹ جاتے ہوئے چابیاں دے گئی تھیں کہ آپ کو دے دوں۔" اس نے پھولی ہوئی سانس بحال کرتے ہوئے بتایا۔

"مارکیٹ گئی ہیں ممی!" ماوی نے دہراتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ پر ٹائم چیک کیا۔ شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے' اسے یاد آیا صبح ممی نے مارکیٹ جانے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے شازیہ سے کہا اور شولڈر بیگ سے سیل فون نکال کر ممی کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

تب ہی شازیہ نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

"انو باجی کہہ رہی ہیں' آپ فریش ہو کر آجائیں' وہ چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"ہوں.... " ممی کا نمبر مل نہیں رہا تھا۔ سیل فون آف تھا۔ ماوی کو تشویش سی محسوس ہونے لگی' اس نے بے دھیانی میں شازیہ کی بات سنی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"انیبا سے کہو میں پندرہ منٹ میں آرہی ہوں۔ شازیہ! سنو' ممی کب سے مارکیٹ گئی ہوئی ہیں؟" اس نے مستقل ثمینہ کا نمبر ٹرائی کرتے ہوئے پوچھا۔

"شاید ساڑھے بارہ بجے گئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا' چابیاں آپ کو یا فیضان صاحب کو دے دوں۔"

"واٹ' ساڑھے بارہ۔" ماوی کو بری طرح جھٹکا لگا۔ "اتنی دیر ہوگئی ممی واپس نہیں آئیں۔ ایسی بھی کون سی شاپنگ کرنا تھی۔"

تشویش بھرے انداز میں سوچتی وہ لاک کھول کر اندر آگئی۔ لائٹس آن کر کے اس نے شولڈر بیگ اور دوپٹہ صوفے پر اچھال دیا۔ کچن میں جا کر پانی پیا' پھر کچھ سوچ کر دوبارہ ممی کا سیل نمبر ڈائل کیا۔ نتیجہ پہلے جیسا ہی رہا۔ ہر گزرتے منٹ کے ساتھ ماوی کی فکر مندی بڑھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس جیسے کوئی اشارہ دے رہی تھی۔ اسے عجیب عجیب سے خیال آنا شروع ہوگئے تھے۔ اپنا دھیان بٹانے کی غرض سے اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور ساتھ میں بسکٹ کا پیکٹ لے کر لاؤنج میں آگئی۔ اس نے ٹی وی بھی آن کر لیا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے تک وہ مستقل ممی کا انتظار کرتی رہی اور ان کا سیل نمبر بھی ٹرائی کرتی رہی۔ لیکن جب ممی کا کچھ پتا نہ چل سکا تو اس نے فیضان ماما کو فون کیا۔

"آپ کہاں ہیں ماما! پلیز جلدی گھر آجائیں۔"

"کیا بات ہے ماوی! خیریت تو ہے' تم پریشان کیوں ہو؟" فیضان نے پوچھا۔

"آپ گھر آئیں' میں بتاتی ہوں۔" اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا اور فکر مندی سے ٹہلنے لگی' تب ہی انیبا آگئی' پیچھے شازیہ تھی۔

"لو میں وہاں انتظار میں سوکھ رہی ہوں اور یہاں تم چائے پی بھی چکیں۔ بہت غلط بات ہے۔"

"سوری انیبا! میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تم انتظار کر رہی ہو۔"

"کیا بات ہے ماوی! تم پریشان لگ رہی ہو؟" انیبا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جواباً ماوی نے اسے ثمینہ کی غیر موجودگی کے متعلق بتایا اور یہ بھی کہ ان کا فون مستقل بند پڑا ہے۔ انیبا بھی فکر مند ہوگئی۔

"واقعی آنٹی کو گھر سے نکلے بہت دیر گزر چکی ہے۔ ممکن ہے کسی رشتہ دار کے یہاں چلی گئی ہوں۔" اس نے خیال ظاہر کیا۔

"یہاں ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔" ماوی نے سرعت سے کہا۔

"ان فیکٹ پاکستان میں ہم تو قیر انکل کی فیملی کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے۔" پریشانی سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ انیہا کی فکرمندی بھی بڑھ گئی۔ لیکن ماوی کی پریشانی کم کرنے کی غرض سے بولی۔

"اچھا تم پریشان مت ہو' آنٹی آجائیں گی بچی تو نہیں ہیں۔" ماوی نے فوراً" اس کی بات قطع کی۔

"بچی نہیں ہیں' لیکن انہیں راستوں کی پہچان نہیں۔ پھر پاکستان اتنے عرصہ بعد آئی ہیں کہ...." اس سے آگے بولا ہی نہیں گیا' ہر گزرتے پل کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ برے برے خیالات ایک ایک کر کے ذہن و دل میں جگہ بنا رہے تھے۔

"واقعی باجی ماوی! تسی ٹھیک کہہ رہے او۔ پاکستان کے تو حالات ہی بڑے خراب ہیں۔ تھوڑے دن پہلے' منظور صاحب نہیں ہیں انو باجی! وہی جن کی کونے والی کوٹھی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے کو کسی نے اغوا کرلیا' پھر تاوان...."

"شازیہ....!" انیہا نے شازیہ کو غضب ناک ہو کر شازیہ کو ڈپٹا۔ شازیہ کی تیز گام کی رفتار سے چلتی زبان کو فوراً" بریک لگ گئی۔

"شازیہ! کبھی بولنے سے پہلے سوچا بھی کرو۔" انیہا نے دانت پیس کر کہا۔ "اب نکلو یہاں سے اور منظور حسین سے کہو' جاکر قریب والی مارکیٹ میں ثمینہ آنٹی کو تلاش کرے' ماوی! فکرمند نہ ہو' مجھے یقین ہے آنٹی راستہ بھول گئی ہوں گی' اتنی مشکل گلیاں ہیں' اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔"

ماوی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ انیہا کی تسلیاں ایک طرف اور دل کے اندیشے دوسری طرف۔ اس کا بس نہ چلتا تھا' ممی کو کہیں سے ڈھونڈ لائے۔ اپنے دل سے ہر اندیشے کو جھٹکتے ہوئے اس نے ممی کی خیریت کے لیے دعائیں مانگنا شروع کردی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تنوی! تم نے عروش کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" موقع ملتے ہی نمرو نے جھجکتے ہوئے تنوی سے پوچھا۔ وہ دونوں کینٹین کے کارنر والے ٹیبل پر بیٹھی تھیں' جبکہ عبیر ابھی ابھی کوک لینے گئی تھی۔ تنوی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم پھر عروش کا قصہ لے کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے خفگی سے کہا۔ "ابھی تو ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ عروش کا ذکر نہیں ہوگا' وہ اچھی لڑکی نہیں ہے' نہ اس سے تم دوستی رکھو گی' نہ ہم۔"

"ہم سے کیا مراد ہے؟" نمرو نے کہا۔ "عروش صرف تم سے دوستی کرنا چاہتی ہے' عبیر سے نہیں' میں تو کہتی ہوں' ایک بار اس کی بات سن لو۔ تم نے آج تک اس سے تفصیل سے بات نہیں کی۔ جب اس سے بات کروگی تو تمہیں وہ اچھی لگے گی تنوی!"

"وہ دیکھو' عروش سامنے کھڑی ہے۔ اگر تم کہو تو میں اسے بلالاتی ہوں۔" تنوی نے اس طرف دیکھا جس طرف نمرو نے اشارہ کیا تھا۔ پھر سرد مہری سے بولی۔

"تم اسے بلالاؤ اور یہاں بیٹھ کر اس سے باتیں کرو' میں چلی جاتی ہوں۔" تنوی اٹھنے لگی' لیکن نمرو نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"اچھا ٹھیک ہے' خفا مت ہو' میری بیسٹ فرینڈز تم اور عبیر ہو' اب عروش کی خاطر تم دونوں کو تو خفا نہیں کرسکتی۔ اگر تم چاہو تو میں پرنسپل کے پاس جاکر عروش کی شکایت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔" نمرو نے بڑی

سہولت سے اسے حیران کر دیا تھا۔
"واقعی نمرہ! تم سچ کہہ رہی ہو؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔
"سو فیصد۔" نمرہ جھٹ سے بولی۔
"میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے یار! اور مجھے لگا تم لوگوں کا پوائنٹ آف ویو غلط نہیں ہے' بے شک عروش اچھی ہے لیکن اس کی حرکتیں اور ڈیمانڈز غلط ہیں۔" نمرہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔
"اور وہ اپنے ساتھ ساتھ اکثر اسٹوڈنٹس کو بھی غلط راہ پر لگا رہی ہے۔ کچھ اچھی عادات کی وجہ سے کئی بری عادات کو تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس کی کمپلین کرنی چاہیے۔" اس نے بڑی سہولت سے پینترا بدل لیا تھا۔
"اب کوئی فائدہ نہیں۔" عبیرہ نے ان دونوں کے سامنے کوک رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "تم نے اپنی ذہانت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ثبوت ہی مٹا دیا۔" وہ اپنی کوک لینے کے لیے چلی گئی۔
"تو ثبوت جمع کرنا کیا مشکل ہے۔" نمرہ نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "ذرا اپنا فولڈر دو۔" نمرہ نے تنوی سے کہا۔
پھر فولڈر کھول کے اس میں سے نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگی۔
"کیا کر رہی ہو نمرہ؟" تنوی نے متجسس ہو کر پوچھا۔ جواباً نمرہ نے اسے ذرا صبر کرنے کے لیے کہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ پین بند کرتے ہوئے اپنا تیار کیا مشن اسے سنانے لگی۔
"ڈیئر عروش! مجھ سے دوستی کرنے کے لیے تمہیں سروش کے نام کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی ہوں اور دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ تم جو نہیں کہتیں تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں اور تمہاری آنکھیں صرف محبت کی زبان بولتی ہیں۔ میں تمہاری محبت اور دوستی کی قدر کرتی ہوں اور اس محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ پلیز اس خط کا جواب جلدی دینا۔ صرف اور صرف تمہاری۔"
تب ہی اس کے ہاتھ سے عبیرہ نے نوٹ بک جھپٹی اور بے حد غصے سے تنوی کے سامنے پٹخ دی۔
"یہ تھرڈ ریٹ فلموں کے گھٹیا عشقیہ خطوط لکھنا بند کرو اور تھوڑی عقل مندی کا مظاہرہ کرو۔" اس نے غضب ناک انداز میں کہا۔
"عروش کا تو دماغ خراب ہے نمرہ! کم سے کم تم تو عقل کا نام لو۔ مجھے پتا ہے اس خط کے ذریعے تم عروش سے ایک اور خط لکھوانا چاہ رہی ہو' تاکہ اس دوسرے خط کو عروش کے خلاف استعمال کر سکو۔ لیکن اتنا بھی سوچ لو اگر یہ خط عروش نے تنوی کے خلاف بطور ثبوت استعمال کر لیا تو کیا ہو گا' ہم عروش کو rusticate (فارغ) کروانا چاہ رہے ہیں۔ اگر یہ خط کسی کے ہاتھ لگا تو تنوی کالج سے نکال دی جائے گی۔" وہ دبی آواز میں بول رہی تھی۔
"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" نمرہ نے کہا۔
"تم نے جتنا سوچا' وہ بھی بے کار ہی ہے' اس لیے پلیز تم کچھ نہ سوچا کرو۔ جب بھی سوچتی ہو۔ کوئی تماشا ہی کرتی ہو۔" عبیرہ نے اچھے خاصے لتے لے ڈالے۔
"ہاں نمرہ! عبیرہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" تنوی نے گھبرا کر نوٹ بک فولڈر میں رکھ لی تھی۔
"تم تو بہت ذہین ہو عبیرہ! کتنی دور کی بات سوچ لیتی ہو' میں تو بہت متاثر ہو گئی ہوں۔ گرو جی! پلیز مجھے اپنی شاگردی میں لے لیجیے۔" نمرہ نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا تھا۔
"یہ ہی کرنا پڑے گا۔" عبیرہ نے غصے سے کہا۔ پھر وہ تینوں باتیں کرنے لگیں۔ وہ نمرہ کی برین واشنگ کرتی رہیں' اس بات سے بے خبر کہ تقدیر ان کے لیے کیا سوچ رہی ہے۔

کوئی بخ بستہ طویل سرنگ تھی جس میں اماوس کی رات پھیلی ہوئی تھی۔ تاریکی اور سناٹا ایسا کہ دل میں خوامخواہ وسوسے جنم لینے لگیں۔ کبھی کبھی کوئی آواز سماعت سے ٹکراتی اور اپنا مفہوم واضح کیے بنا سناٹے میں تحلیل ہو جاتی۔
پراسرار' پُرہیبت فضا تھی۔
ثمینہ نے کسی منظر کی تلاش میں یہاں وہاں گردن گھمائی' دور ایک مرجھائی ہوئی سی کرن ریت کے ذرے کی مانند ان کی بصارت کی زد میں آ گئی۔ انہوں نے اسی کرن کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور سہمے ہوئے دل کے ساتھ ٹٹول ٹٹول کر قدم رکھتی آگے بڑھنے لگیں۔ مگر ہر بڑھتے قدم کے ساتھ وہ روشنی کا مدھم سا منبع ان سے دور ہو رہا تھا۔
یک دم ان کا پیر کسی بھاری سی چیز سے ٹکرایا اور سنبھلنے کی کوشش میں وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہیں۔ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا انہوں نے چھو کر اس بھاری چیز کو پہچاننا چاہا' تب انہیں احساس ہوا' وہ بھاری چیز دراصل ایک بے حس و حرکت انسانی وجود تھا۔ آن واحد میں تاریکی ختم نہیں ہوئی' لیکن تاریکی کا احساس ضرور چھٹ گیا تھا۔
پھر اس اسپاٹ لائٹ جیسے احساس نے اس وجود کے چہرے کو فوکس کیا۔ زرد چہرہ' بند آنکھیں۔
"رجب۔" ثمینہ کا دل وحشت سے بھر گیا۔ ان کے لبوں سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔
پرائیویٹ روم کے بیڈ پر لیٹے ثمینہ کے پٹیوں میں لپٹے وجود میں بے چینی کی لہر سی دوڑ گئی تھی اور سارا جسم جھٹکے کھانے لگا تھا۔
کرسی پر اونگھتا جیلی ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔
"ڈ۔ ڈاکٹر۔" وہ بوکھلا کر باہر بھاگا۔
ثمینہ تاریکی میں راستہ تلاش کرنے کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی تھیں۔
"ممی!" ایک آواز ان کے قریب ابھری۔ ثمینہ کے بھاگتے وحشت زدہ قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ تاریکی کے پردے پر ایک چہرہ ابھر آیا تھا' چمک دار چہرہ' وہ بے چین ہو گئیں' یہ مسکراتے ہوئے نقوش جانے پہچانے تھے۔
"ممی! اگر میں آپ سے دور چلی جاؤں تو"
اس دلکش چہرے نے پوچھا۔ ثمینہ سن سی رہ گئیں۔ معاً ایک جھماکے سے تیز روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک ثمینہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بڑی مشکل سے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو انہوں نے اس روشنی میں دیکھنے کے قابل کیا۔ تب ہی اس تیز روشنی میں سے ایک سیاہ چغہ پوش ہاتھ میں خنجر لیے ماوی کی طرف جھپٹا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک زوردار چیخ ان کے لبوں سے نکلی اور خوف کے ناقابل بیان احساس کے ساتھ ثمینہ ہوش میں آ گئیں۔
ان کے گرد تیز تیز آوازیں تھیں۔ ڈاکٹر نرس کو ہدایت دے رہا تھا۔ جیلی چپکے سے باہر آ گیا اور برآمدے کی ریلنگ سے نیچے لان میں جھانکنے لگا۔ آج پورے تین روز گزر چکے تھے اسے "مسز ثمینہ رجب" کی تیمارداری کرتے۔
اصل کے خاندان میں کوئی فوتگی ہو گئی تھی۔ وہ اس روز کا گیا واپس نہیں آیا۔ جیلی اس روز سے اسپتال میں بندھا بیٹھا تھا۔ وہ نسخہ جس پر سے اس نے خاتون کا نام پڑھا' بے دھیانی میں وہ گنوا بیٹھا تھا۔ اب اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے خاتون کے گھر والوں کا پتا لگایا جا سکے۔ اگر نسخہ ہوتا تو کلینک سے معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔
خاتون کو زیادہ تر مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا جا رہا تھا۔ جتنا وقت وہ ہوش میں رہتیں ڈاکٹر مجتبیٰ کی ہدایات

کے مطابق ان سے کوئی سوال پوچھنے سے احتراز کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے ذہن پر زور ڈالتیں جو ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں تھا۔ جیدی وہیں کھڑا رہ کر ڈاکٹر کی اگلی ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

چوہدری دین محمد کی بیوی زہرہ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی' یہ کیسے ممکن تھا' باجی زبیدہ تک اطلاع نہ پہنچتی۔

ایسی بری خبر سن کر اس کا کلیجہ کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔ ابھی ایک روز پہلے تو بھاوج سے ملاقات ہوئی تھی' اس وقت تو وہ بھلی چنگی دکھائی دیتی تھی۔ پھر یکایک ایسا کیا ہوا کہ اس کے بھائی کی زندگی اتنے بڑے المیے سے دوچار ہو گئی۔

صدمے اور غم سے بے حال باجی زبیدہ روتی ہوئی اپنے میکے پہنچی' تاکہ غم زدہ بھائی کو دلاسا دے سکے۔

صحن کے بیچ و بیچ چارپائی بچھا کر میت رکھی گئی تھی۔ ارد گرد گاؤں کی اور رشتہ دار خواتین بیٹھی بین ڈال رہی تھیں۔ اس نے دیکھا' جنت چارپائی کے قریب دوزانو بیٹھی ٹکر ٹکر ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی' اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور بڑی بڑی آنکھوں میں آگہی اور غم ہلکورے لے رہا تھا۔

باجی زبیدہ کے دل پر آری سی چل گئی' اس کا دل چاہا دوڑ کر جائے اور بھتیجی کو بانہوں میں سمیٹ لے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتی' رشتہ دار خواتین آکر اس سے گلے ملتے ہوئے پرسہ دینے لگیں۔ باجی زبیدہ کا بس نہ چلتا تھا جلد از جلد بھاوج کا چہرہ دیکھ لے۔ لیکن ہر کوئی اس سے غم کا اظہار کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی دوران اس نے دین محمد کو دیکھا۔ وہ مردانے سے نکل کر صحن کی طرف آرہا تھا۔ باجی زبیدہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

اس کی نم' غم زدہ آنکھوں سے یک لخت شرارے نکلنے لگے تھے۔ اس نے پل بھر کے لیے کچھ سوچا' پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باجی زبیدہ کے سامنے آرکا۔

بھائی کو دیکھ کر باجی زبیدہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی اور بازو پھیلا کر روتے ہوئے اس کی طرف بڑھی' لیکن دین محمد نے سختی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"تو دلیر پار کر آئی' اسی کو بہت سمجھ۔ اب تو تسلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی بیوی کو مارنے والے کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا' نہ ہی اپنی بیوی کی شکل اسے دیکھنے دوں گا۔" میت والے گھر میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ اس قدر نفرت بھرے انداز پر باجی زبیدہ کے آنسو بھی ٹھٹک سے گئے۔

"دین محمد! تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" صحن میں پھیلے سناٹے کو دین محمد کی ماں کی آواز نے توڑ ڈالا۔ آن کی آن سرگوشیاں اور قیاس آرائیاں سارے میں گردش کرنے لگیں۔

کسی نے کہا۔ "دین محمد کا دماغ صدمے نے الٹ دیا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوا میرے دماغ کو۔" دین محمد بھڑک کر بولا۔ "باجی زبیدہ نے زہرہ کو قتل کیا ہے۔"

"دین محمد! ہوش کر۔" باجی زبیدہ نے پتا نہیں کیسے زبان کھولی۔

"ہوش کروں میں کس لیے؟ پہلے فاروق نے میری جنت کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اب تو نے میری بیوی کو قتل کروا دیا۔ میں پوچھتا ہوں باجی زبیدہ تو میری خوشیوں کی دشمن کیوں بنی ہوئی ہے۔"

"تجھے ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔" باجی زبیدہ نے کہنا چاہا۔

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی' مجھے جنت نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کک... کیا بتایا ہے جنت؟" باجی زبیدہ بے یقینی سے بولی۔

"کل تم زہرہ سے بازار میں ملی تھیں' تم نے اسے گالیاں دیں' بددعائیں دیں اور تم نے کہا' دین محمد نے سارا خاندان توڑ دیا' ایسا جنت کی وجہ سے ہوا اور یہ کہ جنت مر جائے تو اچھا ہے۔ تیری بددعا جنت کے بجائے زہرہ کو لگ گئی۔"

باجی زبیدہ نے ٹھہری ہوئی آنکھوں سے جنت کو دیکھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا دین محمد... فاروق بھی اس وقت ساتھ تھا تو اس سے پوچھ لے۔"

"مجھے اس پر بھروسا ہے' نہ تجھ پہ۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔

"تجھے غلط فہمی ہوئی ہو گی دین محمد! زبیدہ تیری بہن ہے' دشمن نہیں کہ بددعائیں دے' جنت نے ضرور جھوٹ بولا ہو گا۔" اہل برادری میں سے کسی نے کہنا چاہا لیکن دین محمد کی تیز آواز نے اسے خاموش کروا دیا۔

"میری جنت جھوٹ نہیں بولتی۔" پھر اس نے جنت کو اپنے پاس بلایا۔ "ان سب کو بتا جنت! اس عورت نے یہ سب کہا تھا کہ نہیں؟"

سب کی نظروں نے جنت کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ ماں کے غم سے بے حال تھی' کچھ باپ کے غصے اور لوگوں کی کھوجتی نظروں نے گھبراہٹ طاری کر دی' تب ہی اثبات میں سر ہلا دیا' ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اسے یاد نہ تھا' پھوپھی زبیدہ نے اماں سے کیا کہا اور وہ یہ ساری داستان باپ کو کن الفاظ میں سنا چکی ہے۔

باجی زبیدہ ہکا بکا رہ گئی۔ یہ چھٹانک بھر کی لڑکی کس قدر صفائی سے جھوٹ بول گئی تھی۔

"دین محمد! جنت بچی ہے۔ کیا خبر اس نے کیا سوچ کر تجھ سے یہ سب کہہ دیا۔ میرا بھروسا کر' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی' یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" باجی نے دل سے سمجھانا چاہا' مگر بے سود' دین محمد کو بیوی کی ناگہانی موت اور بیٹی کی محبت نے پاگل کر دیا تھا۔

"جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی' سنا تو نے۔" اس نے دھاڑ کر کہا' پھر اس نے ایک بار پھر باجی زبیدہ کو گھر سے نکال دیا اور زہرہ کا چہرہ بھی دیکھنے نہیں دیا۔

باجی زبیدہ روتی ہوئی اور دل گرفتہ اس گھر سے نکلی تھی۔

گاؤں کے ہر فرد نے اس قصے کا اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تجزیہ کیا۔ لیکن آٹھ سالہ جنت نے اپنی ماں کی وفات والے روز جو سبق سیکھا' وہ یہ تھا کہ جنت کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ ہمیشہ جو کہتی ہے' وہی سچ ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

دھند آلود شام دھیرے دھیرے دھرتی پر اترنے لگی تھی۔ عجیب سا سکوت تھا' جس کی مہین چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ کوریڈور کے ستون' پیڑ پودے' پام کے درخت' ہر چیز خاموش خاموش سی لگتی تھی' حتیٰ کہ اسپتال کی وہ لابی بھی جو عین ان کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

تب ہی دروازہ آہستگی سے چرچرایا۔ ثمینہ نے احتیاط سے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ان کی گردن پر کالر لگا ہوا تھا۔ جس سے گردن ہلانے میں دقت ہو رہی تھی۔

"میں نے آپ کی فیملی کو اطلاع بھجوا دی ہے' وہ لوگ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔" یہ وہی تھا جس کے بارے میں نرس انہیں بتا چکی تھی کہ وہی انہیں اسپتال لایا تھا اور کسی فیملی ممبر کی طرح دن رات ان کی تیمارداری کر رہا ہے۔ ثمینہ قصداً مسکرائیں۔

"شکریہ بیٹے! نرس نے مجھے بتایا' آپ نے میرا بہت خیال کیا۔"

"شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں آنٹی! میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

"نہیں خیر! ہر کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا۔ صرف وہ لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں جن کے دل بہت اچھے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل بہت اچھا ہے بیٹے! ورنہ آج کے دور میں کون ہے جو بنا مطلب کسی کے لیے اتنا تردد کرے۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں اور بے حد شکر گزار تھیں۔

"جزاک اللہ... میں ہمیشہ یاد رکھوں گی' ایک اچھے بچے نے اس وقت میری مدد کی' جب میں بالکل اکیلی تھی۔"

"بہت خوش قسمت ہیں آپ کے والدین۔ جنہیں خدا نے اتنی صالح اولاد دی۔" تب ہی جیلڈی کا ملازم کھانا لے کر آگیا' اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اپنی اتنی تعریفیں سن کر بڑی گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

"چھوڑیے ان باتوں کو ہم کھانا کھاتے ہیں' لنچ ٹائم تو نہیں ہے' لیکن خیر' کمال! میں نے تمہیں سوپ لانے کے لیے کہا تھا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر خود ہی جائزہ لینے لگا۔ ثمینہ اس دوران اس کا جائزہ لیتی رہیں۔ جیلڈی کے لیے ان کے دل میں سچ مچ بہت اچھے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ شائستہ اطوار تھا' بہترین تربیت میں پلا بڑھا تھا۔ اس کا اندازہ لگانا قطعاً "مشکل نہ تھا۔ ثمینہ کی مدد کر کے ان کی طرف سے شکر گزاری کی سند تو اسے حاصل ہو چکی تھی' لیکن ایسا نہ ہوتا تب بھی جیلڈی کو پسند کرنے کی کچھ کم وجوہات نہ تھیں۔

اچھی شکل' اچھا لباس' بات کرنے کا بہترین انداز اور سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت اس کے چہرے کی معصومیت تھی۔ بالکل بچوں جیسا بھولپن' جو اسے بہت سارے لوگوں میں نمایاں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے صنف قوی میں یہ خصوصیت اچھی نہ لگتی ہو' مگر ثمینہ کو اس کے چہرے کی معصومیت نے اپیل کیا تھا' انہیں فیضان یاد آیا' شہروز یاد آیا تھا۔

جیلڈی نے ان کے سامنے ٹیبل سیٹ کی' پھر چونکہ ثمینہ کا دایاں بازو [illegible] میں تھا۔ اس لیے انہیں اپنے ہاتھ سے سوپ پلاتے ہوئے اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا۔ ثمینہ اسے اپنی فیملی کے بارے میں بتاتی رہیں' پھر انہوں نے کہا۔

"میں ہی بولتی رہوں گی' آپ بھی تو اپنے بارے میں کچھ بتاؤ بیٹا!"

"میں..." جیلڈی نے پل بھر کے لیے سوچا۔

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں آنٹی! ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔" وہ جھینپ کر ہنسا۔

"پھر بھی..." ثمینہ نے اصرار کیا۔ "کچھ تو بتاؤ' کیا کرتے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ کتنے بہن بھائی ہو؟ والد صاحب کیا کرتے ہیں' وغیرہ۔"

ثمینہ کو بولنے کا شوق تو بہت تھا' تب ہی مستقل بولنے سے گردن میں اٹھتے ہلکے ہلکے درد کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگیں' پھر جیلڈی کے بارے میں جاننا بھی چاہ رہی تھیں۔ (ظاہر ہے وہ ان کا محسن جو تھا۔) تب ہی سوال پہ سوال کرتی چلی گئیں۔

"کوئی نہ کوئی تعارف تو ہر کسی کا ہوتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تعارف..." جیلڈی نے پل بھر کو سوچا۔ "آنٹی! کوئی بہت قابل فخر تعارف تو نہیں ہے میرا۔ عام سا انسان ہوں' لیکن آپ پوچھ رہی ہیں تو بتا دیتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ ہوں' فائنل ایئر چل رہا ہے' تعلیم کے سلسلے میں لاہور آیا ہوں' ویسے ہمارا آبائی گاؤں ساہیوال سے تھوڑا آگے ہے۔ زمین دار گھرانے سے تعلق ہے میرا۔ دلاور حسین بھٹی کا نام شاید آپ نے

کبھی سنا ہو' وہ میرے دادا جان تھے اور پنجاب کے چند نامور زمین داروں میں شمار ہوتے تھے۔ ساہیوال سے اوکاڑہ کے نواح کا اکثر زرعی علاقہ ہمارا ملکیت ہے۔ لیکن زمین داری کے علاوہ کچھ سائیڈ بزنس بھی ہیں' جو میرے بابا جان' چچا جان اور تایا جان کے ساتھ مل کر سنبھال رہے ہیں۔ ہم چار بھائی ہیں' بہن کوئی نہیں ہے' میرا نمبر دوسرا ہے۔"

وہ سرسری انداز میں بتاتا جا رہا تھا اور چونکہ وہ نظریں جھکا کر بات کر رہا تھا اور اس کا سارا دھیان بھی ثمینہ کو سوپ پلانے کی طرف تھا۔ اس لیے وہ ان کے چہرے پر پھیلے حیرانی اور کسی قدر بے یقینی کے تاثرات بھانپ ہی نہیں سکا۔ ثمینہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ اول جلول حلیے والا اور عاجز مزاج لڑکا کسی رئیس خاندان کا چشم و چراغ ہو سکتا ہے۔

"دادا کا کیا نام بتایا؟" انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"جی... دلاور حسین بھٹی۔" جیلڈی ان کے لہجے کی تیزی پر حیران ہوا۔

"کیا یہ وہی دلاور حسین بھٹی ہیں جنہیں سن پینسٹھ کی جنگ میں بہادری سے لڑنے پر فوجی اعزاز سے نوازا گیا تھا؟"

"جی ہاں... میرے دادا جان کو فوجی اعزاز تو ملا تھا۔" جیلڈی کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ "لیکن کیا آپ میرے دادا جان کو جانتی ہیں؟" اس نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ثمینہ اس سوال پر گڑبڑا گئیں۔

"میں نے اپنے فادر سے ان کا بہت ذکر سن رکھا ہے۔" ثمینہ نے فوراً بات سنبھالی۔ "وہ ان کی بہادری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ تمہاری فیملی میں اور بھی کوئی آرمی میں ہے؟" انہوں نے کمال خوب صورتی سے بات ٹال دی تھی۔

"جی نہیں' اور کوئی نہیں ہے۔ میرے بڑے بھائی کو شوق تھا کہ وہ آرمی جوائن کرے' مگر دادی جان کو یہ فیلڈ پسند نہیں' جب انہوں نے اجازت نہیں دی تو بھائی نے خیال ہی دل سے نکال دیا۔"

وہ سرسری انداز میں مگر تفصیل سے بتانے لگا۔ تب ہی نیم وا دروازے کو دھکیل کر فیضان نے اندر جھانکا۔ ثمینہ کا چہرہ نظر آتے ہی انہوں نے سکون کی سانس بھرتے ہوئے دروازہ پورا کھول دیا۔ ان کے عقب میں ہادی تھی۔

"ممی!" وہ لپک کر آئی اور ان سے لپٹ کر رونے لگی۔ ثمینہ نے دوسرے بازو سے اسے خوب لپٹا کر پیار کیا۔ پریشان وہ بھی تھیں' مگر ہادی کی طرح حواس باختہ نہیں ہوئی تھیں۔

فیضان' جیلڈی کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ؟" انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں جیلڈی' میرا مطلب ہے میں جلال الدین ہوں' میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔"

جیلڈی نے فیضان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"سو ناٹس آف یو جلال صاحب! آپ نے بڑی مدد کی۔" ساری صورت حال معلوم ہونے کے بعد فیضان نے تشکر آمیز انداز میں کہا تھا۔

جیلڈی سادگی سے مسکرا دیا۔

"شرمندہ نہ کریں' انسانیت کے ناتے اتنا تو میرا فرض بنتا تھا۔ بہرحال آیئے میں آپ کو ڈاکٹر سے ملوا دیتا ہوں اور کچھ اسپتال کی فارمیلٹیز پوری کرنا ہوتی ہیں' وہ بھی کر لیتے ہیں۔" فیضان کے اثبات میں سر ہلانے پر اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ہادی ابھی بھی ان سے لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا' جیلڈی کے ذہن پر پہچان کی برق چمکی' اس کی نظریں تیزی سے ہادی کے پیروں کی طرف گئی تھیں۔

ساتھ ہی اسے ماوی کا جارحانہ انداز یاد آگیا۔ خدشہ گزرا کہیں وہ پھر سے جھگڑا شروع نہ کردے۔ یہ ہی مناسب تھا کہ جلد از جلد یہاں سے کھسک لیا جائے۔

"اوکے آنٹی! ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ میں چلتا ہوں۔" اس نے ثمینہ سے کہا۔ تب ثمینہ نے ماوی سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے بھول ہی گئی ہوں' پھر مسکرائیں۔

"ٹھیک ہے بیٹے! لیکن دوبارہ ضرور آیئے گا' مجھے خوشی ہوگی۔" جمال نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا اور خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ فیضان نے باہر جانے سے پہلے ماوی کو کندھوں سے پکڑ کر ثمینہ سے الگ کر دیا اور ڈپٹنے والے انداز میں بولے۔

"تمہاری آپا کا ایک بازو پہلے ہی ٹوٹا ہوا ہے' دوسرے سے تم لٹک کر اسے بھی نہ توڑ دینا۔" وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

"بس بھی کرو ماوی! اور کتنا روؤگی۔" ثمینہ نے ایک ہاتھ سے اس کے بال چہرے سے ہٹاتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔

ماوی کے آنسو تھمتے تھمتے اور شدت سے بہنے لگے۔

"یہ کیا ہو گیا ممی! آپ کو کتنی چوٹیں آئی ہیں۔" اس نے سسکتے ہوئے کہا۔

"جو قسمت میں ہو وہ مل کر رہتا ہے۔ چاہے کوئی زخم ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن تم بالکل بے فکر رہو' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ "اور تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔ کپڑے لگتا ہے کئی دن سے نہیں بدلے۔ کس قدر سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں اور بال' لگتا ہے ساری زندگی برش نہیں کیے اور آنکھوں کا حشر دیکھو۔"

"میری ممی تین دن سے لاپتا تھیں۔ آپ کے خیال میں ایسی چویشن میں مجھے سولہ سنگھار کر کے بیٹھنا چاہیے تھا؟" اس نے خفگی سے کہا۔

"ارے میری تو حسرت ہی رہے گی کہ میری بیٹی بھی مجھے سولہ سنگھار کر کے دکھائے۔ تمہیں تو یہ ساری چیزیں آؤٹ ڈیٹڈ لگتی ہیں اور صرف تم ہی کیوں' آج کل کی ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں۔ سولہ سنگھار تو بھئی ہمارے زمانے میں ہی ہوا کرتے تھے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ اپنے زمانے کے قصے لے کر مت بیٹھ جایئے۔" ماوی چڑ کر بولی۔ "مجھے بتائیں ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟"

"کس قدر احمقانہ سوال ہے بیٹی! ایکسیڈنٹ ویسے ہی ہوا جیسے عموماً ایکسیڈنٹ ہوا کرتے ہیں۔" ثمینہ کی حس مزاح خوب چمک رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا! آپ اکیلے گھر سے باہر مت جایئے گا' میں خود آپ کو لے جاؤں گی۔" اس کی ناراضی عود کر آئی۔

"ایکسیڈنٹ تو تب بھی ہو سکتا تھا۔" ثمینہ زور دے کر بولیں۔

"لیکن۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ثمینہ نے روک دیا۔

"بس۔۔۔ اب اور کوئی بات نہیں ہوگی۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں زندہ ہوں' یہ بھی اللہ کا کرم ہے۔" انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

ماوی انہیں دیکھتی رہی' اس کی نم آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہو رہا تھا۔ پھر وہ جذباتی پن سے ان سے لپٹ گئی۔

"آپ کو کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا تھا۔ ابو کے بعد آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں ممی!" وہ دل میں کہہ رہی تھی۔

جس وقت فیضان واپس آئے' رونے دھونے کا سین ہنوز جاری تھا اور بقول ان کے ماوی ثمینہ آپا کے کندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔

"بس بھی کرو ماوی! کیوں رو دھو کر آپا کو پریشان کر رہی ہو اور آپا! آپ کا بھی جواب نہیں۔ کیا ضرورت تھی بس کو اتنی زور سے ٹکر مارنے کی۔ جلال صاحب بتا رہے تھے بے چاری بس کا سامنے والا حصہ تو بالکل ڈیمج ہو گیا۔" فیضان کی سنجیدگی' ان دونوں کی آنکھوں میں نمی سمیت ہنسی آ گئی۔

☼ ☼ ☼

تین روز بعد ثمینہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ بازو کا پلاسٹر نہیں کھلا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس دوران انیبا اور ثروت دو بار ان کی عیادت کے لیے اسپتال آئیں' لیکن ثمینہ کو ثروت سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

جلال کے دوبارہ نہ آنے پر بھی انہیں افسوس ہوا۔ رہ رہ کر یہی سوچتیں اس کا کانٹیکٹ نمبر یا ایڈریس ہی لے لیا ہوتا۔ جس روز وہ اسپتال سے گھر آئیں' اسی شام ثروت اور انیبا ان کی خیریت معلوم کرنے آ گئیں۔ تب انہیں ثروت سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں ثروت! بھری محفل میں بیٹھ کر مجھے اس طرح سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" جب چوتھی مرتبہ انہوں نے یہی بات دہرائی' تب ثروت سادگی سے ہنس دیں۔

"آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں' جو ہونا تھا ہو چکا۔"

"نہیں۔۔۔ مجھے سوچ سمجھ کر طریقے سے بات کرنا چاہیے تھی۔ لیکن دراصل آپ کا چہرہ مجھے اس قدر اچانک یاد آیا کہ میں صورت حال کی نزاکت کو بھانپ ہی نہیں سکی۔" انیبا اور ماوی کچن میں تھیں' جبکہ وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔

"ثمینہ! آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کریں۔ اس وقت جو ہونا تھا ہو چکا' آپ شرمندہ ہو کے یا معذرت کر کے اس وقت کو واپس نہیں لا سکتیں' اس لیے پلیز ریلیکس رہیں۔"

ثروت کا نرم اور دوستانہ لہجہ ایک دم دل پر اثر کرتا تھا' ثمینہ قدرے مطمئن ہو گئیں۔

"آپ بہت اعلا ظرف ہیں ثروت! شاید آپ کی جگہ میں ہوتی تو خاصا برا مانتی' کیونکہ میرا نہیں خیال میرے شوہر' دانیال صاحب کی طرح بیوی کے سابقہ شوہر کا حوالہ برداشت کرتے۔ ماشاء اللہ۔۔۔ آپ خوش قسمت بھی بہت ہیں کہ آپ کو بہت کمپرومائزنگ اور انڈر اسٹینڈنگ ہزبینڈ ملے ہیں۔" ایک اندازہ ثمینہ نے خود بخود لگا لیا تھا۔

ثروت بے چاری اندر ہی اندر خود پر ہنس کر رہ گئیں۔ دل کے حلقے میں ایک سوئی تھی' جس کا کنارہ مستقل چبھتا تھا۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟" معاً ثمینہ کو کچھ خیال آیا تو پوچھ لیا۔

"جی پوچھیے۔" ثروت ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ اور مستقیم بھئی تو بہت خوش تھے' ایک دوسرے کے ساتھ' غالباً" پسند کی شادی ہوئی تھی آپ کی۔ حویلی میں کئی بار ذکر سنا تھا میں نے تو پھر یہ سب' میرا مطلب ہے دانیال حسن کیسے آگئے آپ دونوں کے درمیان؟" ثمینہ جھجکتے ہوئے دل کے اندر اٹھتے ڈوبتے سوالوں کو زبان دے رہی تھیں۔

"پتا نہیں' کون آگیا تھا' کس کے درمیان؟" ثروت نے بوجھل دل کے ساتھ سوچا' پھر گہری سانس بھر کر ثمینہ کے سوالوں کا جواب دینے لگیں۔

"میرے اور مستقیم کے بیچ کچھ اختلافات تھے' جن کی وجہ سے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ دانیال میرے خالہ زاد تھے۔ طلاق کے بعد ان سے شادی ہوگئی۔ یہ ایسا راز ہے ہماری زندگی کا جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔" ثروت بنا رُکے بتاتی چلی گئیں۔

"اوہ۔" ثمینہ کو پھر شرمساری نے گھیرا۔

"پھر تو توقیر اور منیزہ بھی لاعلم ہوں گے۔"

"پتا نہیں..... ممکن ہے' میرے سامنے تو کبھی بات نہیں ہوئی۔ لیکن توقیر بھائی' دانیال کے بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ شاید دانیال نے ذکر کر رکھا ہو۔" تب ہی ماوی اور انیبا سرونگ ٹرالی گھسیٹتی اندر آگئیں۔

"کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے بھئی۔" انیبا نے پوچھا۔

ثمینہ اور ثروت چونک سی گئیں۔

"کچھ خاص نہیں' میں ثروت کو بتا رہی تھی کہ جیسے ہی ماوی کا ریسرچ ورک مکمل ہوگا' ہم واپس آئرلینڈ چلے جائیں گے۔" ثمینہ نے خوبی سے جھوٹ بول دیا تھا۔

"ریسرچ ورک کو تو اب آپ رہنے ہی دیں۔" ماوی نے چائے سرو کرتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ "مجھے نہیں رہنا پاکستان میں۔ بس آپ کا پلاستر اتر جائے' ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"ارے..... اتنی جلدی کیوں بھئی۔" ثروت نے پوچھا۔

"آپ کو نہیں پتا آنٹی! امی تو پہلے ہی پاکستان نہیں آنا چاہتی تھیں' میں نے ہی ضد کر کے انہیں آنے پر مجبور کیا۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے' ہمیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ملک' یہ شہر ہمیں راس نہیں آ رہا..... پہلے ممی کی طبیعت کتنی خراب رہی اور اب یہ اتنا شدید ایکسیڈنٹ..... مزید یہاں رُکے تو اور پتا نہیں کیا ہوگا۔ اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے جیسے ہی ممی کی طبیعت بہتر ہوگی اور یہ سفر کر سکیں' ہم واپس چلے جائیں گے۔"

ماوی نے کہا۔ اس کا چہرا ابھی بھی ماند پڑا ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ ٹھان چکی ہو۔

ثمینہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں..... ہم چلے جائیں گے۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور کارنر ٹیبل پر رکھے گلدان کو دیکھنے لگیں۔ ان کے چہرے پر کسی سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نزاکت نصر

گردشِ دوراں

"وہ کہتے ہیں ناکہ بھرا میلہ چھوڑنا چاہیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بھرا میلہ چھوڑتا ہے اس کی یادوں میں جب بھی وہ میلہ آتا ہے تو اسے ہر طرف رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے۔ اسے لوگوں کے ہنستے کھیلتے چہرے یاد آتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ جو اس انتظار میں رہ جاتے ہیں کہ اچھا ابھی دیکھتے ہیں کیا پتا کوئی اور دلچسپی کی چیز ہو' میلہ تو انہیں بھی چھوڑنا پڑتا ہے' مگر ان کی یادوں میں میلے کی اصل رونق کی جگہ وہ ویرانی اور اجڑا ہوا سماں رہ جاتا ہے' جو میلے کے اختتام کا لازمی جزو ہے۔ اس لیے میری بچی تم ہمیشہ بھرا میلہ چھوڑنا۔ کسی "اور دلچسپی" کے لالچ میں ایسا فرد نہ بننا کہ جسے مجبور کرکے ویرانیاں رخصت کرتی ہیں۔"

ماں کی بات اس نے گویا پلو سے باندھ لی تھی اور دادی کی وفات کے بعد بھرا میلہ چھوڑ کر ماموں کے در پر آن پڑی' کیونکہ ددھیال کے بھرے میلے میں اس کے لیے کسی کے دل میں جگہ نہ تھی۔ یوں تین پھوپھیاں اور دو چچا تھے۔ مگر وہ سب اپنی اولادوں اور اپنے گھروں میں مگن تھے۔ اس لیے کسی کے گھر میں اس کی جگہ نہ نکل سکی۔

پہلے باپ نے ساتھ چھوڑا' پھر ماں بھی راہی عدم ہوئی مگر وہ گھر سے نہ نکلی' کیونکہ ابھی دادی کی شفیق بانہیں اسے سرد و گرم سے بچانے کو موجود تھیں۔ مگر جس دن دادی نے آنکھیں موندیں اس نے اسی وقت بھرا میلہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ کسی چچا یا پھوپھی کو آزمانا نہیں چاہتی تھی۔

دادی کی وفات پر ماموں بھی آئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی ایک بیگ میں اپنے کپڑے اور چند ضروری اشیا بھر کر اپنا شہر چھوڑ آئی۔ اگرچہ ممانی کے ماتھے کے بل گہرے اور مستقل ہوگئے تھے۔ مگر اس نے پروا نہیں کی۔ یہ فیصلہ تو وہ وہیں سے کرکے چلی تھی کہ اگر کسی کے گھر میں جگہ پاتا ہے تو اس کے ماتھے کے بلوں اور اس کی روٹی اور پھلوں پر نظر نہیں ڈالنی۔

ماموں اسے ساتھ لے تو آئے تھے۔ مگر اب اپنی بیوی اور بیٹیوں کے بگڑے تیوروں سے قدرے گھبرائے ہوئے تھے۔ ماموں کی تین بیٹیاں ہی تھیں کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔

سحر نے ایک طرح سے شکر ہی ادا کیا' ورنہ ممانی جوان لڑکوں کا بہانہ کرکے اسے آرام سے چلتا کر سکتی تھیں۔ سحر کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ اس کے ننھیال میں صرف ایک ماموں ہی تھے۔ خالہ کوئی نہ تھی۔ گویا ایک لحاظ سے یہ اس کا آخری ٹھکانہ تھا۔ سو اسے وہ کسی قیمت پر گنوا نہیں سکتی تھی۔

ماموں کے گھر میں تین کمرے' ایک ڈرائنگ روم اور ایک کچن ساتھ ایک چھوٹا سا اسٹور بھی تھا۔ چھوٹے سے صحن پر چھت ڈال کر اسے لاؤنج کی شکل دی گئی تھی۔ چھت پر بھی ایک برآمدہ نما جگہ تھی جو گرمیوں میں بستر وغیرہ رکھنے کے کام آتی تھی۔

بڑی آپی نصرت الگ کمرے میں رہتی تھیں' جبکہ دوسرے کمرے کو دو بہنیں' فرحت اور ندرت مل کر شیئر کرتی تھیں۔ ایک کمرہ ماموں اور ممانی جان کا تھا۔ سو سحر کے لیے خود بخود اسٹور میں جگہ بنی۔ وہ ایک لحاظ سے خوش تھی کہ آپی نصرت کے ساتھ اسے زبردستی ایک کمرے میں گزارہ نہیں کرنا پڑا۔

آپی نصرت بھی ایک الگ ہی کردار تھیں' تیس کی ہونے کو آئی تھیں' مگر ابھی تک نازک یوں بنتی تھیں جیسے سولہ' اٹھارہ کی ہوں۔ کوئی کام نہیں کرتی تھیں' وجہ کام چوری نہیں بتائی جاتی تھی' بلکہ یہ تھا کہ آنسہ نصرت کی آنکھوں میں جلن ہوتی تھی' اس لیے کڑھائی سلائی کا کوئی کام نہ کرتی تھیں۔ سانس لینے میں دقت ہوتی ہے' اس لیے صفائی ستھرائی کا کام نہیں کرتا۔ ہاتھوں پاؤں کی جلد نازک ہے' پھٹ جاتی ہے' اس لیے دھلائی کا کام نہیں کرتا' اور چونکہ سر میں درد ہے اس لیے پڑھائی نہیں کرتیں۔

وہ مڈل تک ہی پڑھ سکی تھیں۔ مگر بات یوں کرتی تھیں جیسے ان سے زیادہ علم تو دنیا میں کسی کے پاس ہے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں سے حسد کرنا اور ان کی ذات میں کیڑے نکالنا ان محترمہ کی اضافی خوبی تھی۔ اتنی گونا گوں خوبیوں والی آپی نصرت کے ساتھ کمرہ شیئر کرنے سے بچ جانے پر واقعی سحر نے شکر ادا کیا تھا۔

دوسرے اسٹور میں اگرچہ جگہ کی تنگی تھی۔ مگر اسے تنہائی تو میسر تھی' سو اس نے خوشی خوشی اپنا بستر اور سامان اس اسٹور میں سیٹ کیا۔

☼ ☼ ☼

اور اگلے دن کمر کس کر میدان میں آگئی۔

ممانی جی لاؤنج میں سر پر پٹی باندھے پڑی تھیں۔ چھوٹی دونوں بیٹیاں کالج جا چکی تھیں اور گھر سارا اوندھا پڑا تھا اور رہ گئی نصرت آپی تو وہ حسب معمول ابھی تک نیند سے ہی نہ جاگی تھیں۔ اس نے ممانی سے پوچھ کر انہیں ناشتا دیا، خود ناشتا کیا اور صفائی ستھرائی میں لگ گئی۔ فارغ ہو کر دوپہر کا کھانا بنایا اور لڑکیوں کے آنے سے قبل نہا کر فریش ہو گئی۔

ممانی نے بھی ایک طرح سکھ کا سانس لیا تھا۔ گویا اسے نوکرانی کی پوسٹ تفویض کر دی گئی تھی۔ مگر وہ سحر تھی۔ جس نے ہارنا نہیں سیکھا تھا۔ رفتہ رفتہ لڑکیاں بھی اس کے ساتھ گھل مل گئی تھیں۔ ممانی کی ناگواری میں کمی آگئی تھی۔

ایک ہفتے بعد جب ماموں نے اسے اطلاع دی کہ اس کی نوکری کا بندوبست ہو گیا ہے تو ایک لمحے کے لیے ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اس سے پہلے کہ نصرت آپی اپنی فطرت کے مطابق اس کی مخالفت کرتیں وہ اٹھ کر ممانی جان کے قریب آبیٹھی۔

"دیکھیے نا ممانی جان! آج کے اتنے مہنگے زمانے میں کوئی اتنا طاقت ور ہے کہ دوسرے لوگوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں اپنی تعلیم کو کام میں لا کر اپنا بوجھ خود اٹھانے کی کوشش کروں گی۔ دیکھیے ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پر لے کر خود کھانا پکانے کے لیے کم از کم ماہانہ تین، چار ہزار کی ضرورت ہے، کیونکہ میری ایک سہیلی اسی طرح رہ رہی ہے، سو میں بھی ہر مہینے آپ کو چار ہزار دیا کروں گی، اور ہفتہ وار کپڑوں کی دھلائی اور صبح کا ناشتا میرے ذمے، آخر میں آپ کی بیٹی بھی تو ہوں۔ میرا خیال ہے آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور باقی رشتے داروں کی میں پروا نہیں کرتی۔"

انہوں نے اگر ناگواری کا اظہار کرنے کا سوچا بھی تھا تو اس کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں ایک پرسوچ سی "ہوں" کہہ کر چپ ہو گئی تھیں۔

اتنا تو وہ جان گئی تھیں کہ لڑکی حد سے زیادہ چالاک ہے۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں جتا دیا تھا کہ اگر انہوں نے اس کو کسی بات پر اعتراض کیا تو وہ اپنی سہیلی کے ساتھ اس کی طرح ایک کمرے کے فلیٹ میں رہ سکتی ہے۔

وہ خاندان والوں کو اگر جوتی کی نوک پر رکھ رہی تھی تو وہ تو ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔ انہیں کل کو اپنی بیٹیوں کی شادی اپنے اسی خاندان میں کرنا تھی۔ سو خاموشی سے اس کی مان لینے میں ہی عافیت تھی۔ ورنہ دس باتیں سننا پڑتیں کہ ایک لڑکی کو گھر میں جگہ نہ دے سکے اور گھر سے نکال دیا۔ پھر پیسے دینے کی بات کون سا کسی کے علم میں تھی۔

روٹین، سحر کی خواہش اور سہولت کے مطابق سیٹ ہو گئی تھی۔ جاب سے واپسی پر وہ محلے کے دو، تین بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھانے لگی۔ بچے بہت ذہین تھے۔ اسے انہیں پڑھا کر خوشی محسوس ہوتی۔ مگر ایک مسئلہ یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ نصرت آپی کو سحر سے جو پرخاش تھی وہ اب ظاہر ہونے لگی تھی۔

وہ نصرت آپی کے بے کار وجود کی جگہ ایک کار آمد اور متحرک لڑکی تھی۔ ماموں، ممانی نے ایک دو بار اسے تحریک دلانے کے لیے سحر کا حوالہ دیا تھا۔ سو جلن میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ وہ اپنی بے زاری کا اظہار کرنے میں تو بخل سے کام نہیں لیتی تھیں۔ مگر براہ راست محاذ کھولنے میں انہیں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ٹیوشن کے بچوں نے فراہم کر دی۔ وہ چلاتی ہوئی اپنے کمرے سے برآمد ہوئیں۔

"یہ میرے سونے کا وقت ہے۔ اگر میں اس وقت نہ سوؤں تو ساری رات سر میں درد ہوتا رہتا ہے۔ مگر تم جیسے لوگوں کو دوسروں کی پروا ہی کب ہے۔ یا اللہ! میرے حال پر رحم فرما، اپنے ہی گھر میں سکون سے دو گھڑی بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا۔"

سحر اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ اگرچہ وہ بہت زمانہ شناس لڑکی تھی۔ مگر لڑنے جھگڑنے کی عادی نہ تھی۔ سو بچوں کو شور مچانے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں لے کر چھت پر چلی گئی۔ بچوں نے جلدی سبق یاد کیا اور بیگ بند کر کے وہیں ایک طرف رکھ کر کھیلنے میں مگن ہو گئے۔ وہ بھی وہیں بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی۔

✲ ✲ ✲

پھر یہ معمول بن گیا۔ بچے آتے پڑھتے اور پھر کھیل میں مگن ہو جاتے، اگر تو وہ فارغ ہوتی تو ان کا کھیل دیکھتی، اور اگر اس کے پاس وقت نہ ہوتا تو انہیں کھیلتا چھوڑ کر نیچے آجاتی۔

اور اگر کبھی کبھار موڈ ہوتا تو خود بھی ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہو جاتی۔ بچے اس کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کی مائیں خوش تھیں کہ سحر نے ان کے "بھوتوں" کو قابو کر لیا تھا اور اسکول میں بھی اچھے گریڈ سے پاس ہو رہے تھے۔ اس ساری صورت حال سے اگر کوئی ہستی ناخوش تھی تو وہ تھی نصرت آپی۔

وہ کسی نہ کسی بہانے سحر سے الجھتی ہی رہتی تھیں اور کبھی کبھار اگر ماں کے کان بھرنے میں کامیاب ہو جاتیں تو وہ بھی سحر کو دیکھ کر ایک دو طنزیہ باتیں ضرور ہی کر دیا کرتیں۔

مگر سحر اپنے اسی مقولے پر عمل پیرا تھی، کیونکہ اسے اس گھر میں جگہ درکار تھی۔ سو وہ نصرت آپی سے الجھنے سے حتی الامکان گریز کرتی۔ بلکہ اکثر ان کے جھگڑے سے بچنے کے لیے بلاوجہ بھی بچوں کو ڈانٹ دیتی اور کبھی انہیں وقت سے پہلے آجانے پر ڈانٹ کر بھگا بھی دیتی۔ تب تک اسے اپنے رویے میں آنے والی ان منفی تبدیلیوں کا احساس تک نہ تھا۔

اس روز نصرت آپی اور ممانی کسی رشتے دار کی طرف گئی ہوئی تھیں، مدرت اور فرحت کمرے میں ٹی وی دیکھ رہی تھیں، سو وہ آج بچوں کے ساتھ مل کر شور ہنگامہ کرنے میں آزاد تھی۔ اس نے بچوں کو تھوڑا بہت پڑھا کر چھٹی دے دی اور حسب معمول بچے بیگ ایک طرف رکھ کر کھیل میں مگن ہو گئے۔ وہ کچھ دیر ان کے ساتھ کھیلتی رہی، پھر تھک کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"چلو بھئی بچو! تم کھیلو، اب میں صرف تمہارا کھیل دیکھوں گی۔"

بچے کچھ دیر تو اسے منانے کی کوشش کرتے رہے، مگر اس کے نہ اٹھنے پر ایک بار پھر اپنے کھیل میں مگن ہو گئے۔

"آؤ علی! ہم ٹیچر ٹیچر کھیلتے ہیں۔" بہت ہی کیوٹ سی نور نے کہا۔

فیضان بھی "فوراً" آگے آگیا۔

"میں بھی کھیلوں گا۔"

"ٹھیک ہے، میں پہلے ٹیچر بنتی ہوں، تم دونوں اسٹوڈنٹس بننا، چلو اب تم لوگ اپنے گھروں سے اپنے بیگ لے کر آؤ، اور ہاں یاد سے، وقت سے پہلے مت آنا۔"

سحر مسکرا اٹھی، کیونکہ وہ ساڑھے پانچ سالہ بچی بڑی مدبر بنی ہوئی انہیں ہدایات دے رہی تھی اور ساتھ ہی کپڑے کی ننھی سی پٹی کو بطور دوپٹہ سحر کی طرح گلے میں ڈالے ہاتھ میں چپل سنبھالے وہ برآمدے کے پردے کے پیچھے چلی گئی۔ گویا وہ ٹیچر کا گھر تھا۔

دوسری طرف فیضان اور علی اپنے بیگ ایک مرتبہ پھر کندھوں پر ڈالے ٹیچر نور کے دروازے پر آگئے۔ سحر کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ گویا بچے اپنی لائف میں ٹیچر سے متاثر تھے اور اسے کاپی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سحر کو یاد آیا کہ اسی طرح وہ بھی اپنے ٹیچرز کو پسند کیا کرتی تھی اور ان کو کاپی کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی، یعنی آج بھی بچے اپنے اساتذہ سے متاثر ہوتے تھے۔

علی اور فیضان نے کپڑے کے پردے پر ہاتھ مار کر منہ سے "ٹھک ٹھک" کر کے دروازہ بجایا، چند لمحوں کے بعد نور نے ان سے قدرے رعب دار آواز بناتے ہوئے "کون" پوچھا۔ سحر حیران رہ گئی، بچوں نے کتنی گہرائی سے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔

نور کا "کون" پوچھنے کا انداز بالکل سحر جیسا تھا، جبکہ اس پورے محلے میں سب کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ صرف سحر تھی جو جب بھی گھر میں موجود

ہوتی دروازہ بند ہی رکھتی اور پوچھ کر کھولا کرتی تھی۔
وہ اٹھ کر اوٹ میں ہو گئی تاکہ بچے پورے انہماک سے اپنا کھیل کھیل سکیں۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ انہوں نے اور کیا سیکھا تھا۔ فیضان اور علی نے اسے بتایا "ہم دونوں پڑھنے کے لیے آئے ہیں ٹیچر' آپ دروازہ کھولیں۔" نور نے دروازہ کھولا۔ (پردہ ایک طرف کو ہٹا کر منہ نکال کر جھانکا) اور غصیلے لہجے میں انہیں گھور کر بولی۔
"چلو واپس جاؤ۔ میں نے بتایا بھی تھا کہ اس وقت آپی سوئی ہوتی ہیں' تم پھر انہیں ڈسٹرب کرنے آگئے۔ ابھی ٹائم نہیں ہوا' جب ٹائم ہو گا تب ہی آنا۔" اور کھینچ کر پردہ برابر کر دیا۔
سحر ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی بے ضرر سی بات کو یہ بچے اتنے گہرے انداز سے دیکھیں گے۔ علی اور فیضان نے معمول کے مطابق کچھ قدم اپنے فرضی گھر کی طرف اٹھائے۔ تھوڑی دیر رک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر بولے۔
"لگتا ہے اب پانچ بج گئے ہیں' اب ہمیں جانا چاہیے۔ اس مرتبہ ٹیچر کچھ نہیں کہیں گی۔" سحر شرمندہ سی ایک طرف کھڑی تھی۔
اگرچہ اس کا لہجہ کبھی کبھار ہی بچوں کے ساتھ تلخ ہوتا تھا۔ مگر بچے اسے یاد رکھے ہوئے تھے۔ بچوں کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس مرتبہ دروازہ ان کے لیے وا ہو گیا تھا۔ جوں ہی وہ اندر جانے لگے نور ایک دم سے باہر آگئی۔
"ادھر آؤ میرے ساتھ۔ ہم چھت پر جا کر پڑھیں گے اور ابھی سن لو تم میں سے کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلنی چاہیے۔" وہ چہرے پر کرختگی طاری کرنے کی کوشش میں کافی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔
پھر ایک طرف بیٹھ کر وہ انہیں وہی سبق پڑھانے لگی جو آج سب نے یاد کیا تھا۔ "تعلیمی سیشن" کے دوران نور مکمل طور پر "سحر" بنی ہوئی تھی۔ دونوں شاگردوں کو بالکل اسی کی طرح شرارتوں پر وارننگ دیتی' اسی کے لہجے کی نقل اتارتی' وہی الفاظ استعمال کرتی' وہ انہیں پڑھنے کے لیے سنجیدہ ہو جانے کا حکم دے رہی تھی۔
تھوڑی دیر کے بعد وہ ان کے ہوم ورک کی کاپیاں چیک کرنے لگی' جبکہ دونوں لڑکے اب اس کھیل سے بے زار ہو چکے تھے' سو اٹھ کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے۔ بچے اپنے کھیل میں مگن' اپنی سوچوں میں گم ٹیچر کو دیکھ ہی نہ سکے۔
وہ ایک کونے میں بیٹھی اپنا محاسبہ کر رہی تھی۔ اسے ان بچوں کا کھیل دیکھ کر اندازہ ہوا تھا کہ اس کے رویے میں کیا کیا خامیاں ہیں اور بچے اس سے کیا توقع کر رہے تھے۔ وہ حیران تھی کہ وہ ایک دنیا دیکھے ہوئے تھی۔ اس نے اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسے دنیا کے سرد و گرم کا اندازہ بھی کافی حد تک تھا۔ بلکہ اسے تو دعوا تھا کہ وہ لوگوں کو ان کے چہرے دیکھ کر پرکھ لیتی تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ وہ زندگی گزارنے کے سارے گر سیکھ چکی ہے' مگر آج اس پر کھلا تھا کہ کچھ ایسی باتیں بھی ہیں' جو اسے ان بچوں سے سیکھنی ہیں۔
اسے اپنے رویے میں آئی مثبتی تبدیلیوں کو دیکھنے کے لیے ان بچوں کو بطور آئینہ استعمال کرنا ہے۔ اسے یاد آیا اس نے کسی جگہ پڑھا تھا کہ ذہین طالب علم کو پڑھانے سے استاد سیکھتا ہے۔ اس کے طالب علم بھی اسے سکھا رہے تھے۔
بچے کھیل ختم کر کے بیگ اٹھائے سیڑھیاں اتر گئے۔ وہ بھی اٹھ کر نیچے آگئی۔ اس نے عہد کیا تھا آئندہ وہ اپنی خامیوں کو درست کرنے کے لیے ان بچوں کا کھیل ہر روز دیکھا کرے گی۔
اگرچہ اس کے ننھے نقال نہیں جانتے تھے کہ وہ کتنا اہم اور بڑا کام کر رہے ہیں' وہ تو معصوم تھے۔ جو نوٹ کرتے اسے اپنے کھیل میں پیش کر کے بھول جاتے۔ مگر بصیرت کی آنکھ ان کے کھیل سے اصلاح کے موتی چن سکتی تھی۔
سحر نے بھی گردش دوراں سے دیکھنے کا عہد کر لیا تھا۔ جہاں استاد کی جگہ شاگرد اپنے استاد کی کردار سازی کر رہے تھے۔

عتیقہ محمد بیگ

"مجھے 1200 روپے والا سوٹ خریدنا ہے۔" نوشی نے خفگی سے 500 روپے کا نوٹ اپنے شوہر سجاد کو واپس کرتے ہوئے کہا تھا۔
سجاد نے حیرانی سے دیکھا۔
"نوشی! گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہو رہے ہیں اور تمہاری خواہشات بڑھتی جا رہی ہیں۔" سجاد نے خفگی سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔
نوشی نے منہ بسور لیا اور کہا "اس لیے تو پانچ سو کا نوٹ واپس کر رہی ہوں کہ یہ بھی گھر کے اخراجات کے لیے رکھ لیں۔"
نوشی کو خفا دیکھ کر سجاد کا لہجہ نرم پڑ گیا اور اس نے خفا نوشی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
"میری جان! آپ کا شوہر چھ ہزار ماہوار ایک فیکٹری کا ملازم ہے۔ آپ کو سوچ سمجھ کر میرا ساتھ دینا چاہیے۔" اس نے اپنی بیوی کو احساس دلایا کہ وہ اس تنخواہ پر گزر بسر خوش دلی اور سوچ سمجھ کر کرے۔
نوشی نے طنزیہ انداز سے کہا۔ "شادی سے پہلے تو آپ کے گھر والے مجھے اور میرے گھر والوں کو شیشہ دکھا رہے تھے کہ سجاد کی تنخواہ پندرہ ہزار ہے اور میرے والدین نے میری شادی کی ہامی اسی لیے بھرلی تھی کہ آپ میری اور میری ضروریات زندگی کا خیال رکھیں گے۔ مگر شادی کے بعد فاقے تک کر لیے۔ اگر میں اماں ابا سے کہہ دوں تو دل میں آپ کی عزت کا جنازہ اٹھ جائے۔" نوشی نے خفگی سے سجاد کو کہا۔
سجاد نے چائے کی چسکی لی' جو چند لمحے پہلے نوشی نے پیار سے بنا کر دی تھی۔ مگر جب بارہ سو روپے کے بدلے پانچ سو روپے اس نے نوشی کو دیے تو اس کا کھلا ہوا چہرہ مرجھا سا گیا اور پھر نوشی نے سجاد سے تکرار شروع کر دی۔
سجاد نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میری جان نوشی! رشتہ مانگتے وقت آمدنی دوگنی بتانی پڑتی ہے۔ میرے گھر والے ایسا نہ کہتے تو میں اب تک کنوارہ ہوتا۔" سجاد نے شوخی سے کہا۔
"صاف صاف کہیں کہ آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔" نوشی نے بھڑک کر سجاد سے کہا۔
وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ "دھوکا دیا۔ وہ کیسے...؟"
نوشی نے افسردہ ہو کر کہا۔ "جب سے شادی ہوئی ہے' میری ایک بھی خواہش آپ نے پوری نہیں کی۔ یہ بیوی کے ساتھ دھوکا نہیں تو اور کیا ہے۔"

سجاد نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا نوشی کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ "جناب! دھوکا تو تب ہوتا ہے جب میں آپ کے سوا کسی اور سے محبت کروں۔"

نوشی نے ہاتھ چھڑا کر خفگی ظاہر کی۔ "مگر آپ مجھے بارہ سو روپے نہیں دے رہے تو بے شک مجھے دھوکا دے دیں۔ مجھے آپ کا دیا دھوکا منظور ہے۔"

"نوشی! تمہیں بارہ سو روپے دے دوں تو گھر کا خرچا کیسے چلے گا؟" سجاد نے فکر مندی کے عالم میں کہا۔

نوشی نے بے زاری سے ان سنی کی۔ "تو پھر اکبر کیسے صنم کے لیے اتنے مہنگے مہنگے کپڑے خرید کر لاتا ہے۔" نوشی نے اپنے دیور اکبر کے بارے میں سجاد سے کہا۔

سجاد نے ایک لمبی سانس بھری۔ اور کہا۔ "اکبر کا اپنا نصیب ہے۔"

نوشی نے خفگی سے کہا۔ "جب دیکھو صنم مہنگے مہنگے لباس پہنتی ہے اور صنم کا پرس بھی پیسوں سے بھرا ہوتا ہے۔ ایک میں ہوں جو خالی پرس لے کر بیٹھی ہوں، ہر محفل میں کھانا بھی ٹھیک طریقے سے نہیں کھاتی۔ ہر وقت خالی پرس مضبوطی سے ہاتھ میں تھامے رکھتی ہوں کہ کہیں کوئی میرا خالی پرس کھول نہ لے اور میری غریبی کا چرچا نہ ہو جائے۔" نوشی نے دل کی بھڑاس نکالی۔

سجاد نے خفا نوشی کا موڈ آف دیکھ کر کہا۔

"چلو بیگم! اگلے مہینے میں آپ کو بارہ سو روپے دے دوں گا۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

نوشی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "ایک سوٹ کے لیے تیس دن تک انتظار کرتی رہوں۔ مجھے سوٹ نہیں خریدنا ہے۔ میری قسمت صنم جیسی تو نہیں ہو سکتی ہے، وہ روز نئے سوٹ گھر پر پہنتی ہے اور میں ڈر ڈر کر سوٹ پہنتی ہوں کہ ہر سوٹ دو سیزن تو نکالے۔"

"کفایت شعاری اچھی عادت ہے اور اسلام میں فضول خرچی منع بھی ہے۔" سجاد نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"کفایت شعاری اچھی عادت ہے مگر کنجوسی بری عادت ہے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے۔ سجاد! یہ اپنی عادت تبدیل کر لو۔" نوشی نے غصے سے کہا۔

سجاد نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"نوشی! تم مجھے مسلے ہوئے کپڑوں میں زیادہ اچھی لگتی ہو۔ بیوی کا بجنا سنورنا اس کے شوہر کے لیے ہوتا ہے اور مجھے تم سادہ لباس میں زیادہ پیاری لگتی ہو۔"

نوشی کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ "میں آپ کو گندے کپڑوں میں زیادہ اچھی لگتی ہوں۔ اچھا اگر بیوی کا بجنا سنورنا شوہر کے لیے ہے تو میں اب آپ سے سوٹ کا مطالبہ نہیں کرتی ہوں مگر کھانے پینے کا تو مطالبہ کر سکتی ہوں۔"

سجاد نے روتی نوشی کو پیار سے کہا۔ "بھئی میں تو مذاق کر رہا تھا اور تم رو پڑیں۔ جب تک میں تمہاری تکرار نہ سن لوں تو دن میرا پھیکا پھیکا گزرتا ہے۔"

نوشی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میری تکرار میں کیا مسالا ہوتا ہے جو آپ نہ سنیں تو دن پھیکا پھیکا رہتا ہے۔"

سجاد نے ہنس کر کہا۔ "نوشی مسالے والی تمہارا نام ہونا چاہیے۔"

نوشی جو الماری سے کپڑے نکال نکال کر دیکھ رہی تھی کہ ریاض بھائی کے بیٹے فہد کی شادی پر کون سا پہنے۔ سجاد کی بات سن کر الماری میں سے کپڑے نکالتے ہوئے بولی۔ "کپڑے تو کپڑے آپ سے شادی کر کے کھانا پینا بھی مجھے کہاں نصیب ہوا ہے۔" نوشی نے تلملا کر کہا تھا۔

سجاد نے حیرت سے نوشی کو دیکھا اور کہا۔ "اگر تمہیں کھانا نصیب نہیں ہے تو تمہارا وزن کیسے بڑھ گیا ہے؟" نوشی نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"مگر میں موٹی ہوں تو اس کی وجہ بھی "دکھ" ہیں کچھ لوگ پریشانی کے عالم میں "موٹے" ہو جاتے ہیں۔"

سجاد نے کہا۔ "یہ نیا دور اور کیا کیا ریسرچ نکالے گا۔ پچھلے زمانے میں کہا جاتا تھا۔ انسان کو دکھ کمزور کر دیتے

ہیں۔ یہاں نئے دور کی ریسرچ یہ ہے کہ زیادہ پریشانیاں انسان کو "موٹا" کر دیتی ہیں؟"

"کل ٹی وی دیکھتے وقت اک چینل پر بتایا جا رہا تھا کہ زیادہ پریشان لوگ بھی "موٹے" ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ذہنی تناؤ معدے کو ٹھیک طریقے سے "کام" کرنے نہیں دیتا۔ جس کی وجہ سے انسان کم کھانے کے باوجود موٹے ہو رہے ہیں۔" نوشی نے ٹی وی کی اس ریسرچ کو خود پر لاگو کرتے ہوئے کہا۔

مزید طنزاً بولی۔

"سجاد! میرا دال پکانے سے دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ آپ پلیز کچھ تو میرا اور میرے بچے کا سوچیے جو روز چپ چاپ دال کھا لیتے ہیں۔ صنم کی طرف اوپر جاؤں تو کبھی بریانی تو کبھی قورمہ، کبھی حلیم تو کبھی شامی کباب بنا رہی ہوتی ہے۔ صنم جب کہتی ہے کہ بھابھی آپ بھی رات کا کھانا اوپر آ کر کھا لیجیے گا تو دل جل جاتا ہے۔ بس سجاد میری بات کان کھول کر سن لیں۔ اپنی فیکٹری کی ملازمت چھوڑ کر اکبر کی فیکٹری میں ملازمت کر لیں مجھے اور میرے بچوں کو کب تک دال روٹی کھلاتے رہیں گے۔" نوشی نے دل کی بھڑاس کی تمام حدیں پار کر کے سجاد کو وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

سجاد نے کان میں انگلی ڈال کر کھجلی کی اور کہا۔ "جی نوشی صاحبہ! آپ کی بات میں نے کان کھول کر سن لی ہے۔ مگر آپ بھی میری بات ذہن نشین کر لیں کہ سادہ غذا کھانے سے انسان بیماریوں سے دور رہتا ہے۔"

وہ خفگی سے بولی۔ "آپ ہر بات کی ٹانگ کیوں کھینچتے ہیں۔ آخر بیوی کے کچھ اور حقوق بھی ہیں جن کو پورا کرنا ایک شوہر کا فرض ہے۔" نوشی کا چہرہ اب غصے سے لال ہو چکا تھا۔

"بیوی کے حقوق یاد ہیں مگر شوہر کے حقوق یاد نہیں ہیں۔" سجاد نے کہا۔

"کھانے پینے کا بنیادی مطالبہ کر رہی ہوں، ساری زندگی آپ کی گزر جائے تو بھی آپ بیوی کے حقوق پورے نہیں کر سکتے۔" نوشی نے ہار مان کر کہا۔

"ویسے دال گوشت سے بہتر ہے۔ اب اکبر کو ہی دیکھ لو۔ عمر میں مجھ سے تین سال چھوٹا ہے۔ مگر روز گوشت کھانے سے اس کا یورک ایسڈ بڑھ گیا ہے۔ میں نے اکبر سے ہزار دفعہ کہا ہے۔ اب گوشت کا استعمال کم کر دو۔ مگر نہیں اکبر کھانے سے باز نہیں آتا۔ اس لیے تو ہاتھ پاؤں سوج کر کپا ہو جاتے ہیں اور درد کی شدت تو تم دیکھ چکی ہو۔"

"سجاد! وقار کب تک گورنمنٹ اسکول میں پڑھے گا۔" نوشی نے وقار کے اسکول کا مسئلہ اٹھا لیا۔ سجاد جو ٹی وی پر خبریں سننے لگا تھا۔ حیرانی سے پوچھنے لگا۔

"کیوں گورنمنٹ اسکول کی پڑھائی میں کیا حرج ہے؟"

نوشی جو اب الماری بند کر کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی سجاد سے کہنے لگی۔

"سجاد! جب دانیال فر فر انگلش بولتا ہے تو میرا دل بھی کرتا ہے کہ میں اپنے بچے کو انگلش بولتے دیکھوں۔" نوشی نے لمبی آہ بھر کر اپنی خواہش ظاہر کی۔

سجاد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "وقت کے ساتھ ساتھ وقار بھی انگلش بولنا سیکھ جائے گا۔ مگر تربیت بچپن میں کی جائے تو بچہ وقت کے ساتھ ساتھ اچھی عادات کا مالک بن جاتا ہے۔ تم خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو کہ تمہارا بچہ اچھی عادات کا مالک ہے ورنہ دانیال کا لہجہ تم دیکھ چکی ہو۔ اور صنم بھی اپنے بچے کی بدتمیزی سے پریشان رہتی ہے بچوں کو بے جا لاڈ پیار اور پیسے دینے سے وہ بگڑ جاتے ہیں۔" سجاد نے فکر مندی سے کہا۔

"سجاد! سوسائٹی میں انگلش اب بہت ضروری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ دنیا کی تیز رفتار ترقی میں ہمارا بچہ انگلش کی وجہ سے پیچھے نہ رہ جائے۔" نوشی نے رونی صورت بنا کر کہا تھا۔ تو وہ دھیرے سے کہنے لگا۔

"ہمارا بچہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ سب سیکھ جائے گا۔ میں وقار کو انگلش اخبار گھر پر لگوا دیتا ہوں۔ مطالعہ کرے گا تو انگلش بولنا آ جائے گا۔" سجاد نے مطمئن لہجے میں نوشی کو تسلی دی۔

وہ خاموشی سے اسے تکنے لگی۔ "آخر وہ بھی انسان

تھی اور انسان بھی برے وقت سے اکتا جاتا ہے' جب ایک ہی گھر کے دو حصوں میں زمین و آسمان کا تضاد ہو۔ صنم کے پاس ضروریات زندگی میسر تھیں اور نوشی ان کے لیے ترس رہی تھی۔ سجاد کو نوشی نے کتنی دفعہ کہا تھا کہ وہ دوسری ملازمت کی کوشش کرے جہاں تنخواہ زیادہ ملے۔ مگر سجاد کے بس میں کہاں تھا۔ اپنے بھانجے فہد کی شادی پر وہ نیا سوٹ پہن کر جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی... کہ اس کے میکے والوں کو معلوم ہو کہ وہ تنگ دستی میں زندگی گزار رہی ہے۔ نوشی کو اپنے شوہر سجاد کی عزت اپنی جان سے بڑھ کر عزیز تھی اور سجاد بھی اس کی کڑوی باتوں کو ہنس کر سن لیتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نوشی حق پر ہے۔ مگر دوسری ملازمت ملنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آخر نوشی کا مرجھایا چہرہ دیکھ کر سجاد نے کہا۔

"نوشی! بہت جلد تمہاری تمام خواہشات کو پورا کروں گا۔"

نوشی یہ سن کر بہت خوش ہوری رہی تھی کہ یک دم زوردار دستک نے سجاد اور نوشی کو بوکھلا دیا۔ سجاد تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔ کیونکہ دروازے کی دستک خطرے کی علامت محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے دروازہ کھولنے پر پولیس کو سامنے پایا تو خوف زدہ ہو کر کہنے لگا۔

"جی پولیس... ہمارے گھر پر..."

پولیس کا ایک بندہ طنزیہ کہنے لگا۔

"چور کے گھر پر پولیس نہیں آئے گی تو کیا بارات آئے گی؟"

نوشی بھی صحن میں گھبرائی حیران و پریشان کھڑی تھی۔ پھر ایک پولیس والا صحن میں کھڑے ہو کر "اکبر... اکبر" آواز دینے لگا۔ سجاد نے پریشانی سے کہا۔

"پلیز آپ باہر چلیے۔ میں اکبر کو بلاتا ہوں۔" سجاد کو بہت برا لگ رہا تھا' گھر میں عورتوں کے سامنے یوں پولیس کا اندر آجانا۔ مگر جب ایک پولیس آفیسر نے کہا کہ "جب چور ہر کسی کے گھر جاسکتا ہے تو ہم پولیس والے کیوں نہیں جاسکتے۔" صنم چھت پر کھڑی تھی' جب اس نے اکبر کے متعلق پولیس کو پوچھتے دیکھا تو گھبرا کر کمرے میں داخل ہوئی۔ جہاں اکبر بریانی کھا رہا تھا۔ صنم نے پریشانی سے کہا۔

"اکبر! گھر میں پولیس آئی ہے۔ اور آپ کے متعلق پوچھ رہی ہے۔ اکبر! یہ پولیس آپ کو کیوں پکڑنے آئی ہے؟؟"

صنم نے روتے روتے اکبر سے پوچھا۔ گھبراہٹ میں اکبر کے منہ سے صرف صنم کے لیے ایک جملہ نکلا "تمہارے سوٹ" تب تک پولیس کے ہاتھ اکبر کے گریبان تک تھے۔ سجاد پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا۔ پولیس اکبر کو لے گئی۔ صنم نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

صنم چیختے چیختے کہہ رہی تھی "نوشی بھابھی! اکبر چور نہیں ہے۔ میں چور ہوں' میری بے جا خواہشات کی تکرار نے اس کو چور بنا دیا۔ نوشی بھابھی! میں چور ہوں۔"

محلے کی عورتوں نے نوشی سے کہا "آپ کی دیورانی کو شدید صدمہ ہوا ہے۔ جو شوہر کا جرم خود پہ لے رہی ہیں۔"

صنم رو رو کر بس یہ کہہ رہی تھی کہ "وہ چور ہے اکبر چور نہیں ہے۔" محلے کی عورتیں صنم کو دلاسا دے رہی تھیں "کہ وہ چور نہیں ہے۔" مگر نوشی اور سجاد یہ جانتے تھے کہ چور کون ہے۔ نوشی' صنم کی حالت دیکھ کر رو رہی تھی اور نوشی کے ذہن میں صنم کی صرف یہ آوازیں گونج رہی تھیں۔

"ہائے میری بے جا خواہشات نے اکبر کو چور بنا دیا۔"

نوشی نے سجاد کی طرف پیار سے دیکھا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اس کے شوہر نے ہمیشہ اس کو سمجھایا تھا۔ انسان کو چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں' ورنہ آج وہ بھی صنم کی طرح دل پر ایک بوجھ لیے رو رہی ہوتی کہ اس نے بے جا ضرورتوں کے لیے اپنے شوہر سجاد کو چور بنا دیا۔

ناولٹ

سمیرا گل

ایک خواب جو ہمارا تھا

"جگنو! جلدی چلو۔" موں نے عجلت بھرے انداز میں اس کی سست روی پر بگڑ کر کہا اور پھر اسے مخالف سمت میں مڑتے دیکھ کر سٹپٹا کر رہ گئی۔

"کہاں؟" اسے گھورنا موقوف کر کے اشارے سے دریافت کیا۔

"اب جا ہی رہے ہیں تو "رونق بازار" کو دیکھتے ہوئے جائیں گے۔" بے نیازی سے شانے اچکاتے موں کی برہمی کو سرے سے نظر انداز کرتی وہ ہجوم میں گھسی۔

"اس کا ایک پورٹریٹ بنوا کر آنکھوں میں فٹ کروالو۔" وہ طنزیہ بڑبڑائی' جگنو نے ذرا جو دھیان دیا ہو۔

"کس قدر فضول ہو تم۔" اس پر مطلق اثر نہ ہوتے دیکھ کر وہ سر جھٹک کر ایک جانب آکھڑی ہوئی۔ ایک تو گرمی' اس پر لوگوں کا ہجوم اور بس نکل جانے کا دھڑکا الگ سے لگا تھا۔ مگر جگنو کی نظریں اس ساری صورت حال سے بے نیاز کسی کو کھوجنے میں سرگرداں تھیں۔

تب ہی مکہ جیولرز کا گلاس ڈور دھکیلتے ہوئے وہ اپنی ازلی شان سمیت باہر نکلتا دکھائی دیا' جگنو کے اٹھتے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ وہ ہوا کے سبک جھونکے کی مانند آیا اور گزر بھی گیا۔

"بس دیکھ لی "رونق بازار" اب چلو۔" موں نے اسے گم صم کھڑے دیکھ کر اس کی ساکت پتلیوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ چونک کر جیسے عالم ہوش میں واپس لوٹی۔

"جگنو! یہ شہر ہمیں بہت یاد آئے گا' پتا نہیں چار دو سال کیسے پلک جھپکتے میں بیت گئے۔"

بس کو اپنے مطلوبہ مقام پر دیکھ کر موں کی جان میں جان آگئی تھی۔ سیٹ ملتے ہی قدرے مطمئن ہونے کے بعد وہ اب اداس نظر آنے لگی تھی۔

"یہ شہر مریخ تو نہیں کہ تم دوبارہ آنہ سکو۔" جگنو

ذرا جو متاثر ہوئی ہو اس کی آزردگی اور اداسی پر بلکہ الٹا مذاق ہی اڑایا۔

"تمہیں وہ یاد نہیں آئے گا؟" مون نے کلستے ہوئے اپنی جانب سے تو اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا مگر اس نے بھی فوراً انجان بن کر پوچھا۔

"کون؟" حد درجہ محتاط اور سرسری انداز۔

"رونق بازار۔" وہ لفظوں کو خوب چبا کر بولی اور اس کے بھولپن پر جو تاؤ آیا وہ الگ۔

وہ کون تھا؟ کہاں سے آتا تھا۔ کہاں جاتا تھا؟ کیا نام تھا؟ دونوں کچھ نہیں جانتی تھیں، مگر بقول جگنو۔ وہ اتنا چارمنگ ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد مجھے فطرت حسین لگنے لگتی ہے۔ میں اپنے ذوقِ حسن کو نکھارنے کے لیے اسے دیکھنے آتی ہوں۔

وہ ہر اتوار کوئی نہ کوئی کام نکال کر مارکیٹ آیا کرتی تھی اور مون کو اس کی یہ فضول سی گردشیں سخت بور کرتیں۔ ان کی روم میٹ ماریہ اکثر اسے چھیڑا کرتی تھی۔

"یوں ہی بے سبب نہ پھرا کرو۔"

"میں اپنی آنکھوں میں وہ خواب نہیں سجانا چاہتی جو مجھے بے رنگ کردے۔"

"تو پھر؟" مون نے کچھ کہنا چاہا، مگر اس نے ٹوک دیا۔

"کم آن یار! وہ میرا ویسے ہی فیورٹ ہے، جیسے تمہارا رتیک روشن، اور جان ابراہم ہے۔" اگلے ہی پل وہ اس فیز سے نکل کر شرارت سے ہنسی تو مون نے بے بس نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس خارج کیا۔

فضل الرحمان اور عبدالرحمان دو بھائی تھے، فضل الرحمان کی دو بیٹیاں آبگینے اور جگنو تھیں، جگنو، آبگینے سے پورے آٹھ برس چھوٹی تھی، جب وہ تین سال کی تھی تو اس کے ابا کا انتقال ہو گیا تھا، چچا کے اپنے معاشی حالات اچھے نہیں تھے۔ اس کی امی نے سلائی کا کام کر کے اس کی اور آبگینے کی پرورش کی تھی، بے بے کا ٹھکانہ بھی ان کے گھر میں تھا۔

جبکہ چچا عبدالرحمان کے دو بچے ایک جاذب جو اس سے قریباً دو سال بڑا تھا اور ایک منیرہ عرف مون تھی جو اس کی ہم عمر، دوست، ہمراز اور کلاس فیلو۔ انٹر تک دونوں نے پرائیویٹ پڑھا تھا اور گریجویشن کرنے کے لیے دونوں کی ضد تھی کہ شہر جا کر کالج میں پڑھیں گی۔

تینوں اکثر اپنے فیوچر پلان ڈسکس کرتے نظر آتے، جاذب کو پائلٹ بننے کا شوق تھا۔

"میں تو ایئر فورس جوائن کروں گا، تم ایئر ہوسٹس بن جانا۔"

"نہ میں ایئر ہوسٹس بنوں گی اور نہ ہی تم ایئر فورس جوائن کرو گے۔ ذرا سوچو جاذب! ہمارے گاؤں کے سرکاری اسکولوں میں ایک بھی ٹیچر نہیں ہے جو دوسرے شہروں سے تعینات ہو کر آتے ہیں۔ وہ چار دن بھی نہیں ٹکتے۔ جو لوگ پرائیویٹ اسکولوں کے اخراجات افورڈ نہیں کر سکتے۔ ان کے بچے سارا دن گلیوں میں آوارہ گردی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے اپنے گاؤں کے لوگ ایجوکیٹ ہوتے تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔ میں نے اور مون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم گریجویشن کے بعد اپنے گاؤں کے سرکاری اسکول میں بطور ٹیچر جاب کریں گے اور تم ہو گے بوائے اسکول کے ماسٹر جی، سمجھے۔"

مون کی اپنی تو کوئی مرضی نہیں تھی، بس جو جگنو نے کہہ دیا اس نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے سر ہلا دیا، مگر جاذب تو اس کے نادر خیالات سن کر بدک اٹھا۔

"دماغ درست ہے تمہارا، میں اور ماسٹر امپوسبل۔"

"سوری، امیجن (تصور کرو) جب یہ دھوتی کرتے میں ملبوس، بلیک واسکٹ زیب تن کیے، آنکھوں میں موٹے عدسوں کا چشمہ لگائے، تیل میں چپڑے بالوں کی الٹی کنگھی کیے یہ بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ ہاتھ میں لمبی سی چھڑی پکڑے جب اسکول آیا کرے گا تو کیسا لگے گا۔"

"تمہارے مستقبل قریب کے مجازی خدا جیسا..."

اطمینان سے اس کی ساری بکواس سماعت فرمانے کے بعد جاذب نے خاصی متانت سے جواب دیا تو وہ ہاتھ میں پکڑا کفگیر اٹھا کر اس کے پیچھے لپکی۔

☆ ☆ ☆

آبگینے ناشتے کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی اور وہ گھر کی صفائی کے بعد اب چیزوں پر پڑی نادیدہ گرد جھاڑ رہی تھی، جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"جگنو! دیکھنا دروازے پر کون ہے۔" ابھی اس نے مزے سے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے ڈائجسٹ کا سرورق پلٹا ہی تھا کہ آبگینے کی پکار پر خاصی بدمزہ ہو کر باہر آئی۔

"جی کہیے؟" دروازے کا پٹ ہوتے ہی مقابل ایک اجنبی شخص، خاتون اور نوجوان دوشیزہ کے چہرے نمودار ہوئے۔

"لگتا ہے کڑی نے ہمیں پہچانا نہیں۔" بڑے میاں نے خواہ مخواہ میں دانتوں کی نمائش کی۔

"پہچانے گی کیسے، پہلی بار جو دیکھ رہی ہے۔" خاتون نے آگے بڑھ کر اسے جھٹ اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ وہ اس بے تکلفی کے عملی مظاہرے پر بوکھلا کر ان سے الگ ہوئی ہی تھی کہ آبگینے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اس کے پیچھے ہی تشریف لا چکی تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ گئی۔

"ارے ماموں آپ اندر آئیں نا!" آبگینے کا جوش قابل دید تھا۔ جگنو کو ذہن پر زور ڈالنے پر بھی یاد نہ آیا کہ یہ کون سے ماموں ہیں۔

"پھوپھو کہاں ہیں؟" یہ استفسار غالباً "بے بے" کے متعلق تھا۔

وہ اماں کے چچا زاد بھائی تھے اور اماں کی شادی اپنی پھوپھو کے گھر ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے وہ بے بے کے بھتیجے اور بیک وقت ابا اور اماں کے فرسٹ کزن بھی تھے۔

"وہ چچا کے گھر گئی ہیں، ابھی بلواتی ہوں، جگنو جاؤ بے بے کو بلا کر لاؤ۔" آبگینے نے بیرونی دروازے سے ہی اسے باہر دھکیلا۔

"کون آیا ہے؟" بے بے کے جاتے ہی مون اور جاذب نے اسے گھیر لیا۔

"پرانے زمانے کے مہمان آئے ہیں۔"

"ہیں، کیا مطلب؟" دونوں نے آنکھیں نکالیں۔

"بے بے کا بھتیجا، اماں اور ابا کے کزن۔" اس نے بتا کر جان چھڑائی۔

"پھر تو ہمیں بھی ملنا چاہیے، آخر ہمارا بھی ان سے وہی رشتہ بنتا ہے، جو تمہارا۔" دونوں جھٹ ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔

"ہاں ہاں چلو مون! تم ذرا آبگینے کی ہیلپ کروا دو گی۔" اور مون یہ سن کر واپس بیٹھ گئی تو اس نے روئے سخن جاذب کی جانب موڑا۔

"اور تم باہر سے سوا سلف لا دو گے۔"

"سوری۔ میرا کل ٹیسٹ ہے اور میں اس کی تیاری کر رہا ہوں۔" دوبارہ صوفے پہ نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے کتاب کھول لی۔

"ٹھیک کہا! تم لوگ نہیں آرہے، اب مہمانوں کے ساتھ آیا ایک اور پڑا۔"

"ارے آبگینے بے چاری اکیلے کیا کیا دیکھے گی۔" مون نے اس کی بات کاٹ کر فوراً سلیپر پہنے۔

"اور ظاہر ہے میرے سوا ہی کون ہو جو باہر کے کام نبٹائے گا۔ تائی اماں بھی گھر پہ نہیں ہیں، چلو اب تم لوگوں کی خاطر رات کو جاگ کر ٹیسٹ کی تیاری کر لوں گا۔" وہ ان جیسے احسانِ عظیم کرتا مون سے بھی آگے تھا۔

جگنو بمشکل خود کو سنجیدہ ظاہر کرتے اثبات میں سر ہلاتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"بے بے کے بھتیجے صاحب تو اپنے جانے کس نمبر والے بیٹے کے لیے آبگینے کا رشتہ طلب کر رہے ہیں۔" حواس باختہ سی مون نے آتے ہی تینوں کی سماعتوں پر جیسے بم پھوڑا تھا۔ جس کے اثرات سے

جاذب اور جگنو نے ہنگامی طور پر سنبھلتے ہوئے بیٹھک کی جانب دوڑ لگا دی۔

عمران کے پہنچنے سے قبل ایجاب و قبول کے مراحل طے پاچکے تھے' اب مبارک سلامت کا شور بلند تھا۔

"بے بے نے ہاں کردی' اماں سے مشورہ کیے بغیر۔" جگنو نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں' آبگینے کی دہائیاں برابر جاری تھیں۔

"جانے کون ہے' کیسا ہے' کیا کرتا ہے؟ ایسے تھوڑی ہو جاتے ہیں رشتے۔ نہ لڑکے کو دیکھا' نہ اماں سے مشورہ لیا' بس بنا سوچے سمجھے ہاں کردی ہے۔"

جبکہ مون اور جاذب کیک اور پیزے کی تلاش میں سرگرداں' جب پہلے موتی چور لڈوؤں کے ڈبے تک پہنچے تو دونوں کی شکلیں قابل دید تھیں۔

جگنو کو اپنی ہنسی روکنا محال ہوگیا۔

اماں کے آنے سے پہلے ہی بے بے نے وہی لڈو محلے بھر میں بانٹ دیے۔

لو جی کام ہی ختم۔ اماں بے چاری اپنا سر پیٹ رہ گئیں۔

"ارے میں کیا تمہاری اولاد کی دشمن ہوں جو کیا ہے اس کے بھلے کے لیے ہی کیا ہے' کس چاہ سے مانگنے آیا تھا میرا بھتیجا۔ اب کیا اسے خالی ہاتھ لوٹا دیتی۔"

"مگر بے بے نہ لڑکا دیکھا..؟"

"تصویر دیکھی ہے میں نے۔ سوہنا جوان' پڑھا لکھا' پتر ہے شاہ مراد کا۔ اور وہ کیا کہہ رہا تھا اس کا پاؤ..." وہ دماغ پر زور دے کر سوچنے لگیں' پھر یاد نہ آیا تو جگنو کو آواز دی۔

"اری او جگنو! بتا اپنی ماں کو وہ کیا نام تھا' جہاں وہ کام کرتا ہے۔"

"ہالینڈ۔" آبگینے کی خون خوار نظریں اس پہ جمی تھیں' وہ بمشکل اتنا ہی بول کر خاموش ہوگئی۔

"ہاں وہی ہالی... ل... لینڈ۔"

بے بے نے بھی لفظ کو توڑ موڑ کر جوڑ ہی لیا۔ جس پر اماں کچھ مطمئن نظر آنے لگی تھیں۔ ان کی اپنی ساری زندگی محنت مشقت کرتے گزری تھی۔ اس لیے وہ چاہتی تھیں کہ اب آبگینے اور جگنو کا رشتہ کسی اچھے کھاتے پیتے گھرانے میں ہو۔

☼ ☼ ☼

"کیسے لگے؟" آبگینے تصویر میں بری طرح سے منہمک تھی اور وہ تینوں پر اشتیاق نظریں اس پہ جمائے بیٹھے تھے' جب ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا تو...

تینوں ایک ساتھ چلائے' وہ بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھ کر رہ گئی۔

"ہوں ٹھیک ہیں۔" سرسری لہجہ۔

"کیا؟" مون کو کرارا شاک لگا۔

"اتنے غور و خوض کے بعد محض ٹھیک ہے۔" جاذب اور جگنو مطمئن نہ ہوئے تھے' مزید اصرار کیا گیا۔

"ہمایوں سعید لگتا ہے۔" وہ شرما کر بولی۔

تو تینوں نے اپنا سر تھام لیا۔ جانتے تھے وہ ہمایوں سعید کی کتنی بڑی فین ہے۔

"اس کی ایک ڈیٹ نہ کروا دیں ہمایوں سعید کے ساتھ۔" آج کل ٹی وی پہ بڑی آفرز آرہی ہیں کہ جو سب سے زیادہ ایس ایم ایس کرے گا وہ..."

"اور تمہاری مونالیزا کے ساتھ۔" جگنو جل کر بولی تو وہ سر تسلیم خم کرتا مسکرا کر بولا۔ "نائی گڈ لک۔"

☼ ☼ ☼

وہ سو رہی تھی' جب مون نے اسے ایک جھٹکے سے جھنجوڑ ڈالا۔

"کیا تکلیف ہے' کبھی تو اپنے گھر بھی ٹکا کرو۔ ہر وقت میرے سر پر مسلط رہنا ضروری ہے' لے کر ساری نیند اڑا دی۔"

"ہاں مگر نیند تو اڑ چکی ہے نا' اب سو کر کیا کرو گی۔" وہ مزے سے کہتی اس کے پہلو میں ٹک گئی۔

"جانتی ہو' رزلٹ آگیا ہے۔"

"کیا؟" اس کے انگڑائی لیتے ہاتھ ہوا میں ہی معلق

رہ گئے۔

"کب اور کہاں؟" نیند تو اب اڑی تھی۔

"آج دس بجے اور نیٹ پر۔" اس کا منہ لٹک گیا۔

"تو تم نے یہ شکل پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں' تمہیں رہ تو نہیں گئی۔"

"جگنو کی بچی!" وہ یوں اچھلی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"اچھا۔ بس بس' یہ جھگڑا بعد میں' پہلے مسئلہ بتاؤ۔" اس کے جارحانہ تیور دیکھ کر جگنو نے فوراً" ہی مصالحانہ انداز اختیار کیا۔

"کمپیوٹر کون آن کرے گا؟"

"جاذب کہاں ہے؟" وہ دوپٹہ اوڑھ کر اب سلیپر ڈھونڈ رہی تھی۔

"سو رہا ہے۔"

دونوں نے اتنی مشکل سے ذہن پر زور دے کر مونیٹر' اسپیکر' ماؤس اور کی بورڈ کی لیڈز سی پی یو میں فٹ کی تھیں اور جب آن کیا تو جلی حروف میں لکھا پاس ورڈ ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

جگنو کو اتنا غصہ آیا کہ وہ تن فن کرتی اس کے عین سر پر پہنچ گئی' وہ گہری نیند میں گم تھا' ہلکے ہلکے خراٹے کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش برپا کر رہے تھے۔

"جاذب۔" اس نے دو' تین آوازیں دیں' مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"اب کی بار اگر تم نہ اٹھے تو یہ پانی کا جگ تم پر الٹ دوں گی۔" جانتی تھی اس کی اداکاری' دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔

"کیا تکلیف ہے؟" وہی ڈکھانے والا انداز جو کچھ دیر قبل وہ مون سے برت چکی تھی' یاد آتے ہی اس کے لبوں پہ تبسم بکھر گیا۔

وہ دونوں ہی نیند کے رسیا تھے اور کچی نیند سے اٹھائے جانے پر دونوں کا موڈ خوب آف رہتا تھا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہاری اس سڑی ہوئی شکل پر فضول سی مسکراہٹ ملاحظہ کرنے کا۔ جا کر یہ پریکٹس آئینے کے سامنے کرو۔ شاید وہ تمہیں برداشت

کر پائے گے۔" چلاہٹ سے کہتا وہ دوبارہ چادر میں گھس گیا۔

اور جگنو نے اس گستاخی پر سلگتے ہوئے نہ صرف پانی سے بھرا جگ اس پر انڈیلا بلکہ ساتھ ہی اس کی گردن بھی دبوچ لی۔

"اب بکو کیا پاس ورڈ ہے؟"

"جگ... جگ... جگنو!" اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ اٹک اٹک کر وہ بمشکل بول پایا مگر اس نے ذرا لحاظ نہ کیا تھا۔

"میں نے پاس ورڈ پوچھا ہے۔" وہ چلائی۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب۔" چچی کی انٹری پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی' جاذب پر مصنوعی کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا۔

"امی! ہمارا رزلٹ آیا ہے اور یہ پاس ورڈ نہیں بتا رہا۔" مون ابھی ابھی اندر آئی تھی۔

"بتایا تو تھا جگنو!" اس نے کھانستے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

"کیا بتایا تھا۔" وہ اس کی دروغ گوئی پر تلملا اٹھی۔

"کتنی بار کہا ہے جگنو... جگنو تمہیں سمجھ نہیں آتا۔"

"میرا نام کیوں لیے جا رہے ہو؟" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"تمہارا نام ہی پاس ورڈ ہے احمق لڑکی!" اب کی بار وہ اپنی ہنسی ضبط نہیں کر پایا تھا' چچی جان بھی مسکرانے لگیں۔

"تم نے میرے نام پر پاس ورڈ کیوں رکھا ہے؟" نیا اعتراض۔

"میں نے تمہارے نام پر نہیں' بلکہ جس کے نام پر تمہارا نام ہے نا اس کے نام پر پاس ورڈ رکھا ہے بھئی۔"

"جگنو! ہم پاس ہو گئے ہیں۔" مون نے درمیان میں آ کر خوشخبری سنائی' تو وہ بھی اس کی فضول گوئی کو نظر انداز کرتے ہوئے خوش ہو گئی۔

"اب ہم ہاسٹل جائیں گے۔" اس نے اعلان کر دیا تھا مگر اماں نے سنتے ہی انکار کر دیا۔

"میں تمہارے ہاسٹل کے اخراجات پورے نہیں کر سکتی' جتنا پڑھ لیا ہے بس کافی ہے' اب گھرداری سنبھالو اور سلائی کڑھائی سیکھو۔"

"بھابھی! مون بھی تو جا رہی ہے' پھر جگنو کیوں نہیں؟" چچا نے سنا تو حمایت کرنے چلے آئے' وہ خود تو پڑھ نہیں سکے تھے' مگر انہیں شوق تھا کہ ان کے بچے اعلا تعلیم یافتہ کہلائیں اور اس کے لیے وہ دن رات محنت کر رہے تھے۔ اب تو ان کا کاروبار بھی پہلے سے بہتر تھا۔ پھر مون اور جاذب نے بھی اس سلسلے میں انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔

"آپ تو جانتے ہیں بھائی صاحب! اتنی مہنگائی ہے' ایسے میں..." گویا کہ اماں کو اس کے مزید پڑھنے پر اعتراض نہیں تھا۔

"یہ بھی میری ہی بیٹی ہے' آپ اس کے تعلیمی اخراجات کی فکر نہ کریں۔"

چچا نے محبت سے اسے ساتھ لپٹا لیا۔ اب انکار کی گنجائش کہاں تھی۔ اماں نے اجازت دے دی اور پھر وہ اور مون ہفتے بعد شہر چلی آئی تھیں۔

شہری رونقیں' رنگ نئے' وہ سال تو جیسے پلک جھپکتے میں گزر گئے تھے اور آج جہاں گاؤں واپس لوٹنے کی خوشی تھی' وہاں دوستوں سے دائمی جدائی کا احساس دل کو افسردہ کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لو جی یہاں تو کوئی کوچوان ہی نہیں ہے۔" مون کو گہری مایوسی ہوئی' دونوں اس وقت بس سے اتر کر پلیے پہ کھڑی تھیں' دور ان کا گاؤں نظر آ رہا تھا' مگر پیدل مارچ کرنے کے خیال سے ہی وہ ہمت ہار کر بیٹھ گئی۔

"شام کے سائے ڈھل چکے ہیں ڈیئر! یہ ستانے کا وقت نہیں ہے' مہربانی فرما کر رخت سفر باندھ لیں۔" وہ اپنا بیگ کاندھے پر لٹکا کر آگے بڑھی' ناچار مون کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔

جگنو نے مڑ کر معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر سلپ ہو گئی' مون کی دہائیاں عروج پر تھیں' وہ مزے سے ہنستی رہی۔

"یہ کیا بچوں جیسی حرکت ہے۔" ریت اور گرد و غبار سے اٹے ہاتھ پاؤں اور کپڑے جھاڑتے ہوئے وہ اس پر برسی۔

"مزہ آیا ہے نا ایک بار پھر سلائیڈ لیں۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

"دفع دور۔" وہ خفا ہو کر آگے آگے چلنے لگی۔ جگنو نے اسے منانا ضروری نہ سمجھا۔ جب دونوں گھر پہنچیں تو شام کا اندھیرا چھا چکا تھا۔

"اب آئی ہو شام ڈھلے۔" آبگینے کے لہجے میں تشویش کا رنگ غالب تھا۔ جگنو اپنے پاؤں دھونے لگی۔

"میں صبح سے انتظار کر رہی تھی۔"

"یہ ہم تھے شہریز بھائی تو نہیں جو اتنی بے تابی سے آپ دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھی تھیں۔" جگنو نے الٹا مذاق اڑایا۔

"تمہاری پسند کا میٹھا بنا ہے' ساتھ پودینے کی چٹنی کا رائتہ۔" وہ برا مانے بغیر بولی تو مون نے بھی اپنا بیگ اتار کر ہاتھ منہ دھو لیا' یہ ڈش اس کی بھی فیورٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کب لیا تھا؟" وہ دونوں کھانے کے بعد چھت پر آئیں تو آبگینے کے ہاتھ میں سیل فون دیکھ کر چونکی۔

"انہوں نے بھجوایا ہے۔" وہ سرسری سا بتا کر ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

"اوہ!" دونوں کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے انہوں نے ہمارے بعد خوب دل لگا رکھا تھا۔"

"ہاں' مگر آج کل ذرا ہماری ناراضی چل رہی ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"کیوں؟" جگنو نے ابرو اچکا کر استفسار کیا۔

"وہ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔" اس کا لہجہ پست سا تھا۔

"دیکھ تو رکھا ہے تصویروں میں۔" مون نے حیرت سے یاد دلایا۔

"اور یہ اسے دو سال بعد دیکھنے کا کیا جنون چڑھا ہے' اسے کہو واپس آ کر چار دنوں میں قبول کرے اور پھر چاہے عمر بھر دیکھتا رہے' ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" وہ غصے سے بولی' اس کا غصہ جائز بھی تھا' دو سال سے منگنی کا چھلا پہنا کر لٹکا رکھا تھا' نہ واپس آ رہا تھا' نہ شادی ہو رہی تھی' استفسار پر محض تاریخیں سننے کو ملتی تھیں۔

"ویسے نیٹ پر تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہو۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد مون نے اپنے نادر خیالات کا اظہار کیا۔

"وہ تو مجھے بھی پتا ہے' مگر نیٹ مجھے کہاں یوز کرنا آتا ہے۔" تو یہ تھا اصل مسئلہ۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ یہ اپنی جگنو ہے نا! دوسروں کے کمپیوٹر پر جھگڑے لے کر اچھی خاصی ایکسپرٹ ہو چکی ہے۔" مون نے اس کی آدھی ٹینشن ختم کر دی تھی' وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو کر شہریز کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"مجھے تو کچھ دال میں کالا لگتا ہے۔" سیڑھیاں اترتے ہوئے جگنو نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"او ہو' بس زیادہ ڈیٹکٹو بننے کی ضرورت نہیں' تم اپنے قیاس کے گھوڑوں کو اپنے دماغ میں ہی باندھ کر رکھو' دونوں کی اتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے' دل کر رہا ہو گا بے چارے کا دیکھنے کو۔" مون نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"تو آئے اور شادی کر کے لے جائے۔ ہم نے کون سا پہرے بٹھا رکھے ہیں۔"

"باہر کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔ آ جائے گا۔" وہ اسے تسلی دیتی اپنے گھر چلی گئی۔ جگنو سر جھٹک کر بے بے کی طرف چل دی۔

☼ ☼ ☼

"ایک ایک فارم کافی ہوگا۔" وہ جانے سے پہلے پوچھنے آیا۔

"ایک نہیں دس' دس فارم لے کر آؤ ہمارے گاؤں اور آس پاس کے قریبی گاؤں میں جتنے بھی اسکول ہیں ہم نے سب میں اپلائی کرنا ہے' کہیں تو قسمت جاگے گی۔"

"اور قسمت اگر جاگ گئی انڈیا کے بارڈر پر تو؟" وہ مزے سے ہنسا۔

"دیکھو' تم پہلے ہی سے ہر کام پر نظر نہ لگایا کرو۔" گورنمنٹ ٹیچرز کی ویکنسی آئی تھی اور گاؤں کی لڑکیوں کے لیے اسپیشل آفر تھی کہ میٹرک اور ایف اے پاس بھی اپلائی کر سکتی ہیں۔ اس لیے دونوں پُرجوش ہو رہی تھیں اور جاذب نے الگ زچ کر رکھا تھا۔

"تمہیں بھی ہر کام کے لیے میں ہی نظر آتا ہوں۔" وہ چڑانے کو بولا۔

"ہاں اور ہو سکے تو دس فارم اپنے بھی لیتے آنا۔" وہاں آج مکمل اطمینان تھا۔

"یہ شعبہ تمہیں ہی مبارک ہو۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ فارم جمع کروانے اور انٹرویو دینے کے دو ماہ بعد لسٹیں لگی تھیں۔ وہ ان میں اپنا نام دیکھ کر بے پناہ خوش ہوئیں مگر اسکول اور گاؤں کا نام دیکھ کر سارا جوش و خروش جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔

وہ گاؤں ان کی رہائش سے سو کلو میٹر دور تھا اور وہاں تک کوئی سواری بھی نہیں جاتی تھی' وہ آتے ہی جاذب پر چڑھ دوڑی۔

حسب توقع وہ چادر میں منہ چھپائے اونگھ رہا تھا' جگنو نے ایک جھٹکے سے اس پر سے چادر ہٹائی' تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کس نے کہا تھا تم سے کہ تم فارم پر اس گاؤں کا نام لکھو۔"

"تو دس فارم میں سے کیا آخری فارم پر اپنا نام لکھتا۔" اسے بھی غصہ آ گیا۔

"اچھا بھلا جاذب نے کہا بھی تھا کہ بس آس پاس کے اسکولوں میں اپلائی کرلو' تمہیں ہی شوق تھا دس فارم جمع کروانے کا' اب کرو اس جنگل میں جا کر جوائن' میں تو باز آئی ایسی خدمت خلق سے۔"

مون کا ملال ہی کم نہیں ہو رہا تھا' پہلی بار اس نے جاذب کے مقابلے میں جگنو کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔

"تم دونوں ہی بدتمیز اور فارغ العقل قسم کے لوگ ہو۔" وہ پاؤں پٹختی ہوئی واپس چلی آ گئی۔

"اپنا قصور تو کبھی نہیں ماننے کی۔" جاذب کی آواز نے مین گیٹ تک اس کا تعاقب کیا۔

☼ ☼ ☼

آج دونوں ای ڈی او کے آفس ریزائن کرنے آئی تھیں۔ ویٹنگ ہال میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی لڑکیاں تھیں۔

گھنٹہ بھر بعد کہیں جا کر ان کا نمبر آیا۔

"کتنا شاندار آفس ہے۔" باغیچوں کے وسط میں بنا وہ آفس واقعی لاجواب تھا۔ مون خاصی مرعوب نظر آ رہی تھی' جگنو کے چہرے پر البتہ بے زار کن تاثرات تھے۔

اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ ریزائن کرے مگر اتنی دور وہ جوائن بھی تو نہیں کر سکتی تھیں

گلاس ڈور دھکیلتے ہوئے دونوں آگے پیچھے ایئر کنڈیشنڈ روم میں داخل ہوئیں اور سامنے اس شخص کو براجمان دیکھ کر جگنو تو پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

"جی فرمایئے۔" وہ پہلے جگنو سے ہی مخاطب ہوا۔

"ہمیں آپ سے کچھ نہیں فرمانا۔ آپ ہماری ڈائریکٹ ای ڈی او صاحب سے بات کروائیں۔" جواب اس کے بجائے مون نے دیا تھا۔

مقابل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"تو آپ کو ای ڈی او صاحب سے ملنا ہے؟" وہ دونوں کہنیاں ٹیبل پر جما کر مون کی جانب متوجہ ہوا۔ جگنو اس کا جائزہ لینے میں مگن تھی۔ بلیک تو پیس میں وہ کس قدر وجیہہ لگ رہا تھا' اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا

سرمئی تھا' جس پر لمبی گھنیری پلکیں سایہ فگن تھیں' وہ پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی' وہ کوئی شہزادہ تھا یا۔۔۔

"جی میں نے فارسی میں نہیں کہا تھا۔" مون کی بدتمیزی پر وہ اپنے دھیان سے چونکی' مقابل کی فراخ پیشانی پر خفیف سی شکن ابھری تھی اور اگلے ہی پل وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"محترمہ' میں ہی ای ڈی او ہوں۔"

مون نے اس انکشاف پر قدرے بوکھلا کر پھر سے اسے دیکھا' اصل میں اس کے ذہن میں ای ڈی او کا یہ ہی تصور تھا کہ وہ کوئی خوب ایجڈ سا شخص ہو گا۔

"جی ہمیں ریزائن کرنا تھا۔" اب کی بار اس نے کچھ سنبھل کر شائستگی سے اپنا مدعا بیان کیا۔

"کیوں؟" پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اس کی سوالیہ نظریں دونوں کی جانب اٹھیں۔

"وہ اسکول بہت دور ہے۔" مون نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"تو آپ کو پہلے نہیں پتا تھا۔" اب کی بار اس کے ابرو تن گئے۔

"جی در اصل حال ہی میں پیکنگ کروائی ہے۔" وہ نوکری لینے نہیں لوٹانے آئی تھی' پھر بھلا لحاظ کیوں کرتی۔

اس نے لب بھینچتے ہوئے دونوں کا استعفیٰ قبول کرلیا اور جانے کی اجازت دے دی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں تمیز نہیں ہے بات کرنے کی۔" آفس سے نکلتے ہی جگنو اس کے سر ہو گئی۔

"ہاں مجھے تمیز نہیں ہے اور اخلاقیات تو اس پر ختم تھیں' ایک وہی اسکول اسے نظر آیا تھا' باقی کے نائن فارمز کیا ہوئے؟" وہ تپ کر رہ گئی۔

دونوں کچھ دیر تو منہ پھلائے چلتی رہیں' پھر بس میں بیٹھنے تک صلح ہو چکی تھی۔

"آئیڈیا۔" جگنو نے ایک دم سے چٹکی بجائی اور پھر بس سے اتر کر مٹھائی لینے لگی' مون کو لگا اس کا دماغ چل گیا ہے۔

"یہ کیوں لائی ہو؟" اپنی حیرت پہ قابو پاتی وہ بمشکل استفسار کر پائی۔

"گھر جا کر ہم نے سب کو یہ ہی بتانا ہے کہ ہمیں اپنے گاؤں والے گورنمنٹ اسکول میں ٹرانسفر کر دیا گیا ہے۔"

"کیا؟" مون نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"اور جو لڑکیاں اس اسکول میں تعینات ہوئی ہیں وہ آ گئیں تو کیا ہو گا؟"

"دو ماہ سے تو نہیں آئیں۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اور مہینے کے آخر میں گھر والوں سے کیا کہنا ہے؟" اس کا اشارہ تنخواہ کی جانب تھا۔

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔ فی الحال تم اپنا منہ بند رکھنا۔" اور پھر گھر بھر میں کیا پورے گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی' ہر کوئی مبارک باد دینے چلا آ رہا تھا۔

انہوں نے سب کی مٹھائی اور چائے سے تواضع کی تھی۔

جاذب کا دل تو بہت چاہا کہ اس کے جھوٹ کا پول کھول دے' مگر وہ ہرگز اس پوزیشن میں نہیں تھا' سو خاموشی میں ہی عافیت جانی۔

☼ ☼ ☼

آج اسکول میں پہلا دن تھا' بچے درختوں کی چھاؤں میں ٹاٹ پر بیٹھے اپنے بھاری بھر کم بستے سنبھالے ان کے ہی منتظر تھے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول بالکل آمنے سامنے تھا' دونوں کے درمیان بارہ فٹ چوڑی سڑک تھی۔ دونوں اسکولوں میں اسٹاف روم کے نام پر محض ایک کمرہ تھا۔ اور سامنے کھلے گراؤنڈ میں خوب گھنے درخت تھے۔ جن کی چھاؤں میں کلاس لگا کرتی تھی۔ باؤنڈری وال کے نام پر تاروں کی دیواریں تان کر اسکول کی حدود کو

محصور کیا گیا تھا۔ جگنو نے لڑکوں کو بھی آواز دے کر گرلز اسکول میں بلوا لیا جو لڑکیوں کی دیکھا دیکھی اپنے بیگ اٹھا کر شوق میں چلے آئے تھے۔

دونوں نے ایک ایک درخت کے نیچے بوائز اور گرلز کو ترتیب سے بٹھا دیا۔ چپڑاسی اسٹاف روم سے دونوں کے لیے کرسی لے آیا۔

"استانی جی!" چھ سال کے ایک بچے نے اسے آواز دی تو مون نے زیر لب مسکراتے ہوئے جگنو کو دیکھا۔

"دیکھو سب بچے مجھے "استانی جی" نہیں "جگنو" کہہ کر بلائیں گے۔"

"ہا... ہا... آپ کوئی جگنو ہو۔" سب بچے خوب کھی کھی کر کے ہنسنے لگے۔ وہ ان کے خاموش ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر ریپیٹ کر بولی۔

"ہوکے "استانی جی نہیں ٹیچر!"

"ٹیچر۔" سب بچوں نے با آواز بلند کورس کے انداز میں کہا۔ مون کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ صبر کے گھونٹ پی کر قدرے نرم خوئی سے بولی۔

"آپ کو یہ سب کس نے سکھایا ہے؟" وہ سمجھ رہی تھی بچے یہ سب خود سے نہیں کہہ سکتے سب کی تو وہ "جگنو باجی" تھی۔ اتنے میں جاذب اس کی پشت کی جانب سے برآمد ہوا۔

"گڈ مارننگ ٹیچر! کیا میں بھی آپ کی کلاس میں بیٹھ سکتا ہوں؟" سب بچے پھر سے کھی کھی کر کے ہنسنے لگے۔

"میں ابھی چچا سے جا کر تمہاری شکایت کرتی ہوں۔ اور سنو! یہ تم سب کا ماسٹر جی ہے۔" بچوں کو اس سے متعارف کروانے کے بعد وہ تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی۔ وہ لپک کر اس کے سامنے آیا۔

"ارے سنو تو جگنو! یار میں تو مذاق کر رہا تھا' اچھا بابا آئی ایم سوری۔" اس نے جھٹ سے اس کے دونوں کان پکڑ لیے۔

وہ کچھ دیر تو کھڑی اسے گھورتی رہی' پھر اس کی مسکین صورت پر ترس کھاتے ہوئے واپس پلٹ آئی۔

"اچھا۔ میں جتنے دن فری ہوں مجھے بھی اپنے اسکول میں جاب دے دیں' خود ساختہ پرنسپل صاحبہ!" وہ اپنے لمبے قد کی وجہ سے ایئر فورس جوائن نہیں کر سکا تھا اور آج کل ایم ایس سی ایگزام کے بعد رزلٹ کے انتظار میں بالکل فارغ تھا۔

"میں جاؤں چچا کے پاس؟" اس نے گویا دھمکی دی۔

"یار! آئی ایم سیریس۔ میں بہت بور ہو رہا ہوں اور تم تو جانتی ہو تمہارے بغیر میرا دل بھی نہیں لگتا۔" اس کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

"یہ ڈائیلاگ اپنی اس چڑیل کے لیے سنبھال رکھو جو تم جیسے گھامڑ کے پلے بندھنے والی ہے۔"

"مشال تم ہمیشہ غلط دیتی ہو' لیکن پہلی بار تم نے خود کو اپنے اصلی نام سے پکارا ہے۔ چڑیل... واؤ سو رومانٹک۔" وہ خاصا محظوظ ہوا۔

☆ ☆ ☆

"کیسا رہا آج اسکول میں پہلا دن؟" وہ دونوں شام کے بعد چھت پر واک کرنے آئی تھیں جب آبگینے نے جگنو سے استفسار کیا۔

"اچھا رہا۔ تم مجھے کچھ دنوں سے بہت بے چین اور الجھی ہوئی کھوئی کھوئی سی لگ رہی ہو' کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو؟" وہ اپنا موضوع گول کرتے ہوئے رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔

"میں ویٹ کر رہی ہوں۔" جگنو منڈیر پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"میں نوٹ کر رہی ہوں' وہ مجھے کچھ دنوں سے بہت اگنور کرنے لگے ہیں۔"

"کتنے دنوں سے؟" جگنو کی نظریں آسمان کی نیلی چنری پہ سجے ٹمٹماتے روشن ستاروں پر تھیں۔

"یہی کوئی دو' چار ہفتوں سے۔" اس کی آنکھوں

میں نمی تیرنے لگی لہجہ رندھ گیا۔

"اگنور سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"نہ میری کال ریسیو کرتے ہیں نہ خود سے کبھی..." باقی کے الفاظ آنسوؤں میں گھل کر بہہ گئے۔ جگنو نے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے لیا اور شہریز کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ساتویں بار ٹرائی کرنے پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"کیوں جی شہریز بھائی! کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ۔ کیوں ہماری آپی کو پریشان کر رکھا ہے۔" وہ بغیر سلام دعا کے شروع ہو چکی تھی۔

"جگنو! تم اپنی آپی سے کہو کہ وہ مجھے بھول جائیں' میں نہ تو پاکستان آ سکتا ہوں' نہ اس سے شادی کر سکتا ہوں۔"

برف کی سل کی مانند سرد' سپاٹ لہجہ جگنو کو اپنی جگہ منجمد کر گیا تھا۔ آبگینے بھی اس کا جواب سن چکی تھی۔

"وجہ بتانے کی زحمت کر سکتے ہیں؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

"میں نے کسی فیشنلی کے لیے شادی کی تھی اور میرے کاغذوں میں مسئلہ ہو گیا ہے۔ سوری میں بہت مجبور ہوں۔"

ٹوں... ٹوں... کی آواز کے ساتھ رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ ابھی تین روز پہلے اس کے گھر والے شادی کی ڈیٹ فکس کر کے گئے تھے' دونوں جانب تیاریاں عروج پر تھیں۔ اور یہ انکار... اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ اماں اور ابے بے کو پتا چلا تو وہ الگ پریشان ہو گئیں۔ مامی اور ماما نے تو آکر دو' چار جملوں میں معذرت کر لی تھیں۔ مگر ان کے گھر کی فضا کتنے ہی دن مکدر اور سوگوار رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ بیٹھی آبگینے کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔ جب بلیک لینڈ کروزر اسکول کے داخلی دروازے پر آکر رکی۔ باوردی ڈرائیور نے باہر نکل کر دروازہ کھولا تھا۔ ای ڈی او صاحب اپنی ازلی شان و شوکت کے ہمراہ برآمد ہوئے۔ وہ اسکول کے معائنے کے لیے آئے تھے۔

جگنو اک خواب نما کیفیت میں اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھے جا رہی تھی۔

"کیسا چل رہا ہے اسکول؟" اس کی محویت پر وہ اچھا خاصا کھنکار کر گویا ہوا۔

"اچھا چل رہا ہے۔" اس کے لب دھیرے سے ہلے' محویت پھر بھی نہ ٹوٹی۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟" دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ گرد و پیش کا جائزہ لیتا کتنا ہینڈسم اور دلکش لگ رہا تھا۔

"کوئی ایک مسئلہ ہو تو بتائیں' اسکول کی عمارت' فرنیچر..."

"آپ کو جاب تو بہت دور دراز کے گاؤں میں ملی تھی اور جہاں تک مجھے یاد ہے آپ میرے آفس ریزائن کرنے آئی تھیں۔" مون کی بات کاٹ کر وہ جیسے چونک کر سوچتے ہوئے بولا۔

"تو... لگتا ہے یادداشت کے خانے میں کمپیوٹر کی میموری فٹ کروا رکھی ہے۔" یہ جگنو کے کان میں گھسی تھی۔

"میں سنتا بھی ہوں۔" وہ خوامخواہ ہی مسکرایا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ بولتے بھی ہیں' اب فرمایئے' ہمارے لیے کیا حکم ہے۔" مون نے اب کی بار عاجزی دکھائی۔

"یہ آئیڈیا کس کا تھا؟" اب کی بار اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا تو مون نے شرافت سے جگنو کی جانب اشارہ کر دیا۔

"مس... غالباً" وہ نام جاننا چاہ رہا تھا۔

"جگنو۔" وہ اس کی شخصیت کے مقناطیسی سحر سے نکلتے ہوئے مکمل اعتماد سے بولی۔

"جی تو مس جگنو! آئی ایم پراؤڈ آف یو۔ آپ جیسے بے غرض اور اپنے پروفیشن کے ساتھ اس قدر مخلص لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ آج سے یہ اسکول آپ کا ہوا اور میں اس میں ساری فیسی لیٹیز مہیا کرنے کی پوری کوشش کروں گا اور مس منیرہ" اس نے رخ سخن

اس کی جانب مڑا۔ "آپ کا جذبہ بھی قابل ستائش ہے۔" اس کا انداز ستائش سے بھرپور تھا۔

"تھینک یو سر!" دونوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔" وہ ای ڈی او کے جانے کے بعد جگنو سے لپٹ گئی۔

"دیکھا کتنے اچھے ہیں وہ اور تم اتنی بدتمیزی سے بات کرتی ہو۔"

"بدتمیزی نہیں ڈیئر! حاضر جوابی۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔

☆ ☆ ☆

آج اسکول سے چھٹی کا دن تھا۔ وہ خوب جی بھر کے سونا چاہتی تھی لیکن اماں نے صبح صبح گھر کی صفائی ستھرائی پر لگا دیا تھا۔ آبگینے کو آج کچھ لوگ دیکھنے آرہے تھے۔ اماں پہلے جا کر لڑکا دیکھ آئی تھیں اور بقول اماں کے لڑکا خوبرو، ویل ایجوکیٹڈ، بنگلہ، گاڑی اور اعلا عہدے کا مالک تھا۔

گویا اختری بوا نے وہ گوہر نایاب ڈھونڈ ہی نکالا تھا۔ آبگینے تو اس آئے دن کی پریڈ سے خوب عاجز آچکی تھی۔

اماں کو اس نے دیکھا۔ وہ آج صبح سے خوب لمبی سی تسبیح لیے بیٹھی تھیں کہ آبگینے انہیں پسند آجائے۔

کچھ دیر میں مہمان آئے اور چلے بھی گئے۔ اختری بوا انہیں باہر مین روڈ تک چھوڑنے کے بعد منہ لٹکائے واپس آگئی تھیں۔

"کیا کہا ان لوگوں نے؟" اماں نے بے تابی سے پوچھا۔ اور اختری بوا کے انکشاف پر وہ اپنی جگہ سے اچھل کر رہ گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی کوئی بات ہوگی۔

"رابعہ بہن! انہیں جگنو پسند آئی ہے اور وہ اس کے لیے بے حد اصرار کر رہے ہیں۔"

اماں نے پُرسوچ نظروں سے جگنو کو دیکھا اور بنا سوچے سمجھے ہاں کر دی۔

"ٹھیک ہے بوا! تم ان کو ہاں کہلوا دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

اختری بوا کی تو مانو چاندی ہوگئی تھی، پژمردہ سے چہرے پر سرخیاں دوڑنے لگیں۔

"ارے میں تو کہتی ہوں رابعہ بہن! اس سے اچھا رشتہ تمہیں جگنو کے لیے مل ہی نہیں سکتا۔"

"مگر اماں! میں..." حیرت کے باعث ابھی تک اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اماں کو اس کی یہ بے وقت کی مداخلت بری طرح سے کھلی تھی پل میں تاڑ کر رکھ دیا۔

"تم سے پوچھ کر نہیں کرنی مجھے تمہاری شادی۔"

"اماں! میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔" وہ روہانسی ہو کر رہ گئی۔ اس کا اور مون کا بی ایڈ کمپلیٹ ہو چکا تھا اور آج کل وہ دونوں ایم اے انگلش کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

"بہت ہو چکیں پڑھائیاں۔ اب اگلے گھر جانے کی تیاری کرو، ایک کی تو عمر نکل گئی ہے اب کیا تمہیں بھی گھر بٹھا کر بوڑھا کر دوں۔" اماں نے اب اس کی ایک نہیں سننا تھی وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

جگنو کی آئے گی بارات
رنگیلی ہوگی رات
مگن میں ناچوں گی

مون خوب تالیاں پیٹ پیٹ کر گا رہی تھی اور جاذب چنری اوڑھے ناچ رہا تھا۔ دونوں کی شوخیاں عروج پر تھیں۔

جگنو کو ان کی بے حسی پر اس قدر طیش آیا کہ اپنی بے بسی پر آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"ارے ارے یار! یہ کیا...؟" دونوں فوراً اس کی جانب لپکے وہ مزید زور و شور سے رونے لگی۔

مون نے اس کے آنسو صاف کرنے چاہے تو جاذب نے ٹوک دیا۔

"رو لینے دو یار! اسے، یہ تو شگن کے آنسو ہیں۔"

جگنو نے پاس رکھا گلاس خوب تاک کر نشانہ لگایا، مگر وہ اس کے لیے پہلے سے ہی تیار تھا سو وہ فاع ہو گیا، البتہ گلاس ٹوٹ گیا تھا۔

"میں اپنا گاؤں اور اسکول چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

تو دکھ محض یہ تھا اور ہونا بھی کیوں نا! حال ہی میں دونوں اسکولوں کی عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ رنگ و روغن کے بعد فرنیچر سیٹ کیا گیا تھا۔ اس نے کتنے شوق سے گراؤنڈ میں کیاریاں بنا کر پھول لگائے تھے۔

"شادی کے بعد تو تمہیں گاؤں چھوڑنا ہی تھا، آج نہیں تو کل۔" اب کی بار اس نے قدرے رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیوں چھوڑنا تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ تم سے شادی کروں گی۔" اس نے تڑخ کر اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ مون کی تو ہنسی نکل گئی اور جاذب نے بے ساختہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے تو نے بچالیا۔"

"جاذب" وہ چلائی۔

"دیکھو یہ اقرار محبت پہلے کیا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ دو دن بعد تمہاری شادی ہے۔" اس کا مصنوعی ملال میں ڈوبا لہجہ جگنو کو سلگا گیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور اقرار محبت کرتی ہے میری جوتی۔ وہ تو میں نے اسکول کے لیے..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر سے رونے لگی۔

"اچھا دیکھو۔ تم اسکول کی فکر نہ کرو، میں اور مون ہیں نا!"

"وعدہ کرو کہ تم اسکول میں جاب کرو گے۔" جگنو نے فوراً ہاتھ آگے بڑھایا، جسے جاذب نے تھام کر گویا تصدیق کی مہر لگا دی۔

"ہائے اللہ جاذب! تم کتنے اچھے ہو۔" خوشگوار کھنکتا ہوا سا لہجہ دونوں کو چونکا گیا، وہ اس کی کچھ دیر قبل کی جانے والی پر فارمنس پر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا جب اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہ فوراً بولی۔

"دیکھو اب تم مکر نہیں سکتے۔ تم وعدہ کر چکے ہو۔" اور وہ واقعی مکر نہ سکا۔

☆ ☆ ☆

مہندی کا فنکشن رات دو بجے تک چلا تھا۔ رات اپنے تیسرے پہر میں ڈھل رہی تھی، جب وہ اپنے اور آبگینے کے مشترکہ بیڈ روم میں آگئی۔

آبگینے چینج کرنے کے بعد سو چکی تھی، جبکہ اتنی تھکاوٹ اور نیند کے غلبے کے باوجود اس کا سونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

مستقبل کا خوف اور خدشے دامن گیر تھے۔

"اس نے ایک بار بھی مجھے دیکھنے یا بات کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں اتنا فرق ہے، اس نے کوئی اعتراض تو کیا ہوگا۔ اب جانے وہ کون ہے، کیسا ہے، اور پھر مجھ جیسی عام شکل و صورت والی ایک غریب گھرانے کی لڑکی سے شادی...؟"

اسے یہ سعادت مندی ہضم نہیں ہو رہی تھی، رات بھر یہ سوال مختلف شکلوں میں روپ بدل بدل کر اسے ڈراتے رہے، یہاں تک کے کاغذوں پر سائن کرنے کا لمحہ آگیا۔

مولوی صاحب کے استفسار پر اس نے اماں کی جانب دیکھا۔ تو اماں نے اثبات میں سر ہلانے کا عندیہ دیا۔

ایجاب و قبول کے مراحل طے ہوئے تو عارفین ہمدانی کا نام اس کی دھڑکنوں میں گونجنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

سیاہ لینڈ کروزر سے اتر کر اس نے دیکھا، سامنے وسیع رقبے پر پھیلا وہ محل نما گھر روشنیوں میں بھیگا ہوا تھا۔ بجری کی سرخ روش جس کے دونوں جانب سرسبز و شاداب لان تھے، گلاب کے پھولوں سے بھری ہوئی تھی۔

لاؤنج میں لے جا کر اسے آرام دہ صوفے پر بٹھا دیا گیا۔

"اماں بی! مہرین کہاں ہے؟" عقب سے ابھرتی گمبھیر آواز اسے کچھ شناسا سی لگی تھی۔

"اوپر کمرے میں۔" اماں بی نے مختصر جواب دیا۔

جگنو، مہرین کے متعلق سوچنے لگی۔ "کون ہو سکتی ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا۔

"جلد آجانا' میں دلہن کو کمرے میں بھجوا رہی ہوں۔" اماں بی کا لہجہ تحکمیہ تھا' وہ سر اثبات میں ہلا کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

ملازمہ اپنی ہمراہی میں اسے اس کے بیڈ روم میں پہنچا آئی تھی۔

گلاب اور موتیے کی دلفریب خوشبو سے پورا کمرہ مہک رہا تھا' کمرے کی آرائش و زیبائش قابل دید تھی۔ وہ اسے ہی وقت گزاری کے لیے ہر ایک چیز کا جائزہ لینے لگی۔

انتظار کے کچھ پل مزید سمٹے مگر دروازے پر کوئی آہٹ نہ ہوئی۔ اس نے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

چند لمحوں میں اسے اپنے چہرے پر کسی کی پرتپش نظروں کا احساس ہوا' تو اس نے دھیرے سے پلکیں اٹھائیں اور پھر ہمیشہ کی طرح چھپکنا بھول گئی۔ وہ مدھم لہجے میں سلام کر کے اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

اک خواب جو اس نے اپنی آنکھوں کو سجانے کی کبھی اجازت نہیں دی تھی' اک احساس جو دل میں اترنے نہیں دیا تھا' اک دعا جو ہر بار لبوں تک آکر واپس لوٹ جاتی تھی۔

آج مجسم بن کر اس کے پہلو میں براجمان تھی اور وہ خود یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولتی ہوئی اعتبار کرنے میں ہلکان۔

مقابل بیٹھا شخص بھی کچھ ششدر سا تھا۔

"آپ تو جگنو ہیں؟"

"میں جگنو نہیں ہوں' میرا نام جگنو ہے۔" وہ حیرت کے سمندر سے ابھری اب اس کی بے یقینی والی کیفیت پر اچھی خاصی محظوظ ہو رہی تھی۔

"مگر نکاح تو علیز ے فضل الرحمان سے ہوا تھا؟"

وہ کچھ الجھ کر گویا ہوا۔

"ہاں تو میں ہی علیزے فضل الرحمان ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"کاش مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں کبھی آپ سے شادی نہ کرتا۔" اس کا ملال میں ڈوبا لہجہ جگنو کے تمام تر خوابوں کا محل زمیں بوس کرتا چلا گیا' وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ آپ کا تحفہ!" جیب سے ایک مخملیں ڈبیہ نکال کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور خود اٹھ کر چلا گیا۔ وہ اپنی حسرتوں کی سیج پر اکیلی بیٹھی رات بھر سلگتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"کیسا لگا سرپرائز؟" اگلی صبح چہکتی ہوئی موں اس کے سامنے تھی۔

"قسم سے یار! جب میں نے دولہا بھائی کا چہرہ دیکھا' میں تو ششدر ہی رہ گئی' دل میں آیا کہ تمہیں یہ خوشخبری سناؤں' مگر پھر سوچا حجلہ عروسی میں جگنو کے اڑتے اڑے حواس اور دولہا بھائی کا اظہار محبت' واؤ کیا رومانٹک سین ہو گا۔" وہ بام تصور میں جھانک کر خود ہی مسکرائی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ' کہیں مارے خوشی کے بے ہوش تو نہیں ہو گئی تھیں؟" جگنو کے پہلو میں ٹکتے ہوئے اس نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیا۔

"چلو ناشتا کرتے ہیں۔" جگنو نے دانستہ اس کی توجہ لوازمات کی جانب مبذول کروائی۔

"نہیں یار! جاذب باہر کھڑا ہے' اب ولیمہ کی تقریب پر ہی ملاقات ہو گی۔" وہ اس سے گلے ملتے ہوئے الوداعی کلمات کہتی چلی گئی۔

جگنو دونوں گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے کمرے کے در و دیوار کو تکتی رہی۔ ناشتے کے لوازمات ویسے ہی رکھے تھے۔

تازہ پھولوں کا حسن کچھ ماند پڑ چکا تھا۔ اس نے ایک ایک کر کے ساری لڑیاں نوچ ڈالیں۔

"بی بی صاحبہ!" ملازمہ نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"آپ کو اماں بی بلا رہی ہیں۔" اطلاع دے کر وہ پلٹنے والی تھی' جب اس نے آواز دے کر اسے روکا وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرے کمرے کی صفائی کروا دو' مجھے یہاں کوئی پھول نظر نہ آئے۔"

بیڈ روم کا رومانٹک ماحول اور معطر سی فضا اسے اس دشمن جاں کی قربت پر اکساتے تھے۔ اس کے ہر پل میں انتظار سمٹ آتا تھا۔ وہ ان لمحوں کے فریب سے نکلنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج کے تخت پر اماں بی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم اماں بی!" اس نے قریب جا کر ادب سے سلام کیا تو انہوں نے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے خوب دعاؤں سے نوازا۔ اور پھر اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

"عارفین کہاں ہے؟"

"آ رہا ہے۔" الفاظ اماں کے لبوں پر ہی [illegible] ایک دم رک گئی اس کی نظریں سیڑھیوں کی جانب اٹھی تھیں۔

وہ آ رہا تھا مگر اکیلا نہیں۔

اس کے ہاتھ میں ایک بے حد حسین لڑکی کا ہاتھ تھا۔

وہ سامنے آکر بیٹھی تو جگنو کو اپنا روپ میلا میلا سا لگنے لگا' وہ کتنی اجلی اور شفاف تھی۔ کسی مومی مجسمے کی مانند۔

"بڑی بی بی صاحبہ آپ کے لیے ناشتہ لگواؤں؟" ملازمہ لپک کر آئی۔

"میں تمہاری بڑی بی بی صاحبہ کب سے ہو گئی؟" مدھر کانوں میں رس گھولتی مترنم آواز مگر خشک لہجہ۔

"جب سے چھوٹی بی بی صاحبہ۔" ملازمہ نے قدرے ہچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

مگر اس کی فراخ پیشانی میں پھر بھی ایک ساتھ کئی بل پڑے۔ اس نے ایک ناگوار سی قدرے سرد اور تیکھی نگاہ جگنو پر ڈالی اور لب بھینچ لیے۔

اگرچہ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا مگر پھر بھی سوتن کو برداشت کرنے کا ظرف کہاں سے لاتی۔

"جگنو! یہ مہرین ہے۔ میری بڑی بہو!" اماں بی نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے تعارف کروایا۔

"مسز عارفین ہمدانی۔" اس نے کمال بے تکلفی سے عارفین کا ہاتھ تھام کر تعارف مکمل کیا۔ اماں بی اب ملازمہ کو ناشتے کے لیے ہدایات دے رہی تھیں۔ اور جگنو کا وجود سناٹوں کی زد میں تھا۔

"مسز عارفین ہمدانی۔" کی تکرار بازگشت کی صورت اس کے گرد گھومنے لگی' یہاں تک کہ اسے اپنے حواس سلب ہوتے محسوس ہوئے۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کی تقریب حویلی کے لان میں تھی۔ کل کی طرح آج بھی زیادہ لوگ مدعو نہیں تھے بس اماں بی کی دونوں بیٹیوں کی فیملیز اور چند قریبی احباب۔

"اماں ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔" اس نے تو اپنی جانب سے بہت بڑا انکشاف کیا تھا مگر اماں کے اطمینان میں ذرہ برابر فرق نہ آیا بلکہ الٹا اس پر خفا ہو گئیں۔

"یہ باتیں یہاں کرنے والی نہیں ہیں گھر جا کر سمجھاؤں گی۔"

جگنو نے شکوہ کناں نگاہ اماں پر ڈالی۔

"دیکھو میں نے یہ فیصلہ تمہاری بھلائی کے پیش نظر بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اتنی بڑی حویلی' گاڑیاں نوکر چاکر راج کرو گی۔ رہا سوتن کا مسئلہ تو تم اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔ بھول جاؤ کہ عارفین پہلے سے شادی شدہ ہے۔ ایک بار اولاد ہو جائے تو دیکھنا وہ پہلی کو بھول کر تمہارے آگے پیچھے پھرے گا۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی تو اماں آخر میں سرزنش کرتی اٹھ گئیں۔

"گاؤں میں کسی سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔"
رسم کے مطابق عارفین کو آج اس کے ساتھ جانا تھا۔

"تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔ میں مہرین سے مل کر آتا ہوں۔" وہ بوجھل قدموں سے چلتی گاڑی میں آبیٹھی۔ وہ اکیس منٹ کے بعد واپس آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آئی ایم سوری جگنو! مجھے احساس ہے کہ کل رات میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔" آخر اسے خیال آہی گیا تھا۔

"اٹس او کے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ نظریں اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر جمی تھیں اور دل و دماغ عجیب سی کشمکش میں الجھا ہوا تھا۔

اماں سے اگر اس کی بات نہ ہو چکی ہوتی تو شاید وہ اسے اس کی دغابازی کا احساس دلاتی بھی مگر اب شکوہ کرتی تو کس سے کس حق کے ساتھ۔

"یونو میری اور مہرین کی لو میرج ہے۔ وہ میری فرسٹ کزن ہے۔ میری خالہ کی اکلوتی بیٹی۔ بچپن سے ہی ہم ساتھ ہیں۔ میں اس کے سوا کسی اور کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا یہ تو اماں بی کی خواہش تھی اور کسی حد تک مہرین کی بھی۔ وہ بچوں کے معاملے میں بے حد کریزی ہے اور جب اسے پتا چلا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ تب سے مجھے فورس کرنے لگی تھی کہ میں دوسری شادی کرلوں اس پر اماں بی کا اصرار بالآخر مجھے ماننا ہی پڑا۔"

اس کے احساسات سے بے خبر وہ اپنی روداد سنائے جا رہا تھا۔

"اور میرا آپ کی زندگی میں کیا مقام ہے؟" گاڑی رک چکی تھی اس کا گھر سامنے تھا۔ مگر اس کی سوالیہ نظریں عارفین سے جواب طلبی کے لیے اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہارا گھر آچکا ہے تم جاؤ۔ میں تین روز بعد اماں بی کے ساتھ لینے آجاؤں گا۔" وہ دوبارہ اپنے خول میں سمٹ گیا۔

اور جگنو اس نئے ستم پر سارے سوال و جواب بھول گئی۔ وہ میکانکی انداز میں گاڑی سے اتر آئی یاد رہا تو محض اتنا کہ اب اتنے سارے لوگوں کے سوالوں کا وہ کیا جواب دے گی؟

"آپ نہیں آئیں گے؟" موہوم سی امید بھری نظروں سے اس نے عارفین کو دیکھا۔

"مہرین میرا ویٹ کر رہی ہوگی۔" سیاہ گلاسز لگاتے ہوئے اس نے گاڑی کا رخ موڑا اور اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

وہ دیر تک وہاں کھڑی دھول اڑاتے راستوں کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

ٹیبل لیمپ آف کرنے کے بعد اس نے کتابیں سمیٹ کر ایک جانب رکھیں اور اٹھ کر کھڑکی میں چلی آئی باہر چٹکی ہوئی چاندنی رات تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

جگنو نے کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے ایک حسرت بھری نگاہ اس شخص پر ڈالی جو اس کا ہو کر بھی ناقابل تسخیر تھا۔

وہ جیسے کسی جلتے صحرا میں کھڑی تھی جہاں نہ ابر محبت کا کوئی سایہ تھا اور نہ ہی کسی مہربان لمس کا احساس۔ اور پیاس تھی کہ ہر روز بھڑک اٹھتی تھی۔

کس قدر اذیت ناک تھا اس کے حصار میں کسی اور کو مقید دیکھنا۔ اس کی والہانہ محبت بھری نگاہوں کا اس کی جانب اٹھنا' اس کے ہاتھ کو تھامنا' اس کے بالوں کی لٹ کھینچنا' مہرین کا روٹھ جانا اور عارفین ہمدانی کا اسے منانا... کھڑکی بند کرنے کے بعد وہ اپنے بستر پر چلی آئی۔ بوریت' تنہائی' اکیلا پن اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں کتنی خوش اور مگن تھی' یہ عارفین ہمدانی کہاں سے اس کی آزمائش بن کر چلا آیا تھا۔

اسے پھر سے وہ لان والا سین یاد آیا تو اس کی آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگیں' کچھ بھی تھا مگر اب وہ اس کی بیوی تھی لہٰذا دونوں کے ساتھ مساوی سلوک اس کے فرائض میں شامل مگر وہ غافل تھا۔

اور جگنو کو اپنی ذات کی نفی گوارا نہیں تھی۔

اگلی صبح ناشتے کی میز پر وہ ان دونوں سے دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھی تھی۔

مہرین نے توس پر جیم لگاتے ہوئے عارفین کی پلیٹ میں رکھا پھر کوزی سے چائے کپ میں انڈیلی۔ اپنے لیے اورنج جوس اور فرنچ آملیٹ لیا تھا۔

جگنو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ بس یہی وہ چند لمحے ہوا کرتے تھے جب وہ بڑی فرصت میں اسے دیکھا کرتی تھی۔ اسے لگتا تھا اگر وہ عمر بھر بھی اسے سامنے بٹھا کر دیکھتی رہے تو بھی اس کی آنکھیں سیراب نہ ہوں۔

"علینہ! تم ناشتہ نہیں کر رہیں؟" یہ روز کا سوال تھا۔ گویا وہ اس کی وہاں موجودگی کا احساس تو رکھتا تھا اتنا غنیمت تھا کہ وہ اس سے بے خبر تو نہیں تھا۔

"میں کر چکی ہوں۔" وہ بھی ہر روز جھوٹ بولتی۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ مہرین اسے مرکزی دروازے تک سی آف کرنے جاتی تھی۔

عارفین جانے سے قبل مہرین کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کرتا تو دور ڈائننگ ہال میں بیٹھی جگنو کے ماتھے پر تپش اترنے لگتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مہرین! ایسا کب تک چلے گا؟" اماں بی کے ترش لہجے پر وہ دہلیز کے اس پار ہی رک گئی تھی۔

"اماں بی! اس میں میرا کیا قصور ہے؟ وہ آپ کا لاڈلا نہیں سنتا میری کوئی بات۔" مہرین کے احتجاج میں بھی ایک تفاخر سا در آیا۔

"تم جب تک سامنے رہو گی۔ وہ جگنو کی جانب پیش قدمی کر بھی نہیں پائے گا۔"

"تو کیا میں اب پردہ کرلوں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"تم ایسا کرو۔ کچھ دنوں کے لیے میکے چلی جاؤ۔" انہوں نے مشورے سے نوازا۔

"اماں بی! مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔" مہرین کے روہانسے لہجے پر وہ اپنے قدموں واپس لوٹ آئی۔

"اماں بی! میری اتنی حمایت کیوں کر رہی تھیں؟" اس نے الجھ کر سوچا۔

"نہیں بھئی تو پوتے کی خواہش ہے۔" اگلا خیال اس کی الجھن رفع کر گیا۔

"ہاں اور تم تو آئی ہی اس گھر میں محض بچے پیدا کرنے ہو۔" کوئی اندر سے اس پر ہنسا۔

"تو کیا ہوا شادی کے بعد ہر عورت ماں بنتی ہے۔ اور جو نہیں بن سکتیں...." اس کی نظروں میں اچانک مہرین کا چہرہ گھوم گیا کتنا مکمل حسن تھا اس میں مگر پھر بھی ادھورا... آزمائش تو اس پر بھی آئی تھی۔

آج اسے احساس ہوا تھا کہ درمیان میں مہرین نہیں وہ خود ہے۔ مگر اس میں اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔

"چھوٹی بی بی صاحبہ! اماں بی کے لیے لنچ میں کیا بنانا ہے؟" شبو کی پاٹ دار آواز پر اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا۔ اماں بی کے لیے پرہیزی کھانا وہ اپنی نگرانی میں تیار کرواتی تھی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں۔" اس نے الماری سے اپنا سوٹ نکالا اور شاور لینے کے بعد آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

بالوں میں برش کرنے کے بعد اس نے لپ اسٹک اٹھائی اور پھر بے دلی سے واپس رکھ دی۔

لنچ کے بعد کا سارا وقت اس کا تھا' اس میں وہ یا تو کورس کی کتابیں رٹتی رہتی یا ٹی وی دیکھ لیتی۔ آج پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ یونہی کچھ دیر کے لیے لیٹی تھی مگر جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

جب جاگی تو کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیلا تھا اس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔ آنگن میں شام اتر آئی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں عارفین! پاپا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ مجھے کچھ دنوں کے لیے ان کے پاس جانے دو۔" مہرین کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھتے اس طرف ہی آرہے تھے۔

"میری آج ہی ان سے بات ہوئی ہے آواز سے تو نہیں لگ رہا تھا۔" اس نے اعتراض کیا۔

"میں اپنی سیٹ ریزرو کروا چکی ہوں۔" ان کی آواز اب سرگوشیوں میں ڈھل چکی تھی کیونکہ وہ بات کرتے کرتے بہت دور جاچکے تھے۔

جگنو ابھی تک ساکت و بے یقین سی کھڑی تھی۔

اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہو رہا تھا مہرین جارہی تھی۔ ایک ناقابل یقین حقیقت۔

اسے لگا وہ مذاق کر رہی ہوگی۔

مگر اس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب دس بجے اپنے بھاری بھرکم بیگ سمیت اس نے مہرین کو گاڑی میں جاتے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"عارفین! کبھی جگنو کو بھی باہر گھمانے لے جایا کرو۔ سارا دن گھر میں بور ہو جاتی ہے۔"

شام کی چائے پر عارفین' اماں بی کے گھیرے میں تھا۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے اس نے سامنے کھڑی جگنو کو دیکھا اور مروت میں انکار نہ کر سکا۔

"تم تیار ہو کر آجاؤ۔ میں ویٹ کر رہا ہوں۔" اور جگنو خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ پہلی بار اس نے عارفین کی آنکھوں میں اپنے لیے ستائش کے رنگ دیکھے تو اس کی پُرشوق نظروں پر وہ کچھ سمٹ سی گئی۔

"تمہارا اسکول کیسا چل رہا ہے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے اپنے اور جگنو کے مابین حائل معنی خیز سی خاموشی کو توڑنے کے لیے یہ سوال کیا تھا۔

"اچھا چل رہا ہے' بس ذرا اسٹاف کی کمی ہے۔"

"دراصل میں یہاں سے اسٹاف وہاں جاتا نہیں ہے میں نے کوشش کی تھی مگر ان لوگوں نے پھر ٹرانسفر کروالیا تھا۔" وہ وضاحت کر رہا تھا۔ جس پر وہ خاموش رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر خود ہی مخاطب کیا۔

"علیزے۔۔۔!"

"آپ مجھے جگنو کہا کریں نا' مجھے اچھا لگتا ہے۔" وہ ٹوک گئی۔

"اوکے۔۔۔ جگنو!" وہ فوراً "مان گیا۔ جگنو کو دل سے خوشی ہوئی۔

"پہلے کہاں چلیں؟" اگلے ہی پل اس نے استفسار کیا۔

"لانگ۔۔۔" سیل کی بیپ پر عارفین اس جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ جگنو کی فرمائش ادھوری رہ گئی۔

دوسری جانب مہرین تھی اور اس سے بات کرتے ہوئے وہ جگنو کی موجودگی یکسر فراموش کر چکا تھا۔

"میں تمہارے عارفین کو تم سے نہیں بانٹ سکتی مہرین! کیونکہ وہ دل سے تمہارا ہے اور دلوں پر حکومت کسی ایک کی ہی ہوا کرتی ہے۔"

"شاپنگ کرو گی؟" آدھ گھنٹے بعد گاڑی ایک شاپنگ مال کے سامنے روکتے ہوئے اس نے آفر کی۔

"نہیں۔۔۔ اب گھر چلیں۔" وہ بے دلی سے کہہ کر باہر جھانکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ پڑھائی میں بزی تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے نظر اٹھا کر وال کلاک کی جانب دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"آجائیں۔" جانے کون تھا اس نے اجازت دے دی۔

دروازہ دھیرے سے کھلا اور عارفین کا چہرہ نمودار ہوا۔

نیند سے بوجھل پلکوں کو جھپکتا وہ اپنا تکیہ اٹھائے کھڑا تھا۔ جگنو نے بیڈ پر لاپروائی سے پھینکا ہوا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر پھیلا لیا۔

"آپ یہاں سو جائیں۔" کتابیں سمیٹ کر اس نے بستر کی شکنیں درست کیں تو عارفین نے نیم دراز

ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟" اس کا انداز پل میں بدل گیا تھا۔

"میں۔۔۔" جگنو کی نظریں جھک گئیں۔ بات مکمل کرنا مشکل ہو گیا۔

"کہیں نہیں۔" وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔

"تم اگر پڑھ رہی تھی تو لائٹ چلتی رہنے دو' میں ڈسٹرب نہیں ہوتا۔" کہتے ہوئے اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

وہ مطمئن سی ہو کر دوبارہ تکیے کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔ لائٹ اس نے بند نہیں کی تھی' وقت گزاری کے لیے میگزین دیکھنے لگی۔ مگر اب اس کا کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ دھڑکنیں منتشر تھیں اور دائیں ہاتھ کی پشت پر اک الاؤ سا دہکنے لگا تھا۔

وہ اتنے قریب تھا کہ اس کے لباس سے اٹھتی مسحور کن سی مہک اس کے حواس معطل کرنے لگی تھی۔

جگنو نے ایک بار پھر نگاہ اس پر ڈالی وہ چت لیٹا مکمل طور پر نیند کی وادیوں میں گم تھا۔ لائٹ آف کرنے کے بعد اس نے نائٹ بلب جلایا۔

رومینٹک سی سبز روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔

اپنا تکیہ درست کرتے ہوئے نگاہ بھٹک کر پھر سے اس کے وجیہہ چہرے سے ٹکرائی تو پلٹنا بھول گئی' وہ کتنا پرکشش اور حسین لگ رہا تھا۔ دونوں بازو کہنیوں کے بل بستر پہ رکھے' وہ اوندھی لیٹی اسے دیکھنے میں مگن تھی' جب اچانک اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

جگنو کا جیسے سانس تھم گیا تھا۔

عارفین نے اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے مزید قریب کر لیا۔

"کیوں دیکھتی ہو مجھے اتنا؟" وہ اس کے آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"مون نے بتایا تھا تم اسپیشلی مجھے دیکھنے کے لیے ہر سنڈے مارکیٹ آیا کرتی تھیں۔" جگنو کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مون کا کیا حشر کر ڈالے۔

"ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" وہ صاف مکر گئی۔

"اکثر لڑکیاں مجھے دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھول جاتی ہیں' ڈونٹ وری میں نے مائنڈ نہیں کیا۔" اس کے چہرے پہ سنجیدگی مگر آنکھوں میں شرارت تھی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ بے بسی سے منمنائی۔

"مگر مجھے تو نہیں آرہی۔" وہ مزید اس پر جھک آیا۔

جگنو کی ساری مزاحمتیں لحمہ بہ لحمہ دم توڑ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"سرو کون کرے گا۔" ناشتے کی میز پر وہ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھی تھی' جب عارفین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

مہرین کے جانے کے بعد وہ آج پہلی بار گھر میں ناشتا کر رہا تھا۔

جگنو اٹھ کر مہرین کی سیٹ پہ چلی آئی۔

پہلے اس نے سلائس پر جیم لگا کر اس کی پلیٹ میں رکھا۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ میں کیا لوں گا۔" عارفین نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں۔" ہاف بوائل انڈہ اور چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ مدھم سا مسکرائی۔

عارفین نے اک گہری بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ فیروزی رنگ اس پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔ گندمی رنگ' غلافی آنکھیں اور جاذب نظر نقوش والی یہ سادہ اور معصوم سی لڑکی اسے اچھی لگنے لگی تھی۔

وہ اسے مہرین کی جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ مگر تھوڑا خیال تو رکھ سکتا تھا۔

"آج شام کو تیار رہنا۔ ہم ڈنر باہر کریں گے۔" نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ اٹھنے سے پہلے بولا۔ جگنو اسے باہر گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔

وہ جانے سے پہلے پلٹا' اسے دیکھا اور پھر مسکرا کر چلا گیا۔

★ ★ ★

ان ہی دنوں ڈاکٹر نے اسے خوشخبری کی نوید سنائی تو پوری حویلی میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اماں بی اس کی بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں' عارفین بے حد خوش تھا اور اس کا بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ جگنو کا دل چاہا کہ کاش مہرین کبھی واپس نہ آئے۔ مگر اماں بی نے جیسے ہی اسے فون پر اطلاع دی وہ اڑتے ہوئے واپس لوٹی تھی۔

وہ ایک دن کے لیے میکے آئی تھی۔ اماں بی کا حکم تھا کہ ابھی جا کر مل آؤ' پھر پورے نو مہینے گھر سے باہر نہیں جانا۔

"ہفتے میں ایک بار آ کر اپنی بے بے سے مل جایا کرو۔" اس کے چہرے کو اپنے جھریوں زدہ ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بے بے نے اس کے رخساروں پر پیار کیا۔

"رہنے دیں بے بے! انہیں اب ہماری یاد کیسے آئے گی۔ اونچے لوگ ہو گئے ہیں۔" وہ جانے کہاں سے آیا تھا چہکتا ہوا۔

"اب فرصت ملی ہے تمہیں' کہاں تھے صبح سے؟" وہ الٹا اس پر برسی۔

"وہیں ہوں جہاں تم چھوڑ گئی تھیں۔" ذومعنی لہجہ' جگنو نے ٹھٹک کر کچھ مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"یار! اسکول کی بات کر رہا ہوں۔" وہ فوراً پٹری پہ واپس آیا۔ وہ مطمئن سی ہو کر اس سے اسکول کی باتیں کرنے لگی۔

✲ ✲ ✲

مہرین اور عارفین لاؤنج میں بیٹھے کیرم کھیل رہے تھے۔ اماں بی صوفے پہ براجمان آنے والے ننھے مہمان کے لیے سویٹر بن رہی تھیں۔

"عارفین! آج چیک اپ کے لیے جانا تھا۔" ہمت کر کے اس نے بول ہی دیا۔ دونوں نے اپنے پسندیدہ مشغلے سے فرصت کا ایک پل نکال کر اسے دیکھا تھا۔

"جاؤ عارفین!" مہرین نے خوشدلی سے اجازت دے دی۔ عارفین بھی فوراً اٹھ گیا۔

جگنو نے نوٹ کیا تھا مہرین اب بے حد خوش رہنے لگی تھی۔ جگنو کو مخاطب تو اس نے کبھی پہلے بھی نہیں کیا تھا' مگر اس کے انداز میں جو اک سرد مہری سی ہوا کرتی تھی' اب مفقود تھی۔

مگر اس کا کمرہ پھر سے ویران ہو چکا تھا۔ ناشتے کی میز پر اس کی نشست بدل چکی تھی اور اس گھر میں اس کی حیثیت بھی۔ اصل مالک جو لوٹ آیا تھا۔

عارفین البتہ اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ آتے جاتے اس کا احوال دریافت کرتا۔ وقت پر اسے کھانا کھلانے کے لیے شبو کو خصوصی ہدایت تھی۔ ہر ویک اینڈ پر اس کا چیک اپ کروانے ساتھ جاتا۔

وہ لان میں تنہا ہوتی تو کچھ پل اسے کمپنی دینے چلا آتا۔

اس کے بیڈ روم میں بچوں کے کتنے ہی پوسٹر عارفین نے لگائے تھے۔ مگر جگنو نے وہ سب ہٹا کر وہاں عارفین کی تصویر سجا دی۔

اور پھر وہ دن آ گیا جو اس کے اس گھر میں آنے کا باعث بنا تھا۔

"عارفین! میں اس کا نام شہرام رکھوں گی۔" وہ نازک سا وجود عارفین کی گود میں منتقل کرتے ہوئے جگنو نے فرمائش کی۔

"ارے واہ! مہرین نے بھی یہ ہی نام سوچ رکھا تھا۔" وہ شہرام کو پیار کرنے لگا۔

جگنو کے ارمانوں پر اوس گر گئی' کیا تھا جو وہ اس کا بھرم رکھ لیتا۔

ایک دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ جب شہرام کے ہمراہ حویلی آئے تو مہرین کو لاؤنج میں اپنا منتظر پایا۔

"عارفین! یہ تو بالکل تمہارا عکس ہے۔" وہ شہرام کو جگنو کی گود سے لے کر بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

"اماں بی! یہ تو بہت چھوٹا ہے' میں اسے سنبھال تو پاؤں گی نا؟"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں اور پھر میں بھی تو ہوں تمہاری مدد کو موجود۔" اماں بی کی حوصلہ افزائی پر جگنو نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔

تب ہی شہرام رونے لگا تھا' وہ اسے لینے کو اٹھی۔

"شبو جو دودھ بنا کر رکھا تھا میں نے' وہ لے آؤ۔" مہرین نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے فوراً شبو کو آواز دی۔

"مگر میں یہاں موجود ہوں' پھر وہ دودھ سرا..."

"دیکھو' یہ میرا بیٹا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اسے تمہاری عادت پڑ جائے۔" اس کی بات کاٹ کر وہ قدرے سپاٹ لہجے میں بولی' جگنو کو لگا جیسے کسی نے اس کا کلیجہ نوچ ڈالا ہو۔

اس نے شکوہ کناں نظروں سے عارفین کو دیکھا تو وہ لب بھینچتے ہوئے آنکھیں چرا گیا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دل اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ ضبط کے باوجود آنسو چھلک رہے تھے اور پھر رات بھر وہ اپنے خالی پہلو کو دیکھ کر روتی رہی۔ عارفین ایک بار اس کی دل جوئی کی خاطر بھی نہیں آیا تھا۔

اس نے اماں کو فون کر کے بتایا تو وہ الٹا اسے سمجھانے لگیں۔

"جگنو! تم تو بالکل ہی بے وقوف ہو۔ ایسے ہی شوق میں اٹھا کر لے گئی ہو گی' اس طرح کی بیگماتیں بچے نہیں پالتیں۔ ایک ہی رات میں عاجز آ جائے گی' تم بس ذرا صبر اور حوصلے سے کام لو' پھر وہ کون سا تم سے دور ہے' ایک ہی تو گھر ہے نا!"

اماں کے سمجھانے پر اس کا دل ذرا سنبھلا تھا۔ اگلی صبح سون اور جاذب کا مبارک باد کا فون چلا آیا۔ دونوں بے چین ہو رہے تھے کہ وہ شہرام کو لے کر کب آئے گی۔

"تم دونوں آ جاؤ۔" اس کا جانا تو ابھی مشکل تھا اور وہ اتنی اداس ہو رہی تھی کہ ان دونوں کو انوائٹ کرنے سے خود کو روک نہ پائی۔ حالانکہ اماں نے منع کر رکھا تھا کہ وہ گاؤں میں کسی کو بھی اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دے۔

سات دن بعد خوب دھوم دھام سے عقیقہ ہوا تھا۔ مہرین کو ہی اس کی ماں کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھتی' بس خاموش تماشائی کا سا کردار ادا کرتی رہی۔

✲ ✲ ✲

وہ صبح سے لاؤنج میں بیٹھی مہرین کا انتظار کر رہی تھی کہ کب وہ شہرام کو لے کر نیچے آئے۔ مگر شاید آج اس کا اپنے بیڈ روم سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تھک ہار کے وہ خود ہی اوپر چلی آئی۔

دروازہ کھلا تھا۔

کمرے کی دیواریں اس کی اور عارفین کی تصویروں سے سجی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار پر بچوں کی تصویریں اور الماریوں میں کھلونوں کی بہتات تھی۔

بے بی کاٹ غباروں سے سجا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی تو شہرام پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھا کر اس کے نرم گلابی گالوں کو چوما۔ بے بی پنک کلر کے سوٹ میں وہ ننھا سا گلاب رہا تھا۔

"تم..." مہرین نے اسے دیکھتے ہی آبرو چڑھائے' وہ ابھی واش روم سے نہا کر نکلی تھی اور بے حد فریش لگ رہی تھی۔

"میں شہرام کو لینے آئی تھی۔" اس کی ناگواری کا نوٹس لیے بغیر جگنو نے قدرے اعتماد سے جواب دیا۔

"تمہاری میرے کمرے میں بغیر اجازت آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟" اس کے اس قدر استحقاق بھرے انداز نے مہرین کے وجود میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔

"تم بھی تو چلی آئی ہو میرے کمرے میں بغیر اجازت۔" اس نے بھی بغیر کسی لحاظ کے دوبدو جواب دیا۔

"میں اس گھر کی مالکن ہوں اور اس کی ہر چیز میری

ملکیت ہے' اس لیے میں تمہاری اجازت کی محتاج نہیں۔" اس کے تنفر بھرے انداز پر جگنو استہزائیہ مسکرائی۔

"جس حیثیت کا تم حق جتا رہی ہو اس کا سرٹیفکیٹ میرے پاس بھی موجود ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اماں بی دونوں کی آواز سن کر ہی آئی تھیں۔

"اماں بی! میں اس لڑکی کو مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی' اس کا کام ختم ہو چکا ہے' اب چلتا کریں اسے۔" شہرام کو اس کی گود سے جھپٹ کر اس نے اماں بی کو جیسے آخری فیصلہ سنایا تھا۔

"اچھا تم فکر نہ کرو۔ آج عارفین آتا ہے تو اس قصے کو بھی نمٹاتے ہیں۔" اماں بی اُمہرین کو پچکارتے ہوئے بولیں' جس پر جگنو نے پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھا' مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہی نہیں تھیں۔

"اماں بی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" گھٹنوں کے بل ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اماں بی کو جھنجوڑ ڈالا۔ صدمے کے باعث اس کی آواز پھٹ چکی تھی۔

"اماں بی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' جھونپڑیوں میں رہنے والی آج میرے مقابل آنے کی جرأت کرنے لگی ہے۔ تم بھی اس قابل کہ اتنے بڑے گھر کی بہو بنتی' یہ تو میں ماں نہیں بن سکتی تھی' اس لیے تمہیں لانا پڑا۔ لڑکیاں تو ہمارے سرکل میں بھی بہت تھیں' مگر ہم نہیں کسی کو اس حویلی کی بہو اور عارفین کی بیوی نہیں بنانا تھا' محض ایک بچہ پیدا کروانا تھا' جو تم کر چکی ہو۔"

"اماں بی!" جگنو نے ان کے دونوں گھٹنے تھام لیے۔ مگر وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مہرین نے میری خاطر تمہیں برداشت کیا' اب میں مزید اس کا ضبط نہیں آزما سکتی۔"

☼ ☼ ☼

"عارفین! میں نے کبھی تم پر اپنا حق نہیں جتایا' کبھی تم سے کچھ طلب نہیں کیا اور وعدہ کرتی ہوں زندگی بھر پھر کبھی تم سے کچھ نہیں مانگوں گی' بس مجھ سے اپنا نام مت چھینو۔ مجھ سے میرے شہرام کو مت جدا کرو۔" عارفین کا گریبان دونوں ہاتھوں میں جکڑے وہ سسک پڑی تھی۔

مہرین نے قہربار نظروں سے عارفین کو دیکھا۔ اماں کا بھی اصرار تھا کہ وہ اسے فوراً طلاق دے کر گھر چھوڑ آئے۔

"جگنو!" عارفین نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"مجھے اپنے دل میں نہیں' محض اس گھر میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔ میں فالتو سامان کی طرح عمر بھر ایک کونے میں پڑی رہوں گی۔ اپنے بیٹے کی آیا سمجھ کر رکھ لو۔ عارفین! دیکھو میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنی ممتا کی بھیک مانگتی ہوں۔" روتے ہوئے وہ اس کے قدموں میں جھک گئی۔

عارفین کا دل پگھلنے لگا تھا' جگنو کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اس کی نظروں سے گزرنے لگا۔ محبت نہیں مگر ایک لگاؤ سا تو اس سے ہو ہی چکا تھا۔

"عارفین! اگر تم نے جگنو کو نہ چھوڑا تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔"

مہرین کی دھمکی بازگشت کی صورت اس کے گرد گونجنے لگی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس قدر شدت پسند ہے' جو کہتی ہے وہ کر کے دکھاتی ہے۔ اور وہ مہرین سے بیوفائی کا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"جگنو! میں نے تمہیں اذیتوں کے سوا دیا ہی کیا ہے۔ تم میرے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکو گی۔ مجھے اماں بی اور مہرین کے ارادوں کا پہلے سے علم تھا۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ انہوں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تو میں کبھی تم سے شادی نہ کرتا' مگر مجھے زبردستی یہ رشتہ جوڑنے پہ مجبور کیا گیا تھا اور آج بھی میرے پاس تمہیں چھوڑنے کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے' میں۔۔۔" وہ رک گیا۔

جگنو نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا' اپنے کمرے میں چلا گیا۔

جگنو اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔ کتنے ہی پل گزر گئے' تب اسے شہرام کا خیال آیا۔ تو اس نے نیم دیوانگی کے عالم میں اٹھ کر مہرین کی گود سے اسے چھین لیا۔

"یہ میرا بیٹا ہے اور میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ تمہیں تمہارا عارفین مبارک ہو' شہرام میرا ہے' صرف میرا ہے' میں اسے کسی کو نہیں دوں گی۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم' شبو' صفیہ' اجمل۔" اس کی ایک ہی پکار پر سب ملازم لائن میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

جگنو نے شہرام کو اپنے آنچل میں چھپا لیا۔

"شبو' صفیہ! شہرام کو میرے حوالے کرو اور اجمل اسے حویلی سے باہر پھینک کے گیٹ بند کر دو۔" انتہائی تنفر سے اس نے باری باری سب کو حکم سنایا۔

شبو اور صفیہ سے ہلا تک نہ گیا۔ انہیں جگنو پہ بے پناہ ترس آ رہا تھا۔ جو شہرام کو اپنے آنچل میں چھپائے منت بھری التجائیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"تماشا نہیں تم دونوں نے' بہری ہو گئی ہو کیا؟" کسی کو اس کے حکم سے سرتابی نہ ہوتے دیکھ کے وہ پوری قوت سے دھاڑی۔

"نہیں میں نہیں دوں گی' یہ میرا شہرام ہے' اسے مجھ سے مت چھینو۔" وہ چیختی رہی' مگر اس کی منت' آہ زاری کسی نے نہ سنی' چوکیدار گھسیٹتا ہوا اسے گیٹ سے باہر چھوڑ آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جگنو!" رکشہ میں سوار اس کے قریب سے گزرتے مون اور جاذب نے ایک ساتھ اسے آواز دی۔ اور پھر اچانک اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ وہ جوتے سے بے نیاز ننگے پاؤں انجان سمتوں کی جانب چلے جا رہی تھی' بال بکھرے ہوئے اور دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا' سلونے رخساروں پر مٹے ہوئے اشکوں کے نشان باقی تھے۔ مگر آنکھوں میں شناسائی کا کوئی رنگ نہ چمکا۔

"جگنو کیا ہوا ہے تمہیں؟" جاذب نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی جانب متوجہ کرنے کی لاحاصل سعی کی۔

"کون ہو تم؟"

دونوں نے شدید صدماتی کیفیت میں ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ مون کے ہاتھ سے سارے کھلونے' شاپنگ بیگز چھوٹ کر وہیں سڑک پر بکھرے۔

"جگنو! میں مون ہوں اور یہ جاذب۔" مون نے تقریباً اسے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ آس پاس سے گزرتے راہ گیر بھی اب متوجہ ہونے لگے تھے۔

"مون؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

"مون نے اسے تھامنا چاہا' مگر وہ لڑھک کر جاذب کے بازوؤں میں جھول گئی۔ انہوں نے اٹھا کر اسے ٹیکسی میں ڈالا اور فوراً اسپتال لے آئے۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ اور اب وہ ایمرجنسی وارڈ میں تھی۔

مون اس کے لیے دعا گو تھی اور جاذب ٹھٹھرتے ہوئے کوریڈور میں اداس کھڑا تھا۔ ڈاکٹرز نے کہا تھا اگر اسے آٹھ گھنٹے تک ہوش نہ آیا تو وہ کوما میں جا سکتی ہے۔ جاذب کا بس چلتا تو وہ اپنی دھڑکنوں کی روانی' سانسوں کا تسلسل' روم روم میں گردش کرتی زندگی اسے سونپ دیتا۔ مگر یہ سب اس کے اختیار میں نہیں تھا اور جس کے اختیار میں تھا...

دونوں اس سے مانگ رہے تھے۔

چھ گھنٹے بعد کہیں جا کر اسے ہوش آیا تھا' اب وہ مکمل طور پر خطرے سے باہر تھی اور اسے پرائیوٹ روم میں شفٹ کیا جا چکا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے اندر داخل ہوئے۔

وہ ان کو دیکھ کر مبہم سا مسکرائی' گویا کہ اب وہ سابقہ جذباتی کیفیت سے کسی حد تک سنبھل چکی تھی۔

دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اسے ہنساتے رہے' جاذب نے مون کو منع کیا تھا کہ وہ فی الحال اس سے کچھ نہ پوچھے۔

وہ کچھ دیر تو ان کی الٹی سیدھی باتوں پر ہنستی رہی' پھر

ہنستے ہنستے رو پڑی۔

"جگنو پلیز! مت روؤ۔" جاذب کو اس کے آنسو تکلیف دے رہے تھے۔ وہ کس قدر ٹوٹ کر بکھر چکی تھی۔

"عارفین نے مجھے طلاق دے دی ہے اور میرے شہرام کو بھی مجھ سے چھین لیا۔" وہ اس کے شانے پر سر ٹکا کر سسک اٹھی۔

"مگر کیوں؟" جاذب نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا۔

"کیونکہ وہ مہرین کو چاہتا ہے۔"

"مہرین کون ہے؟" اسے شدید حیرت نے گھیرا۔

"اس کی پہلی بیوی۔" جگنو نے نظریں چراتے ہوئے بتایا۔

"بیوی؟" دونوں اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔

"ہاں اس کی پہلی بیوی۔ اماں کو سب پتا تھا، پھر بھی انہوں نے دولت کی خاطر مجھے اس جہنم میں جھونک دیا۔ مجھ سے شادی تو اس نے محض اولاد کی خاطر کی تھی۔ مطلب نکل گیا تو میرے وجود کو کسی استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیا۔"

"اس عارفین ہمدانی کو تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا، اس کی جرأت کیسے ہوئی تمہاری زندگی، تمہارے جذبات سے کھلواڑ کرنے کی۔" اس انکشاف پر اس کا رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"جاذب! پلیز ریلیکس۔ یہ وقت نہیں ہے ابھی ان سب باتوں کا، جگنو کو دیکھو اس کی حالت اچھی نہیں ہے اور پھر میں یہاں اکیلی کیا کچھ دیکھوں گی اور جو خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو... پلیز بیٹھو یہاں۔"

مون نے اسے کوریڈور سے بمشکل تمام واپس موڑا، ورنہ اس کے عزائم اچھے خاصے خطرناک تھے۔

☼ ☼ ☼

ہفتہ بھر بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر آئی تھی۔ اس نے آتے ہی پہلے بے بے کے کمرے میں جھانکا۔ وہ خالی تھا۔ جگنو الٹے قدموں واپس آئی۔

"اماں! بے بے کہاں ہیں؟" اس کا دل بے حد اداس ہو رہا تھا، پچھلے چھ ماہ سے اس نے بے بے کو نہیں دیکھا تھا۔ جب بھی فون کرتی آبگینے بہانہ بنا دیتی تھی۔

"جگنو! بیٹھ جاؤ۔" اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس چارپائی پر بٹھایا۔

"کیا چھپا رہے ہیں آپ لوگ مجھ سے؟" وہ بے چینی سے گویا ہوئی۔

"تمہاری بے بے اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔" آبگینے کا درد میں ڈوبا غم ناک لہجہ اسے دہلا گیا، وہ بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اسے اپنی سماعتوں پر اعتبار نہ آیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آپ لوگوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں تھا کہ میں آخری بار ان کا دیدار کر لیتی۔ میں اس گھر سے کیا گئی آپ لوگوں نے تو مجھے اپنی زندگیوں سے ہی نکال دیا۔ میرا ہونا نہ ہونا تو برابر ہے نا آپ کے لیے۔ اب کسی خوشی و غم میں مجھے شریک کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔" وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو چکی تھی۔

"بتایا تھا تمہاری ساس کو۔ اس نے کہہ دیا کہ تم سفر نہیں کر سکتیں، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے، پھر ہم کیا کرتے۔" آبگینے کو غصہ آ گیا۔

وہ رونا بھول کر ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔

اسے تو ڈاکٹر نے ایسی کوئی احتیاط نہیں بتائی تھی۔ کس قدر بے حس اور سنگ دل لوگ تھے۔

جاذب نے عارفین ہمدانی کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ جگنو شہرام کو پانے کے لیے کیس لڑنے کو تیار تھی، مگر اماں نے سنا تو ٹوک دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں مقدمہ لڑنے کی۔ اب تم خاندان کی عزت کچہریوں میں اچھالو گی۔ آج تک ہمارے خاندان کی کسی عورت نے عدالت کا منہ نہیں

دیکھا اور تم وہاں دس مردوں میں کھڑے ان کے الٹے سیدھے سوالوں کا جواب دو گی اور پھر اول تو یہ مقدمہ تمہارے حق میں ہو گا نہیں اور بالفرض اگر ہو بھی گیا تو کیا فائدہ، بچہ سات سال کے بعد پھر باپ کے پاس ہی واپس جائے گا، پھر تمہیں کیا حاصل؟ میں تو کہتی ہوں بھول جاؤ جو ہوا مٹی ڈالو، ہم نے اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑا، وہی سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے۔"

اور وہ جیسے ڈھے سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آبگینے کی منگنی بھی اس کے بغیر ان ہی دنوں میں آخری بوا کے توسط سے ہی طے ہوئی تھی، وہ لوگ اب شادی پر اصرار کرنے لگے تھے۔ لڑکا سعودیہ میں مقیم تھا اور دو ماہ کی چھٹی پر آیا ہوا تھا۔

اس کے جانے کے بعد گھر مزید اداس اور خالی خالی سا لگنے لگا تھا۔ جگنو کی ہنسی، قہقہے، نوک جھونک، آنکھوں کی چمک سب جیسے کہیں کھو گیا تھا، وہ خالی گھر کے در و دیوار تکتے بھی نہیں اکتاتی تھی۔ ویسے بھی محفلوں کی دلدادہ تھی جس کا کوئی پل تنہا نہیں گزرتا تھا، اب سارا دن بیٹھی خلاؤں میں جانے کیا کھوجتی رہتی۔

کبھی کوئی تنکا جو ہاتھ آ جاتا تو بے خیالی میں مٹی کھرچ کھرچ کر شہرام کا نام لکھتی چلی جاتی۔

اس کی آنکھوں کو محض اس کی دید کی پیاس تھی، اس کے کان ان ننھی قلقاریوں کو ترس گئے تھے۔ اس کا نازک سا لمس یاد آتا تو وہ پاگل سی ہونے لگتی۔

وہ روز انگلیوں پر دن گنتی۔

"آج شہرام چھ ماہ کا ہو چکا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں حساب کیا۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ اب وہ کیسا دکھتا ہو گا۔

اماں سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ دل میں کئی بار اس لمحے کو کوستیں جب دولت کا لالچ ان کے دل میں سمایا تھا۔

وہ تو گاڑیوں کی لمبی لائن اور اتنی بڑی حویلی پر الجھ گئی تھیں۔ اب تو دن رات یہ غم تھا کہ جگنو کا کیا بنے گا؟

مون اور جاذب روز آتے تھے۔ اسکول کی بچیوں کی گاؤں والوں کی ڈھیروں باتیں اور چٹ پٹے قصے سناتے۔

مون روز اسے کسی نئے ایڈونچر پر اکساتی۔ مگر اس کا دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

آج کل جاذب نے اس ضد باندھ رکھی تھی کہ وہ پہلے کی طرح اسکول آیا کرے، مگر وہ انکاری تھی۔ اب اس کا کچھ بھی کرنے کو دل نہیں کرتا تھا۔

"کل اسکول کو میری ضرورت تھی، تو میں نے تمہارا ساتھ دیا تھا۔ آج اسکول کو تمہاری ضرورت ہے جگنو! اور تمہیں آنا ہو گا۔" وہ خواب جو تم نے ہماری آنکھوں میں سجایا تھا وہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے اور تم اسے ادھورا نہیں چھوڑ سکتیں۔"

"پلیز جاذب! میرا دل نہیں چاہتا۔" وہ بے دلی سے بولی۔

مون کی شادی ہو رہی تھی، فرحان نے بحرین چلے جانا تھا، اس لیے اس کی خالہ چاہ رہی تھیں کہ جانے سے قبل شادی ہو جائے۔ مون شادی کی تیاریوں میں مگن تھی۔

اسکول میں بچوں کی تعلیم کا حرج ہو رہا تھا۔

جاذب یہ ہی بات روز اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تھا، مگر جس کے سب خواب ہی بکھر چکے تھے وہ اس کا ساتھ کیا دیتی۔

"تمہارے ایک بار کہنے پر میں نے اپنی جاب سے ریزائن کر دیا تھا اور میں اتنے دنوں سے تمہاری منتیں کر رہا ہوں اور تم ہو کہ مسلسل انکار کیے جا رہی ہو۔ ہاں تم کیوں مانو گی میری بات۔ آخر میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں اور شاید میں ہی بھول چکا تھا کہ تم ایک خود غرض لڑکی ہو جو بس اپنے بارے میں سوچتی ہے۔" وہ خفگی سے کہتا اٹھ کر چلا گیا۔

جگنو اس کی پشت کو گھورتی لب بھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح ناشتا کرنے کے بعد خلاف توقع وہ گھر سے

باہر نکل آئی تھی۔ کچے پکے راستوں کو چھوڑ کر وہ پگڈنڈیوں پہ اتر آئی۔ اس کا رخ اسکول کی سمت تھا۔

جاذب راستے میں کھڑا اس کا ویٹ کر رہا تھا۔

"میں جانتا تھا تم ضرور آؤ گی۔" اسے دیکھ کر وہ مسکرایا۔

"ڈانٹ پلا کر تم چھوڑتے تو کبھی نہ آتی۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔ پھر دونوں خاموشی سے ساتھ چلنے لگے۔

"چچی سے کہتی ہوں، مون کے ساتھ ساتھ تمہارا بھی انتظام کر دیں۔" پیپل کے پیڑ سے ایک ٹہنی نوچتے ہوئے اس نے جاذب کی آنکھوں میں چمکتے خوابوں سے نظریں چرائیں۔

"مون کے ساتھ نہیں اس کے بعد۔" وہ نیم رضامندی سے بولا۔

"کوئی پسند ہے؟" ٹہنی کو جھلاتے ہوئے اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور سرسری رکھا تھا۔

"ہاں۔" اس نے مختصراً اقرار کیا۔

"واقعی کون؟" ٹہنی پھینک کے وہ اس کی سمت مڑی۔

"وہی جو سمجھتی نہیں یا پھر جان کر انجان بنتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ مبہم انداز و معنی لہجے میں کہتا اسکول کا گیٹ عبور کر گیا۔

وہ کچھ دیر الجھتی رہی، پھر سر جھٹک کر گرلز اسکول میں چلی آئی۔ بچوں میں آکر حقیقتاً اس کا دل بہل گیا تھا۔ اس نے سوچا اب باقاعدگی سے اسکول آیا کرے گی۔

مون کی شادی کے ہر فنکشن میں اس نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ خود کو بھی وہ اسکول اور گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اسٹڈیز میں الجھا کر کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔

زخم پرانے تھے، درد کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ مگر یہ تھا کہ اب وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کے قریب وہ سو کر اٹھی تو چچی اور چچا آئے بیٹھے تھے۔ دو چارپائیوں کے درمیان تپائی پر چائے کے دو خالی کپ اور مٹھائی کی پلیٹ دھری تھی۔

"یہ کہاں سے آئی ہے؟" اس نے برفی کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔

"تمہارے چچا لائے ہیں۔" اماں کا کھنکتا ہوا لہجہ اور چہرے پر کھلتے رنگ اسے چونکا گئے۔ ضرور کوئی خاص بات تھی۔

اس کا دھیان مون کی جانب چلا گیا اس کی آج کل میں ہی ڈلیوری متوقع تھی۔

"کیا خوشخبری ہے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہارے چچا نے جاذب کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے اور میں نے ہاں کر دی ہے۔" مٹھائی کا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر؟" وہ ابھی تک شاکڈ کھڑی تھی۔

"گھر کی بات ہے، تم ہماری بیٹی ہی تو ہو۔" چچی نے اس کا ہاتھ تھام کر واپس اپنے قریب بٹھایا اور اپنی انگلی سے سونے کی انگوٹھی اتار کر اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں سجا دی۔

"بس آج سے یہ ہماری بیٹی ہے۔" عملی مظاہرے کے طور پر پیار بھی کر ڈالا۔

چچا نے جیب سے تین نیلے نوٹ نکال کر اس کی گود میں رکھے اور سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

وہ چاہنے کے باوجود کوئی احتجاج نہ کر سکی۔ مگر جاذب پر جو غصہ تھا وہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔ شام ڈھلتے ہی وہ اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

"جاذب! یہ کیا حرکت ہے؟" اس کے ہاتھ سے ناول جھپٹ کر انتہائی ترش لہجے میں دریافت کیا گیا۔

وہ جو جاسوسی ناول میں بری طرح سے منہمک تھا، اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔ پھر اسے دیکھتے ہی آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

"کون سی حرکت؟ ناول ہی تو پڑھ رہا ہوں۔" معصومیت بھرا انداز۔

"چچا اور چچی کو تم نے بھیجا تھا ہمارے گھر؟" کمر پہ ہاتھ ٹکا کے وہ لڑاکا انداز میں بولی۔

"وہ اپنی مرضی کے خود مالک ہیں، جہاں چاہیں آئیں جائیں۔" بے نیازی سے شانے اچکا گئے۔

وہ کچھ دیر کھڑی اسے گھورتی رہی، پھر انگلی سے انگوٹھی اتار کر اس کی گود میں پھینک دی۔

"مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے، سمجھے۔" باقی کے تین نوٹ ٹیبل پہ رکھ کر تن فن کرتی واپس پلٹی تو وہ اچھل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میری محبت کو ہمدردی کا نام مت دو۔" دروازے کے عین وسط میں راستہ روکے کھڑا وہ سنجیدگی سے بولا۔

"محبت!" اس کی آنکھیں سکڑ کر پھیلیں۔

"اس وقت کہاں تھی یہ محبت، جب عارفین کا پرپوزل آیا تھا اور تم جھوم جھوم کر ناچ رہے تھے۔"

"عارفین تمہاری پسند تھا اور میرے لیے یہ ہی خیال باعث اطمینان تھا کہ میں نہ سہی، لیکن کم از کم تم تو خوش رہو گی۔"

"تو تمہیں نکاح سے قبل عروسی میں پتا چلا تھا کہ میرا نکاح جس عارفین سے ہوا ہے یہ وہی شخص ہے پھر تمہیں پہلے سے کیسے پتا تھا؟" اسے ذرا جو اعتبار آیا ہو اس کی وضاحت پر بلکہ الٹا مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"چچی جان مجھے ہی ساتھ لے کر گئی تھیں، میں نے مون سے ذکر کیا کہ وہ اے ڈی او ہے تو اس نے ہی بتا دیا تھا اور ہم دونوں تمہیں سرپرائز دینا چاہتے تھے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"بہرحال تمہیں مجھ سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔" اس نے بحث کو سمیٹنا چاہا۔

"اور مجھے تم سے اچھی لڑکی نہیں چاہیے، میں تم پہ ہی راضی ہوں۔" اس کی ڈھٹائی بھی عروج پر تھی۔

"جاذب پلیز! مجھے تنگ مت کرو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"تمہیں مجھ سے محبت نہ سہی، لیکن ہم دو اچھے دوست تو ہیں نا اور دو اچھے دوست ہی دو اچھے ہم سفر

ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"مجھے تم سے محبت ہے۔ ہمکو ایسی نفسیاتی جیسی تم سمجھتے ہو۔" وہ دوسری بات نظرانداز کرتے پہلی کے جواب میں اچھی خاصی جھنجلا سی گئی۔

"محبت ایسی اور ویسی نہیں ہوتی۔ محبت صرف محبت ہوتی ہے اور اس کا اقرار تم کرچکی ہو اب مکر نہیں سکتی۔" وہ اس کے لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے پھر بھی انکار ہے۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔"

"عارفین کو چاہتی ہو اب تک؟" اس کا طنزیہ لہجہ جگنو کو ساگا گیا۔

"میں نفرت کرتی ہوں عارفین ہمدانی سے اور دوبارہ میرے سامنے اس شخص کا نام مت لینا" بے وقوف تھی میں جو کھرے اور کھوٹے کی پہچان نہ کرسکی۔"

"اور یہ غلطی تم پھر سے کیوں دہرانا چاہتی ہو؟"

"جاذب! تم سمجھ کیوں نہیں رہے میں ایک مطلقہ..." تیزی سے پلکیں جھپکتے ہوئے اس نے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے اس پر اعتراض نہیں۔"

"تم پاگل ہو۔" وہ تنگ کر بولی۔

"شادی کیا پاگل کرتے ہیں؟" اس نے الٹا استفسار کیا۔

"راستہ چھوڑو میرا۔" اس نے بات بدل دی۔

"اگر نہ چھوڑوں تو؟" وہ مزید پھیلا۔

"میں چچی کو آواز دوں گی۔" اس نے دھمکایا۔

"وہ تمہارے گھر بیٹھے ہیں۔" پرسکون انداز۔

"یہ رنگ پہن لو تو چلی جانا۔" اس کی روہانسی صورت۔ گویا ترس کھاتے ہوئے جاذب نے ہتھیلی پہ رکھی انگوٹھی اس کی جانب بڑھائی۔

جگنو نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ کچھ لمحے خاموشی سے سرکے پھر اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔

☼ ☼ ☼

دونوں کی شادی کو تین سال گزر چکے تھے۔ چچا نے گھر کی درمیانی دیوار ہٹا کر ان کے اور اپنے گھر کو پھر سے ایک کردیا تھا وہ اماں' چچا چچی' جاذب اور اس کا دو سال کا بیٹا اب ساتھ رہتے تھے۔

دونوں اسکول پرائمری سطح سے مڈل کا درجہ اختیار کرچکے تھے۔

زندگی ہر لحاظ سے مکمل تھی مگر اندر کہیں کچھ خالی خالی سا تھا۔ اک خلش تھی جو دل میں کانٹے کی مانند چبھی تھی' کبھی کبھار اسے لگتا تھا وہ سیراب ہو کر بھی تشنہ ہے۔

شہرام کا خیال اس کی یاد تھی' جو کبھی دل سے محو نہیں ہوئی تھی' وہ اسے ہر وقت' ہر لمحہ یاد آتا تھا۔ آج اس کی پانچویں سالگرہ تھی وہ آفس میں گم صم اداس بیٹھی تھی' جب بلیک لینڈ کروزر کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔

ہمیشہ کی طرح باوردی ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا تھا' انتہائی شان اور کروفر سے اس نے ای ڈی او صاحب کو گاڑی سے اترتے دیکھا۔ اس کی خوب صورتی اور وجاہت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

وہ پانچ سال کے بعد اسے نظر آیا تھا۔ متوازن چال چلتا وہ اس کے سامنے آبیٹھا۔

اسکول کے کچھ معاملات تھے وہ ڈسکس کرنے کے بعد وہ اٹھا تو جگنو بے ساختہ اسے پکار بیٹھی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا' جگنو کی سپاٹ نگاہیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور ان میں ایک ہی سوال تھا۔

"شہرام کیسا ہے؟"

"اچھا ہی ہوگا۔" اس نے جیسے کڑے ضبط سے جواب دیا تو وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا مطلب کہ اچھا ہی ہوگا؟" اس کا لہجہ ٹوٹ سا گیا۔

"ہم نے بڑا ظلم کیا تھا تمہارے ساتھ' ہمیں اس کی سزا ملی ہے۔ سچ پوچھو تو میں تم سے معافی مانگنے آیا تھا' مگر میری ہمت نہیں ہورہی تھی کہ کیسے تمہارا سامنا..."

"عارفین! شہرام کہاں ہے؟" جگنو نے جیسے اس کی بھی چوڑی تمہید سنی ہی نہیں تھی۔

"تمہارے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا جگنو کہ تم بظاہر عام سی نظر آنے والی لڑکی اندر سے کتنی خاص ہو۔ مجھے پتا ہی نہ چلا کہ کب سے تم میرے دل میں رہنے لگی تھیں' میں تم سے محبت کرنے لگا تھا۔" عارفین کے دل پہ ضمیر پہ' جتنا بوجھ تھا وہ آج سب اتار دینا چاہتا تھا۔

جگنو کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی۔ اس کے نزدیک اب اس اقرار محبت کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ خواہش تو کب کی مرچکی تھی۔

"عارفین! میرے شہرام کا بتاؤ۔" وہ چیخ اٹھی۔ عارفین بے بس سا اسے دیکھنے لگا۔

"کاش ہم اپنے ساتھ ہوئی حق تلفی کا کچھ تو حساب مانگتیں تو شاید ہمیں اس کی سزا اس قدر بھیانک نہ ملتی۔" اپنے گریبان کو اس کے ہاتھوں سے آزاد کراتے وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔

"میں بھول گیا تھا کہ جو دینے پہ قادر ہے وہ لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔"

"تو کیا شہرام..." جگنو نے بے ساختہ ہی اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔

"ہاں وہ تمہارے جانے کے بعد چند روز ہی ہمارے ساتھ رہا۔" آنسوؤں کا سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں میں تھا جس میں مار مار رخساروں پہ بہہ نکلا۔

وہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

"میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تمہیں یہ سزا اس صورت ملے..." خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتی وہ خود پر سے ضبط کھو چکی تھی۔

تب ہی ایک دو سال کا گول مٹول سا بچہ بال کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا تھا۔ بال کی تلاش میں جب اس کی نگاہ روتی ہوئی جگنو پر پڑی تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"ماما!" وہ جگنو کو پکار رہا تھا۔

عارفین ہمدانی کچھ کہے بغیر واپس لوٹ آیا' [illegible] سے ملنے آیا تھا' اب اس کا وقت گزر چکا تھا۔ وہ اس کی دسترس سے بہت دور جاچکی تھی۔

"ماما!" شہرام نے پھر اسے پکارا تو وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرائی۔ اور محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گلے لگالیا۔ اسے لگا جیسے اللہ نے شہرام کو عارفین سے چھین کر واپس اسے لوٹا دیا ہو۔

"وہ بھئی جب سے یہ شہرام صاحب تشریف لائے ہیں نا۔ جگنو! تم مجھے بالکل لفٹ نہیں کرواتیں۔" جاذب نے اندر داخل ہوتے ہی جو منظر دیکھا تو مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً منہ پھلالیا۔

"اتنا غصہ نہ کیا کریں ماسٹر جی!" بیگ کاندھے پہ ڈالنے کے بعد وہ شہرام کی انگلی تھامے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

جاذب کو آج کتنے برسوں بعد وہ پہلے والی جگنو لگ رہی تھی۔ ہنستی مسکراتی' شرارتی سی۔

"وہ... ماسٹر جی۔" کہنے پر برا ماننا بھی بھول گیا تھا۔ بس مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔

"اب چلو بھی۔" اپنی جانب اٹھی اس کی شوخ اور وارفتہ نگاہوں پر اس نے قدرے جھنجلا کر کہا تو جاذب نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ آج مجھے تم سے ایک بار پھر سے محبت ہوگئی ہے۔"

"پاگل۔" وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے آفس سے باہر نکل آئی۔

"ارے سنو تو..." وہ پکارتا ہوا پیچھے آیا۔

وہ ان سنی کیے چلتی رہی کچھ دور جاکر اس نے اپنے سامنے کھڑی دونوں اسکولوں کی عمارتوں کے پہلو میں کھڑے جاذب اور شرارتیں کرتے شہرام کو دیکھ کر سوچا کل جو خواب ہم نے دیکھا تھا وہ آج روشن تعبیر کی صورت سامنے ہے۔

بنت عاصم [illegible]

وقت کتنا بدل گیا ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ انسانی قدریں، اختیارات، ترجیحات، معیار، کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں رہا۔ نہ بدلا تو تیروں کی مانند چھلنی کرتی دنیا کی زبانوں کا چلن جس کا ہوا روزِ اول سے انسان کو کھائے جاتا ہے اور جو شاید ازل سے اسی طرح دوسروں کو چھیدتی چلی آ رہی ہیں۔ شاید اسی لیے کہا گیا ہے کہ دین سے دنیا نباہنی مشکل۔

میں امی کی لاڈلی بیٹی اور چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں۔ گھر میں جب بھی کسی ناتے نگوڑے رشتے کی آمد ہوتی، وہ دہل اٹھتیں۔

"ہے۔۔۔ ہے ایسا بے ڈھنگا رشتہ! اس سے تو میری سنعیہ کنواری بھلی۔ دنیا کیا کہے گی؟"

اور دنیا میں صفِ اول پر تھے "خاندان والے"۔ جو جہاں امی میسر ہوتیں، چٹکیاں لینے سے نہ چوکتے۔

"آئے، ہائے زبیدہ آپا! اب تو سنعیہ کے ساتھ کی اسماء بھی بیاہی گئی۔ کب کرو گی آخر اپنی سنعیہ کا بیاہ۔ اب کر ہی ڈالو۔"

دوسرے امی کو یوں مشورے سے نوازتے جیسے امی فارغ العقل ہوں یا میری فکر سے بے نیاز ہو کر پیر پسار کر سوتی ہوں۔

میرے مزاج میں نخرہ تھا۔ وہی نخرہ جو لاڈلی اکلوتی اولاد میں ہوتا ہی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سب بھائیوں کی کمائیاں جوڑ جوڑ کر امی نے شاندار جہیز تیار کر رکھا تھا اور اب بر بھی اعلا ترین ہی درکار تھا۔ میں نے بھی مستقبل کے حوالے سے سنہری خواب آنکھوں میں سجا رکھے تھے۔ ایسے ویسے رشتوں کو گھاس نہ ڈالتی تھی۔ اعلا تعلیم حاصل کی تھی اور اپنے لیے خوش حال زندگی کے خواب دیکھتی تھی۔

یہ وہ وقت تھا جب امی میرے لیے اچھے رشتے کی فکر میں ہلکان تھیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سارے بھائی اک اک کر کے ٹھکانے لگتے جا رہے تھے اور میرے سر میں دھوپ بھرتی جا رہی تھی۔

اریب قریب اور عزیز رشتے داروں میں سے آنے والے رشتوں کو امی باہر کا رستہ دکھا چکی تھیں کہ اس خیال سے تشریف لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خوش شکل اعلا تعلیم یافتہ بیٹی کے لیے انہیں بھی نادر و نایاب ہی درکار تھا۔ امی کی آنکھوں کا [illegible] تھیں تو اس کا اہل بھی کوئی ڈاکٹر، وکیل، انجینئر یا اعلا افسر ہی تھا۔ لہٰذا عام رشتوں میں کوئی نہ کوئی نقص چھانٹ کر رد کر دیا کرتیں اور ان نکتہ چینیوں کا یہی انجام ہوتا تھا کہ رشتے آنے ہی بند ہو گئے تھے۔

اک روز میرے خالہ زاد مبشر نے مجھے جا لیا۔ گھنٹہ بھر بٹھا کر اونچ نیچ سمجھائی۔ جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ وہ کبھی بھی دنیا کو خنجر خود ہماری غلطیاں فراہم کیا کرتی ہیں۔ لوگ جتنا دماغ دوسروں کے معاملات میں کھپاتے ہیں، اپنے مسائل میں کھپا لیا کریں تو آدھے فکرات سے ہاتھ جھاڑ لیں۔ مگر چٹخارہ لینا دنیا کی فطرت ہے اس لیے دنیا کی پروا مت پالو۔ اپنی زندگی کے بارے میں سوچو۔ دنیا کے اندیشے سے ہاتھ رد کرو گی تو اک روز خالی ہاتھ رہ جاؤ گی اور یہی دنیا تالیاں پیٹتی نظر آئے گی۔ معیار کے نام پر وقت گنوا کے خسارہ ہی ہاتھ آئے گا اور یہ کہ انسان کو کچھ معاملات تقدیر کے سپرد بھی کرنے

چاہئیں اور کچھ کے لیے جدوجہد بھی ضروری ہے۔ اب سب ہی کچھ تو یکدم اور بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتا نا! کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔ ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ یہ وقت نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لیے چند خوبیاں اگر میسر آ جائیں تو دو چار خامیوں پر خاک ڈال دو، ورنہ ابھی تم دوسروں میں نقص چھانٹتی ہو۔ پھر خود تم میں نقص ہو جائے گا۔ زیادہ عمر کا نقص بن بیاہی لڑکیوں کا مستقبل غیر محفوظ ہوتا ہے۔ کیا بنے گا اگر خالہ بھی نہ رہیں۔۔۔؟"

میری آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ بے اختیار نظروں میں پڑوس کی جمیلہ آنٹی پھر گئیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو آنٹی جمیلہ نے ہمیشہ شادی کے نام پر غل مچایا تھا۔ اب والدین کے گزر جانے کے بعد بھاوجیں جوتی کی نوک پر رکھتیں۔ منٹوں میں بے عزت کر کے گھر سے باہر کھڑا کر دیا کرتیں۔ مبشر بھائی کا فرمان بجا تھا۔ دنیا کو تو کسی صورت قرار نہیں ہے۔ دنیا کی فکر پالو

تو مجھے رہو ہاتھ پر ہاتھ دھر کے۔۔۔۔۔

انھوں نے اسی تجربے کو اپنی ذاتی زندگی میں لاگو کیے رکھا۔ کون نہ جانتا تھا کہ مبشر بھائی کے لیے خالہ کی منتخب کردہ لڑکی آج کل دنیا کی زبانوں کی زد پر ہے۔ چھوٹی آنکھیں' معمولی ناک' گہری سانولی رنگت۔

مبشر بھائی کی زندگی بھی جدوجہد میں گزری تھی۔ پڑھ لکھ کر کسی قابل ہوئے تو سالوں کی بے روزگاری نصیب ٹھہری جب شادی کا مرحلہ آیا تو مانو بال و پر جھڑ گئے تھے۔ اس لیے اپنا معیار کم سے کم تر رکھا۔ جو ملا اسے صبر شکر کے ساتھ اپنا لیا۔ دنیا کی پروا پالتے تو اس سے بھی جاتے کچھ وقت اور آگے بڑھ جاتا اور دنیا کی وہ مثال کہ جینے نہ جینے دے۔

مبشر بھائی کا تجزیہ درست تھا۔ یہ تجربہ مجھے آگے چل کر ہوا اور اس وقت ان کی یہ بات میری عقل میں سمائی تھی کہ معیار کے معاملے میں ہاتھ ہلکا رکھنا ہی بہتر ہے۔

خوش قسمتی سے ان دنوں امیر علی کا رشتہ آیا ہوا تھا۔ امیر علی کی بیوی شادی کے کچھ ہی دنوں بعد کسی وبا کا شکار ہو کر فوت ہو چکی تھی۔ کسی گورنمنٹ اسکول میں ہیڈ کلرک تھے۔ شام میں اپنی موبائل شاپ چلاتے۔ تعلیمی ریکارڈ شاندار تھا۔ آگے پیچھے کوئی تھا نہیں ہزاروں کی آمدنی گھر اسی کو دوسروں کو ہوا سماتا تھا اور امیر علی کے رشتے کے بارے میں سن کر جھٹ کہا تھا۔

"اے لو۔ دنیا کیا کہے گی۔ کنواری لڑکی دوہاجو سے بیاہ دی؟"

اب امی سے کون کہتا کہ کنواری لڑکی اگر بھلے وقتوں میں بیاہی جاتی تو خود جوان بچوں کی ماں ہوتی۔

میں تعلیم یافتہ زمانہ شناس تھی۔ ان گزرے سالوں میں جہاں دنیا کی زبانوں نے مجھے چھید کر رکھ دیا تھا۔ وہیں میرے معیار کو بھی جی بھر کے شرمسار کیا۔ پانی پلوں کے نیچے سے گزر جائے تو پلٹتا نہیں۔ وہ دن دور نہ تھا جب گھر میں بھاوج راج قائم ہو جاتا۔ میری عزت دو کوڑی کی رہ جاتی خدانخواستہ اماں گزر جاتیں تو کون میری فکر پالتا' سب کی اپنی اپنی دنیا میں تھیں۔ اب بات بڑھیا اور شاندار سے اتر کر بس مناسب پر آٹھہری تھی اور امیر علی کا رشتہ معقول تھا۔ مبشر بھائی کے سمجھانے سے یہ نکتہ بخوبی میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ میں نے خاموشی سے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ امی کو بھی سمجھا بجھا لیا۔ جو میری عقل و دانش کی بہرحال قائل تو تھیں۔

مگر دنیا! دنیا کی تیز دھار زبانوں کی دست برد سے بھلا کون بچ سکا ہے۔ حسب توقع چاروں جانب سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔

"اے ہائے زبیدہ آپا! دوہاجو سے بیاہنے کو اتنی عمر بٹھائے رکھا تھا بیٹی کو۔"

"اے بی بی! تمھیں تو بیٹی کی خوب صورتی اور تعلیم پر بڑا ناز تھا۔ حور کے پہلو میں لنگور بٹھاؤ گی؟"

خیر یہ تو دروغ گوئی کی انتہا تھی۔ امیر علی ایسے گئے گزرے بھی نہ تھے۔

"اے تو اب بھی وقت ہے بالا آ گیا تو۔ اس بیری شکل کے ہیڈ کلرک میں تمھیں کیا بھا گیا؟ دو مرلے کے ٹوٹے پھوٹے فلیٹ میں ٹھونسنے کو لاکھوں کا جہیز جوڑا تو کیا؟"

مانو سب ہی خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے تھے۔ مگر میں نے اس بار کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی۔ جانچ گئی کہ یہ وقت گزر گیا تو لوٹ کر آنے والا نہیں۔ امی بھی ڈٹ گئیں۔

"اس سے بڑھیا رشتہ تم بتادو۔ میں اسے چھوڑ کے وہاں کیے لیتی ہوں۔"

تقریباً سب ہی نے زبانیں داب لیں۔ سچ تو تھا۔ دنیا کی وہی مثال کہ بھوکے کو دے نہیں سکتی کھاتے کو دیکھ نہیں سکتی۔ یوں نہ تھا کہ خاندان میں رشتے نہ تھے مگر میرا وجود آپس کی چپقلشوں میں پھنس کے رہ گیا تھا۔ کچھ نے امی کو نیچا دکھانے کے لیے بھی اعلا اور بڑھیا بر تلاش کر لیے۔

خیر' اللہ اللہ کر کے شادی ہو ہی گئی۔ امیر علی کی

مناسب آمدنی تھی۔ کرائے کا تنگ' سیلن زدہ فلیٹ مسائل کا انبار' زندگی ان ہی مسائل کی گاڑی کو کھینچے گزرتی اگر جو میں باعزم نہ ہوتی۔ شادی کے بعد سب سے پہلا مرحلہ تھا خستہ حال پرانے فلیٹ کی جگہ قدرے بہتر کرائے کا گھر ڈھونڈنے کا اور کرائے کا گھر ڈھونڈنا آسان کام ہے بھلا!

☼ ☼ ☼

بوا جی جگت بوا تھیں۔ گنوں کی پوری مگر نصیب کی کھوٹی۔ میاں خیر سے نشئی پائے تھے۔ جو بوا جی کی نسبت سے ہی میاں جی کہلاتے۔ یہ اور بات کہ میاں جی میں ایک بھی خصوصیت بھلے آدمیوں والی نہ تھی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ساری زندگی ان کے عادات و خصائل نے بوا جی کا لہو چوس کے رکھا۔ دھان پان منحنی سے میاں جی بلا کے بدفطرت' تنگے اور شکی مزاج تھے۔ بوا جی کو چھو کر گزرتی ہوا پر بھی انھیں شک گزرتا' اسی سبب بوا جی نے بڑی محدود بلکہ مقید زندگی گزاری تھی۔ بیٹی ایک تھی' جو ان سے بڑھ کر نصیب کی کھوٹی ثابت ہوئی۔ ماشاء اللہ نے دیا ہے (خیر اس میں بھی رب کی کوئی مصلحت ہی رہی ہوگی) بوا جی کی زندگی سلائی مشین کا پہیہ گھماتے گزری تھی۔ اجرت پر سلائی کیا کرتیں۔ ٹکڑوں کے حساب سے گلی محلے کی بچیوں کو سلائی سکھاتی۔ کام یا پڑھایا یہ اور بات کہ اپنی محنت کی اجرت خود انھیں کم ہی نصیب ہوا کرتی تھی۔ گھر کا چولہا جلے نہ جلے میاں جی کو اپنے نشے سے سروکار تھا۔ عرصہ ہوا تھا کام دھندے سے ہاتھ جھاڑ بیٹھے تھے۔ کسی زمانے میں میاں جی نے پولٹری فارم کھولا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں مرغیوں میں کوئی وبا پھیل گئی اور پروا کرتی تھی میاں جی کی جوتی۔ ساری مرغیاں اک اک کر کے مرنے لگیں۔ میاں جی دھت نظر آتے۔ دنیا جائے جہنم میں' اب بھی ہر وقت بوا جی کا کھیسہ خالی کروانے پر تلے رہتے۔ نشہ ان کی رگوں میں لہو بن کے دوڑتا تھا۔ بوا جی کی محنت کی کمائی دھوئیں میں اڑا کرتی تھی اور اللہ بچائے' دنیا کی دو دھاری تلوار ایسی زبان سے۔۔۔۔ لوگ منہ لپیٹے کوئی تو اشارتاً پوچھتے۔

"کیا حال ہیں میاں جی کے۔۔۔ وہ چھوڑ دی؟" تب بوا جی کلس اٹھتیں۔ جل کر کہتیں "نہ' وہ نہیں چھٹتی مجھے چھوڑ دے گا' اسے نہیں چھوڑے گا۔" یہی وجوہات تھیں کہ بوا جی کے حالات کبھی بدل کے نہ دیے۔ گھر میں اب تک ان کے جہیز کا فرنیچر چل رہا تھا۔ پرانے خستہ حال گھر میں ایک اینٹ بھی اضافی نہ لگی تھی۔ اور یہی وہ حالات تھے' جن کے سبب مہ ناز (بوا جی کی بیٹی) بمشکل چند کلاسیں پاس کر کے فیکٹری میں نوکری پر لگ گئی تھی۔ اور میاں جی ایک شکی مزاج ترین باپ۔ بیٹی کی ایک پل نہ بنتی تھی۔ مہ ناز بلا کی تیز و طرار تھی۔ لمبی لمبی زبانیں چلا کے بوا جی کی بھی جان ضیق میں کیے رکھتی۔ وہ خصوصاً باپ سے چڑ کر جس کام سے میاں جی روکتے وہی کر کے چھوڑتی۔ میاں جی کا دھان پان سا وجود بیٹی کے سامنے کبھی نہ ٹھہر پایا تھا۔ اور مہ ناز ہر بار اپنی جیت پر نازاں نئے سرے سے تازہ دم نظر آتی۔ ہو اس معاملے میں بھی اپنی ہی کر کے چھوڑی تھی۔ علی الصبح جلاتی فیکٹری کی گاڑی میں شان سے سینڈل کی ہیل بجاتی بیٹھ کر جاتی۔ اور کچھ ہی وقت گزرا کہ سننے میں آیا فیکٹری کی گاڑی کے ڈرائیور سے مہ ناز کا چکر چل گیا ہے۔ خیر' دنیا کی زبانیں بھلا کون روک سکتا ہے۔ اڑتی اڑتی تو یہ بھی سننے میں آئی کہ حمید سے چپ چپاتے نکاح پڑھوا لینے کے بعد میاں جی کی عزت پر بنی تو انھوں نے جو کچھ بھی تھوڑا بہت تھا' دے دلا کر مہ ناز کو عزت سے رخصت کر دیا تھا۔ خیر یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ مہ ناز نے اپنی پسند سے شادی رچائی تھی۔ مگر یہ بھی طے تھا کہ وہ بوا جی سے بڑھ کر نصیب کی کھوٹی ثابت ہوئی تھی۔ شادی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خلع کی نوبت آ گئی تھی اور آس پاس والیاں کہتیں کہ

"ہو نہ ہو' اس خلع کے پیچھے۔۔۔ مہ ناز کی غلطیاں ہی رہی ہوں گی مہ ناز کے کچھن پہلے کون سے اچھے تھے۔ سوئی اچھال چھکا سی تھی۔ زبان کی ایسی تیز

کہ تو یہ ہی بھلی ہے۔

اور گھروں سے کام کو نکلنے والیاں تو یوں بھی دنیا کے نشانے کی زد پر رہتی ہیں۔ یہ تو پھر مہ ناز تھی جس کے مزاج کی تندی اور زبان کی تیزی سے سب ہی کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اس معاملے میں بھی وہی عالم رہا کہ بد اچھا اور بدنام برا۔ سو مہ ناز کے لیے بھی ایسی ہی باتیں سننے میں آئیں۔

”ایک تو یہ آج کل کی لڑکیاں! اللہ بچائے ان کی دیدہ ہوائیوں سے کیا زمانہ تھا' جب ماں باپ یہ کہہ کر بچی کو رخصت کیا کرتے کہ اب اس گھر سے مر کر ہی نکلنا۔ اب تو ذرا گرم ہوا لگی نہیں اور لگا لیا بچی کو گھٹنے سے' چاہے اپنی روٹیوں کے لالے پڑ رہے ہوں۔“

اب یہ تو بوا جی کا دل ہی جانتا تھا کہ کن کڑے مرحلوں سے گزر کر' یا وہ کیا عوامل تھے' جن کے سبب خلع کی نوبت آئی تھی۔ اللہ بھلا کرے میاں جی کی عقل و دانش کا جنہوں نے زندگی میں ایک اچھا کام یہ کر لیا کہ حمید سے نکاح پڑھواتے ہوئے بے شک مہر شرعی رکھا مگر حق طلاق لکھوا لیا۔ سو رنہ ان میں کہاں دم تھا کہ بچی کو اس موئے حمید سے چھٹکارا دلانے کے لیے کورٹ کچہری کے چکر کاٹتی پھرتیں۔

بہرحال اس تمام قصے میں اک اچھی بات یہ رہی کہ مہ ناز کو بہت جلد اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا۔ اس بار اس نے والدین کی رضا کو تسلیم کر لیا تھا۔ میاں جی نے جیسا ہاتھ لگا ایک بار پھر من پسند شرائط کے ساتھ مہ ناز کو بیاہ دیا۔ مہ ناز جتنی جلد بس کر اجڑی تھی' اس سے کہیں کم عرصہ میں اجڑ کر پھر سے بس گئی۔ مگر میاں جی نے اپنے گھر کے دروازے اس پر بند کر دیے تھے۔

بوا جی پر اب وہ وقت تھا کہ زندگی درست معنوں میں ان کی مزاج پرسی کر چکی تھی۔ یکے بعد دیگرے آزار و مصائب نے مانو انہیں نچوڑ ہی ڈالا تھا۔ ایک وقت تھا کہ ان کا صحن گلی محلے کی بچیوں سے بھرا نظر آتا تھا۔ عمر گزری تھی سلائیوں کڑھائیوں میں بیل بوٹے چھوڑتے ہوئے۔ مگر اب اندھی ہونے کو آئی تھیں۔ اندازے سے سبق دیا کرتیں۔ بلڈ پریشر شوگر کا مرض جان کو لگ گیا تھا۔ ڈاکٹرز نے آنکھوں کا آپریشن تجویز کیا تھا اور آپریشن کے اخراجات۔ الامان۔۔۔ اللہ بھلا کرے ان محلے والیوں کا' جو ان کی دال روٹی ان ہی پڑھنے والی بچیوں اور ان کی ماؤں کے طفیل چل رہی تھی۔ کوئی آکر جھاڑو برتن کر جاتی۔ کہیں سے روٹی آجاتی' کہیں سے چائے۔ نماز کا وقت ہوتا تو بوا جی صحن کی درمیانی دیوار سے ہانک لگاتیں۔ تنکی کے ٹھنڈے' ٹھٹھرے ہوئے پانی کی جگہ گرم پانی کا لوٹا حاضر ہو جاتا۔ سال چھ ماہ میں کسی شاگرد کی شادی ہوتی' تو بوا جی کو ڈھنگ کا جوڑا بھی نصیب ہو جاتا۔ جو وہ کسی اچھے موقع پر پہننے والوں کے لیے سنبھال کر رکھ دیا کرتیں اور اللہ معاف کرے دوسروں کی روٹیاں کھانا کوئی آسان کام ہے۔ دنیا کب کسی کو جتانے یا بھالے گھونپنے سے باز آئی ہے۔ میاں جی کا مزاج جانتے بوجھتے بھی کوئی نہ کوئی چٹکی بھر ہی جاتی۔

”اے بوا جی! اتنا بڑا سارا گھر کیا قبر میں لے کر جاؤ گی؟ درمیان میں دیوار کھینچ کے کرائے پر اٹھا دو تو چار پیسے کا سہارا ہی بن جائے گا۔“

بوا جی چپ کی چپ رہ جاتیں۔ اب یہ کہتیں بھی کیسے بھلا لگتیں کہ میاں جی اس عمر میں بھی ان کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ وہ اب بھی اپنا آنا جانا ان کی غیر موجودگی میں بھگتاتی ہیں۔ میاں جی اگر مکان میں شراکت گوارا بھی کر جاتے' تو ان کے بے جا شک و شبے کی سبب بوا جی کی جان عتاب میں آجاتی۔ اب بھی میاں جی کے وہی لیل و نہار تھے۔ اب تک تو گاڑی کھنچ گئی مگر اب وقت اعصاب پر اتر آیا تھا۔ نشے کی کثرت کے سبب پھیپھڑے جواب دے گئے تھے۔ ہمہ وقت سانس دھونکنی کی مانند چلتی رہتی۔ مگر انہیں ہر قیمت پر نشہ درکار رہتا۔ بوا جی کی کم نظری کی بدولت ان کی مشین کو زنگ لگنے لگا تھا۔ روٹیوں کے لالے پڑنے لگے تو میاں جی کی چوکڑی نکل گئی' چار روز نشہ نصیب نہ ہوا تو تمام شک شبہ ناک کے رستے نکلتا چلا گیا۔ بوا جی کی تھوڑی بہت جمع جوڑ ٹھکانے لگا کر مکان کے درمیان میں دیوار اٹھا دی گئی اور مکان کی بیرونی دیوار پر کرائے کے لیے خالی ہے' لکھا نظر آنے لگا۔

اس گھر کی حالت درست کرنے میں محنت بھی صرف ہوئی اور پیسہ بھی لگا۔ پرانے زمانے کا بنا ہوا خستہ حال گھر تھا۔ لگتا تھا کبھی ایک اینٹ بھی نہ لگائی گئی تھی۔ لٹکتے ہوئے لکڑی کے دروازے' حبس زدہ ماحول گھر بھر میں سیلی سی مہک مکان کے آدھے پورشن میں دو کمرے آئے تھے۔ جو کم از کم اس بدبو زدہ فلیٹ سے تو بہتر ہی تھے۔ کرایہ بھی ہمارے بجٹ میں آرہا تھا۔ داخلی دروازہ اور صحن مشترکہ تھا۔ صحن کی عقبی دیوار میں نصب بڑا سارا پنجرہ شاید ان دنوں کی یادگار تھا جب مالک مکان یعنی میاں جی نے پولٹری فارم کھولا تھا اب وہ پنجرہ خالی پڑا تھا۔ میری واشنگ مشین صحن میں اسی پنجرے کے ساتھ رکھی تھی۔ کپڑے پھیلانے کے لیے صحن کے وسط میں الگنی باندھ لی تھی۔ دوپہر کے بعد تقریباً آدھا صحن سپارہ پڑھنے والی بچیوں سے بھر جایا کرتا تھا۔ ساتھ ہی بوا جی کی سلائی مشین کی کٹ کٹ اور اسی کے ساتھ بوا جی کی آوازیں۔

”اری او بتول! ہاتھ ذرا جما کے چلا۔ مشین کا پہیہ ڈھیلا پڑ رہا ہے۔ ہاتھ میں نہ آجائے۔“

”اری ناس پیٹی شازیہ! تجھے کل کا سبق ابھی تک یاد نہ ہوا! آج تیری چھٹی بند۔“ صحن میں ایک جانب کچن کی کھڑکی تلے اسٹول پر طوطے کا پنجرہ دھرا رہتا۔ جسے بوا جی نے بولنا سکھا رکھا تھا۔ طوطا ہر بات دہراتا' ”اری ناس پیٹی! آج تیری چھٹی بند۔“ غرض یہاں سے وہاں تک آوازیں ہی آوازیں بکھری رہتیں۔

ان دنوں یہ گھر غنیمت تھا۔ امیر علی رات گئے شاپ پر سے آتے تھے۔ مجھے اکیلے پن کا خوف نہ تھا۔ مسائل کا انبار تھا۔ میں بھی تاک میں لگی رہتی۔ ٹیوشنگ کے لیے اشتہار چھانٹ چھانٹ کر فون ملاتی رہتی۔ فائل بغل میں دبا کر جہاں سے بلاوا آتا جا پہنچتی۔ اگرچہ امیر علی مذاق اڑاتے۔

دو چار دن ہے اور یہ خوابوں کا سلسلہ

میں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی یہ خواب نہیں' عزم تھا۔

میں ان دنوں امید سے تھی۔ اللہ اللہ کر کے تو یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے تھے۔ ڈیلیوری کا خرچ ہزاروں میں بنتا تھا۔ کھینچ تان کر ایک چھوٹی سی کمیٹی ڈال دی تھی۔ جو مقررہ وقت پر مل ہی جاتی۔

تھوڑی بہت بھاگ دوڑ کے بعد بالآخر ملازمت نصیب ہو ہی گئی۔ جو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق تھی مگر ترقی کے مواقع تھے۔ آزمائشی مدت میں پرائمری کلاسز کو پڑھانا تھا۔ اگرچہ میں نے اکنامکس میں ایم اے کیا تھا۔ ان دنوں کام کا بوجھ کم ہی رہتا تو بہتر تھا۔ پرنسپل نیک دل عورت تھی' میں کافی کام سمیٹ کر گھر لے آتی تھی۔ غرض بہتری گزر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کل زلیخا سے بوا جی کے میل جول کے بڑے چرچے تھے۔ اونچی لمبی بارعب سی زلیخا۔ جس کے مزاج کی رعونت و بدزبانی کے سبب محلے والیاں اس کے منہ لگتے ڈرتی تھیں۔ زلیخا کا کردار مشکوک تھا اسی وجہ سے سب اس سے کتراتے تھے۔ وہ تین کڑیل جوان بیٹوں کی ماں تھی۔ جو بددماغی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اور ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر تل جاتے۔ زلیخا کے گھر ہزاروں نہیں' لاکھوں کی آمدنی تھی اور بظاہر اس آمدنی کے کوئی ذرائع بھی نہ نظر آتے تھے۔ لوگ کہتے اس کے بیٹے جرائم پیشہ لوگوں سے منسلک ہیں۔ بھانت بھانت کے لوگوں کی آمدورفت اس کے گھر میں رہتی' بیٹے اکثر ہی گھر سے غائب رہتے۔ کئی بار زلیخا کے گھر پولیس نے چھاپے مارے تھے مگر زلیخا کے بڑے تعلقات تھے۔

ایک رات زلیخا کا بڑا بیٹا منظور سویا تو سوتا ہی رہ گیا۔ کسی نے کہا منظور کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ کوئی کہتا کسی زہریلی چیز نے کام تمام کیا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ علی الصبح زلیخا کے گھر سے آہ و بکا کا طوفان اٹھا تو سب سے پہلے قدم اٹھانے والی بوا جی ہی تھیں۔

”پڑوس کا بڑا حق ہوتا ہے اور موت میت کے لیے ہر دروازہ کھلا ہے۔“

بواجی کے پیچھے کئی محلے والیاں چلیں۔ مگر جنازہ اٹھنے کے بعد زلیخا اکیلی ہی گھر میں روتی بلکتی رہ گئی۔ نہ کوئی غم بٹانے والا تھا۔ نہ کوئی حلق میں پانی کی بوند ٹپکانے والا۔ شام تک بواجی نے مسور کی دال کی کھچڑی پکا کر خوان سجا کر بھیجا۔ ساتھ دوسری محلے والیوں کو بھی تاکید کردی۔

"لواحقین کی خبر گیری پڑوسیوں کا فرض ہے۔ زلیخا کے نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔ ہم سے سوال ہو گا تو اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

بواجی کی یہی دردمندی تھی کہ کچھ روز بعد زلیخا اپنی حاجت لیے ان کے دروازے پر کھڑی تھی۔

"مشکور کی فاتحہ ہے جی! کچھ سیپارے پڑھوا دیں۔" بواجی خوب دیکھتیں کہ جنازے کے بعد کسی نے زلیخا کے گھر جھانکا تک نہیں۔ البتہ ان کے فرمان کے بموجب سوئم تک مختلف گھروں سے زلیخا کے گھر خوان ضرور پہنچایا جاتا رہا تھا اور آج زلیخا اپنی حاجت لیے دروازے پر کھڑی تھی۔

"پندرہ سیپارے میں نے پڑھ رکھے ہیں۔ پندرہ آپ پڑھوا دیں۔"

بواجی نے اپنے پاس پڑھنے والی بچیوں سے کلام پاک پڑھوا کر بخشوایا اور زلیخا کے قدم کھل گئے۔ اب وہ آئے روز بواجی کے گھر نظر آتی۔

"دل گھبراتا ہے جی! کہیں دل لگتا ہی نہیں۔ بار بار آنکھوں میں مشکور کی صورت پھرنے لگتی ہے۔ میرا کبھرو جوان بیٹا۔ بڑا خیال رکھتا تھا میرا۔ رات میری ٹانگیں دبائے بغیر نہ سوتا تھا۔"

"اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔ سورۃ یاسین پڑھا کرو۔ قرار آئے گا۔" بواجی مقدور بھر دلجوئی کیا کرتیں۔ زلیخا اب آنے بہانے روز ہی چلی آتی۔

"میری فریج خراب ہو گئی ہے جی! ذرا یہ سالن تو رکھ لیں۔"

بواجی نے اسٹیل کا ڈھکا ہوا کٹورا تھاما۔ بڑے مزے کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ بواجی کا دل مچل اٹھا۔

"کریلے قیمہ پکائے ہیں جی! دل کرے تو کھا لینا۔"

بواجی کی جیسے دلی مراد بر آئی۔ محلے والیاں کھانا بھیجتیں تو دس گھر گاتیں۔ احسان جتاتیں۔ تیل نمک زیادہ پڑ جائے تو طبیعت الگ خراب۔ اب دوسروں پر زور تو نہیں چلتا نا۔ بڑے چٹخارے دار کریلے تھے۔ کئی دنوں بعد پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا۔

پھر یہ سلسلہ ہی چل پڑا۔ زلیخا خود شوگر کی مریضہ تھی۔ جو کچھ بھی پکاتی۔ بواجی کو ضرور بھیجتی۔ اسپیشل شوگر فری مٹھائی منوائی تو بواجی کو بھی بھیجی۔

"شوگر میں تو بندہ پرہیز کرتا ہی مر جاتا ہے۔ اب انسان کہاں تک اپنے دل کو مارے۔"

زلیخا دیکھتی کہ بواجی ہر چیز بینت بینت کر استعمال کرتیں۔ موٹا جھوٹا کھاتیں۔ اور کھلانے والیوں کی باتیں منہ پر انگلی رکھ کر سنا کرتیں۔ میاں جی کو گھر سے علاقہ نہ تھا۔ بواجی کو اکلوتی اولاد کی یاد پر آنسو بہانے کی اجازت تک نہ تھی۔ زلیخا گھر کا اضافی راشن تک ان کے گھر ڈال جاتی۔

"پہلے آٹے کی ایک بوری آتی تھی۔ اب کھانے والا کون ہے۔ مشکور اکیلا تھا تو میرے لیے چاول کی روٹی پکاتا تھا۔ گاؤں سے منوں بوریاں آتی ہیں۔ اب کیڑا لگ جاتا ہے جی!"

بواجی کو میاں جی کا ہوا سمائے جاتا۔ ان کی آمد سے پہلے ہی کسی بہانے سے زلیخا کو چلتا کر دیتیں۔ بات میاں جی کے کانوں میں پڑی تو وہ منمنائے۔

"اس عورت کا ہمارے گھر میں کیا کام؟"

"اب گھر آئے کو نکالا تو نہیں جا سکتا؟" پہلے پہل تو بواجی بے بس سی نظر آئیں۔ پھر ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو گئیں۔ دنیا رو کے ہنس کے اڑائے محلے والے کون سا انہیں پوچھتے تھے۔ روٹی کا احسان جتاتے نہ تھکتے اور اب تو ایک ایک کر کے ساری کھنچ ہی گئی تھیں۔ بیشتر نے اپنی بچیاں پڑھائی سے اٹھالی تھیں۔ بواجی بھی ان گھروں سے آئی پرائیں آنے بہانے کر کے واپس لوٹانے لگیں اور وہ ساری کی ساریاں بلبلوں اچھلیں۔

"ہائے ہائے بواجی کے تو نخرے ہی نہیں سنبھلتے۔

چاول نہیں کھاتیں۔ بڑے گوشت کا پرہیز ہے۔ چائے میں پھوکے سے شکر پڑ جائے تو ٹھنک اٹھاتی ہیں۔"

"جانے روٹی ابیوں کو بواجی کے منہ کا مزہ بدل گیا ہے۔" کسی بجلی لوک نے معنی خیز انداز میں کہا اور اپنے گھر کی راہ لی۔

میں آتے جاتے سنتی مگر خاموش رہتی۔ خوب جانتی تھی کہ انسان اپنے حال میں مست ہو تب بھی دنیا کو جھیل جانا دل گردے کا کام ہے۔ خود میرا کئی بار زلیخا سے سامنا ہوا تھا۔ موسم شدت اختیار کر رہا تھا اور بواجی کے آنگن میں دھوپ بھر کر آتی تھی۔ زلیخا دھوپ کے رخ پر موڑھا رکھ کر بیٹھ جاتی۔ پیار لیتی کبھی اون کا گولہ سلائیاں یا دوپہر کے کھانے کے لیے سبزی بھی وہیں اٹھا لاتی۔ کبھی جو مجھ پر نظر پڑ جاتی تو گہرا بھر سی سانس بھرتی۔

"ہائے با اوجاری... دو جی سے ہے اور ملازمت پر جاتی ہے۔ پتر فکر نہ کرنا۔ آدھی رات کو ضرورت پڑے تو بوہا (دروازہ) کھڑکا دینا۔" میں مسکرا دیتی۔

ملازمت کیا تھی۔ ایک جدوجہد تھی۔ میں نے جانفشانی اور ایمان داری سے کام کیا تھا۔ مگر نصیب نے ترقی کا سفر کیا تھا۔ اب بڑی کلاسوں کو آنرز پڑھایا کرتی تھی۔ تنخواہ میں اضافہ ہوتے ہی امیر علی نے کچھ ایڈوانس پکڑا۔ میں نے کچھ زیور ٹھکانے لگایا اور کسی طرح ایک فلیٹ کی بکنگ کروالی۔ ہم ہر ماہ باقاعدگی سے فلیٹ کی قسط ادا کیا کرتے تھے۔ اگلے سال تک قبضہ مل ہی جاتا۔ امیر علی ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی موبائل شاپ وہ سیٹ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جس سے یقیناً آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا تھا۔ غرض سفر جاری ہی تھا۔ مجھے یقین تھا۔ آنے والا وقت گزرتے وقت کے تمام خساروں کو سمیٹ لے گا۔ کچھ ماہ کی بات تھی۔ پھر کرائے کی علت سے بھی جان چھوٹ جانی تھی۔

مگر زلیخا سے میں بھی کترایا کرتی تھی۔ بواجی کی بات اور تھی۔ وہ ضعیف العمر قابل رحم ہستی تھیں۔ زلیخا ان سے دکھ سکھ کی کہتی۔ جوان بیٹے کی موت نے زلیخا کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سر تا پا بدل گئی تھی۔ مشکور کی

باتیں کرتی تو کرتی ہی چلی جاتی مگر سنتا کون بس اک بوا ہی تھیں۔ جن کا موقف تھا کہ یار کی یاری سے مطلب یار کے فعلوں سے کیا لینا۔ بواجی زلیخا کو مقدور بھر حوصلے سے نوازتیں۔

"صبر کرو جو آیا ہے اسے جانا ہی ہے۔ جلد یا بدیر۔"

مگر زلیخا اور بکھر جاتی۔ کبھی کبھی اس کی ذہنی رو بہک جاتی تھی۔

"میرا مشکور... صبح سے اسٹور میں گھسا بیٹھا ہے۔ اتنی آوازیں ماریں نکلتا ہی نہیں ہے۔" یا پھر کہتی "میرے پاس مشکور کا موبائل نمبر ہے۔ تمبر ملاتی ہوں کہ شاید مشکور بول پڑے مگر کوئی بولتا ہی نہیں۔"

زلیخا ممتا کی ماری تھی۔ بواجی کو اس کا دکھ خود سے قریب محسوس ہوتا تھا۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ جس کی بیٹی دکھی اس کا جگ دکھی تو وہی حال بواجی کا تھا۔ یہ مہ ناز کے پھوٹے نصیب ہی تو تھے جن کے طفیل بواجی خود دعا کرتیں کہ وہ کسی دن سوئے تو سوتی ہی رہ جائے۔ مہ ناز کی دوسری شادی پہلے سے وبال ثابت ہوئی تھی۔ اور بواجی زلیخا کے سوا کس کے سامنے روتیں۔

زلیخا پر بھی کچھ ہی دنوں میں بواجی کے حالات آشکار ہو گئے تھے۔ بیمار شوہر۔ کمسپرسی کی ناتوانی اس پر بیٹی کا دکھ بواجی کی آنکھیں آپریشن مانگتی تھیں۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ گیس بجلی کے بلوں پر بھی نرخ بڑھ گئے۔ کئی ماہ کے بل رکے پڑے تھے۔

ان ہی اداس پژمردہ دنوں میں زلیخا نے بواجی کو امید کی اک راہ دکھائی۔ جسے سن کر بواجی کی آنکھیں چوپٹ کھل گئیں۔ خیر یہ تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ محلے کے کئی گھروں میں ماہ دو ماہ بعد وا کیے آ کر رقم دے کے جاتا۔ جس کی رسید پر پاکستان کا جھنڈا اور کشادہ آنکھوں والی بی بی کی تصویر ہوا کرتی تھی۔

زلیخا کی بات ان کی عقل میں سما گئی۔

زلیخا جس روز انہیں ساتھ لیے حکومت کے انکم سپورٹ پروگرام کے فارم بھروانے رکشہ میں بٹھا کے چلی تو یہاں سے وہاں تک کنبوں نے دروازوں سے

جھانکا اور رشتہ گزرنے کے بعد سرگوشیاں ہی سرگوشیاں پھیلتی چلی گئیں۔

"اری رشیدہ! دیکھتی ہو۔ یہ موئی زلیخا جس کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ بواجی کو کہاں لے جا رہی ہے؟"

"اے بی! جانے دو۔ اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔ بواجی ایسی ننھی چوزی بھی نہیں ہیں کہ زلیخا انہیں زبردستی گھسیٹے لیے جارہی ہو۔ توبہ کرو توبہ۔"

رشیدہ بھلا کیوں پیچھے رہتی اور سلمیٰ نے جھٹ اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"سچ کہتی ہو رشیدہ! بواجی کو بھی کیا سوجھی کہ اس بڑھاپے میں اپنی عاقبت خراب کرنے پر تلی ہیں۔"

دو چار نے اور آگے بڑھ کر رشیدہ اور سلمیٰ سے اتفاق کیا۔

"انسان کا ایمان کب خراب ہو جائے کون کہہ سکتا ہے۔ ان دونوں کی گٹھ جوڑ ضرور کوئی نہ کوئی رنگ لا کے رہے گی۔ مجھے تو پہلے ہی سے خبر تھی۔" یہ اگلی کا دعوا تھا۔

"ایسے ہی تھوڑی راتیں واپس لوٹائی جاتی تھیں۔ حرام کی کمائی کا چسکا جو پڑ گیا ہے بواجی کو۔ غریبوں کی دال روٹی اب ان کے منہ میں نہیں چلتی۔"

کچھ ہی دیر بعد ساری کی ساری توبہ تلا کرتی اپنے اپنے گھروں میں جا گھسیں۔ مگر پھر سب ہی نے اپنی اپنی بچیوں کو پڑھنے سے اٹھا لیا۔ بواجی کے گھر میں الو بولنے لگے۔ خاک اڑنے لگی گھر کے کام دھندے ان کے بس کے کہاں تھے۔ مارے باندھے بھگتاتیں۔ مگر ڈھنڈار سا گھر انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ طوطا بھی اب پروں میں منہ چھپائے بیٹھا نظر آتا۔ ایک سفید رنگ کی بلی پال لی۔ اپنے ہاتھوں سے سرخ رنگ کا پٹہ گھنگھرو ٹانک کر بلی کی گردن کے لیے سیا۔ وہ بواجی کی ایک آواز پر لپکی آتی تھی۔ مگر دن طویل لگنے لگے تھے۔ گزرتے ہی نہ تھے۔

کچھ دن گزرے ڈاکیہ آیا پہلے مرحلے پر پانچ ہزار کا کڑکڑاتا ہوا نوٹ موصول ہوا۔ جسے بواجی نے جھٹ کھیسے میں اڑس لیا۔ زندگی بھر کے خساروں نے بھی سبق بخشا تھا کہ میاں جی کو اس رقم کی ہوا بھی نہ لگنے دی جائے۔

بواجی کی آنکھوں کا آپریشن بھی ساتھ خیریت کے ہو گیا۔ بل بھی ادا ہو گئے۔

زلیخا آتی تو گھٹنوں بیٹھ کے جاتی۔ دونوں ہی اپنی اپنی دکھ سکھ کی کہتیں اور دونوں ہی ممتا کی ماری تھیں۔

مہ ناز جب بھی روتی بلکتی آتی بواجی اسے الٹے قدموں لوٹاتیں۔

"جیسی سیرت ویسی قسمت۔ اپنے پھوٹے مقدر خود ہی بھگتو۔ اس گھر کے دروازے تمہارے لیے بند ہیں۔"

مہ ناز پلٹ جاتی تو بواجی خود بھی آٹھ آٹھ آنسو روتی نظر آتیں۔

"پہلی شادی پر تمہارے میاں جی نے حق مہر شرعی لکھوایا تھا۔ تو سمجھے یہ غلطی کی ہے۔ حق مہر زیادہ ہو تو لڑکی بھاری رہتی ہے۔ دوسری میں سوا لاکھ مہر ہے۔ لیاقت اسے چھوڑے گا نہیں [illegible] گا بھی [illegible] کھٹو نکما گھر کی ایک ایک چیز بیچ کے کھا گیا۔ بھجوا پہ بیچے پلٹے تو مہ ناز سے نکاح پڑھوایا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر اسے دھنک کر گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ بک بک! کاش والدین حق مہر میں بیٹیوں کی اچھی قسمت لکھوا سکتے۔" زلیخا انہیں بھرپور دلاسا دیتی بواجی زلیخا کا دکھ بٹاتیں۔ اور دنیا کہتی بواجی نے غربت سے تنگ آ کر عمر بھر کی نیک نامی پر پانی پھیرتے ہوئے زلیخا سے سازباز کر لی ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر گزارا نہیں ہوتا اور دنیا تو دنیا ہے۔ دنیا کی زباں میں بھلا کون روک سکتا ہے جی!

نبیلہ عزیز

مہرباں

مکمل ناول

مراد حسن ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر تیار ہو رہا تھا جب زیب النساء دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور اس کو یوں تک سک سے تیار دیکھ کر ٹھٹک گئی، اس کے ذہن میں خطرے (شک) کا الارم بجا تھا۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟" فوراً زبان پہ سوال مچلا۔

"ہوں۔" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ٹائی کی ناٹ درست کرنے لگا۔

"آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اعتراض شروع ہوا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ابرار کی کال آئی تھی کہ ہم سب دوست اکٹھے ہو رہے ہیں، تم بھی آجاؤ، میں

بھی فارغ تھا اس لیے بیٹھے بیٹھے پروگرام بن گیا۔" اس نے نہ بتانے کی وجہ بتائی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" زیب النساء نے نیا شوشا چھوڑا مراد ٹھٹک گیا تھا۔

"میرے ساتھ؟"

"ہاں آپ کے ساتھ کیا میں نہیں جا سکتی؟" اس نے تیکھی نظروں سے دیکھا، مراد حسن کی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔

"تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟ ہم سب دوست اکٹھے ہو رہے ہیں یعنی صرف دوست۔" مراد حسن نے زور دے کر کہا تھا۔

"پہلے بھی تو آپ مجھے اپنے دوستوں میں لے کر جاتے ہیں نا؟ آج کوئی نئے دوست تو نہیں ہیں۔" زیب النساء جس بات پہ اڑ چکی تھی سوار ہو چکی تھی، اب اس بات سے ہٹنا کب آسان تھا۔ "پہلے میں تمہیں اپنے دوستوں میں نہیں فنکشن اور پارٹیز میں لے کر جاتا ہوں، جہاں صرف میری بیوی میرے ساتھ نہیں ہوتی، بلکہ سب کی بیویاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیوں مناسب نہیں لگتا؟ کیا میں اتنی ہی بری ہوں کہ آپ اپنے دوستوں کے سامنے نہیں لے جانا چاہتے؟" زیب النساء کی بے تکی ضد اور بحث پہ مراد حسن جھنجلا گیا۔

"اف زیب النساء! اب اس میں بری کی بات کہاں سے آ گئی ہے؟ تمہیں پھر بھی کسی پارٹی میں لے جاؤں گا۔"

مراد حسن نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"میں آپ کے دوستوں میں جاؤں گی تو بے عزت ہو جاؤں گی کیا؟" ہر بات کا الٹا مطلب لینا اس نے نہ جانے کہاں سے سیکھا تھا۔

"تم نہیں، میں بے عزت ہو جاؤں گا، میرے دوست کیا سوچیں گے کہ میں اپنی بیوی کو ہر جگہ ساتھ لیے پھرتا ہوں۔"

"تو بیوی کو ساتھ لے کر پھرنے میں کیا حرج ہے؟" زیب النساء کی بحث جاری تھی۔ مراد وال کلاک کی سمت دیکھ کر رہ گیا، وہاں نو بج رہے تھے اور اس کے دوستوں نے ساڑھے نو بجے ریسٹورنٹ پہنچنے کا کہا تھا۔

"دیکھو زیب النساء یہ لاحاصل بحث ہے، میں بہرحال تمہیں ساتھ لے کر نہیں جا سکتا، ہم لوگ کل شام ڈنر کرنے چلیں گے، تم کل تیار رہنا۔" وہ اپنا والٹ اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا اور قدم دروازے کی سمت بڑھا دیے۔

"آج کس چڑیل کو ٹائم دے رکھا ہے؟" زیب النساء کے اندر کا شک کھلی صورت میں باہر آیا تھا۔ مراد حسن کے قدم تھم گئے۔

"کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"تم نے ضرور کسی لڑکی کو ٹائم دے رکھا ہے، اسی لیے مجھے ساتھ لے کر نہیں جا رہے، تم عیاشی کرنے جا رہے ہو، میں اچھی طرح جانتی ہوں تمہاری رنگ رلیاں۔" زیب النساء [illegible] چلا گئی تھی۔

"بکواس بند کرو اپنی زبان کھینچ لوں گا تمہاری، تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" مراد کا نرم لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا، وہ ہزار بار اسے اس بے بنیاد شک پہ تنبیہ کر چکا تھا۔ لیکن زیب النساء اپنی بدزبانی پہ آئی تو مراد حسن کو آپ کی بجائے تم کہتی۔

"میرے پاس تمہاری ان فضول باتوں کے لیے کوئی ٹائم نہیں ہے۔" وہ وقت زدہ لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ لیکن زیب النساء اس کے پیچھے لپکتی ہوئی باہر آئی تھی۔

"میری باتیں فضول ہیں تمہارے لیے؟"

"ہاں فضول ہیں۔" مراد حسن نے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے جواب دیا۔

"میں بھی فضول ہوں نا تمہارے لیے؟" زیب النساء نے اس کا کوٹ پکڑ کر دبوچ لیا تھا۔

"میں نے کہا نا میرے پاس تمہاری ان فضول باتوں کے لیے کوئی ٹائم نہیں ہے، چھوڑو میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" وہ جھٹکے سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا اور زیب النساء وہیں سیڑھیوں پہ کھڑی رہ گئی۔

"بیگم صاحب! وہ اماں بی بی کا گرم دودھ سے ہاتھ جل گیا ہے، وہ رو رہی ہیں۔" ملازمہ نے دستک دے کر اطلاع دی تھی اور زیب النساء کو مزید تاؤ آ گیا تھا۔

"جلنے دو کم بخت کو، یہ مصیبت میرے لیے رہ گئی ہے، اس کے باپ کو بتاؤ جا کر، جو تفریح کرنے گیا ہے۔" وہ چلانے لگی تھی اور ملازمہ اس کے غصے سے خائف ہو کر فوراً الٹے قدموں بھاگ گئی، زیب النساء کو مراد حسن پہ غصہ ہوتا تو وہ غصہ اماں بی پہ ہی نکلتا تھا، جس پہ مراد حسن کو بہت تکلیف ہوتی تھی، زیب النساء اس کی ناگواری اور تکلیف محسوس کر کے ایسا کام جان بوجھ کر کرتی تھی اور وہ اسے روکتا منع کرتا رہ جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ سب یار دوست کھانا کھانے کے بعد خوش گپیوں میں مصروف تھے جب ابرار سکندر کے موبائل پہ [illegible] تھوڑا تعجب ہوا تھا، پھر کال اٹینڈ کرنے کی غرض سے دوستوں کے درمیان سے اٹھ کر تھوڑا دور چلا آیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی سلام کیا۔

"ابرار بات کر رہے ہو نا؟" دوسری طرف سے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کیا گیا تھا۔

"جی بھابھی! میں ابرار ہی بات کر رہا ہوں۔"

"مراد کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں شک بول رہا تھا۔

"کیوں خیریت تو ہے نا؟" ابرار کو پریشانی ہوئی۔

"جو میں نے پوچھا ہے تم وہ بتاؤ۔" وہ تختی سے بولی۔

"جی مراد میرے ساتھ ہی ہے، آپ بتائیں تو سہی کیا بات ہے؟" ابرار نے مجبوراً پھر استفسار کیا تھا۔

"اس کے ساتھ کون سی لڑکی ہے؟" زیب النساء نے کافی رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"لڑکی؟" ابرار کو حیرت ہوئی، اس نے گردن موڑ کر کچھ دور بیٹھے مراد کو دیکھا، جو دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھا، آج وہ سب دوست شاید تین سال بعد اس طرح اکٹھے مل کر بیٹھے تھے۔

"ابرار! تم چپ کیوں ہو گئے؟ جو میں نے پوچھا ہے وہ تمہیں سمجھ میں نہیں آیا؟" زیب النساء نے طنزیہ کہا۔

"سمجھ میں تو آ گیا ہے بھابھی! اسی لیے تو میں مراد کو غور سے دیکھ رہا ہوں کہ آخر اس کے ساتھ ایسی کون سی لڑکی ہے، جو ہمیں بھی نظر نہیں آ رہی؟" ابرار کا جواب بھی طنز لیے ہوئے تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"بھابھی! میرا مطلب صاف ہے، اس کے ساتھ کوئی لڑکی ہوگی تو نظر آئے گی نا؟ وہ اکیلا ہے، آپ پلیز شک کی عینک اتار کر دیکھیں، اس کے پرانے یار دوست ہیں سب..." ابرار نے اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔

"ہونہہ! میں کون سا ساتھ ہوں اس کے؟ اور وہ تمہارا کزن، تمہارا دوست اور تمہارا سالا ہے، آخر تم اس کے عیبوں پہ پردہ نہیں ڈالو گے تو اور کون ڈالے گا؟" زیب النساء کے شک کا رخ ابرار کی طرف ہو گیا تھا۔

"اگر آپ کو میرے کہے پہ اتنی ہی بے اعتباری تھی تو پھر یہ پوچھ گچھ کرنے کے لیے کال کیوں کی؟" ابرار کو زیب النساء کی بات پہ غصہ آ گیا تھا مگر مراد کی بیوی ہونے کے ناتے وہ اس کا کافی ادب و احترام کرتا تھا ورنہ کوئی اور ہوتا تو دو چار سنا بھی دیتا۔

ابرار غصے سے بند موبائل کو دیکھتا رہ گیا تھا، وہ جانتا تھا کہ مراد کی بیوی بدلحاظ اور بدمزاج ہے لیکن اس حد تک بدزبان بھی ہے یہ اسے آج پتا چلا تھا۔ واقعی یہ مراد کی ہمت تھی کہ وہ اتنے سالوں سے اس کے ساتھ

تباہ کرکے چلا آرہا تھا ورنہ ایسی عورت کے ساتھ تو بندہ ایک دن میں پاگل ہو کے رہ جائے۔

وہ دل ہی دل میں سوچتا واپس دوستوں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"کس کا فون تھا؟ خیریت تو ہے پریشان لگ رہے ہو؟" مراد نے ذرا دیر کے لیے دوستوں کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ابرار چونک گیا تھا۔

"نہیں کسی کا نہیں تھا۔" اس نے فوراً سر جھٹکتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

مراد حسن اور ابرار سکندر دونوں چچازاد بھائی تھے اور دونوں کی بچپن سے بے حد گہری دوستی تھی اور اس گہری دوستی میں عزت و احترام اس وقت آیا جب ابرار کی شادی مراد حسن کی بہن شاہینہ کے ساتھ ہوئی' دونوں ہی اس رشتے کے حوالے سے ایک دوسرے کی بہت عزت اور قدر کرتے تھے لیکن اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی اس رشتے کو لے کر ان دونوں کی دوستی پہ ذرا سی بھی آنچ نہیں آئی تھی اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ابرار کو شاہینہ سے بہت محبت تھی اور وہ دونوں میاں بیوی اپنی شادی شدہ زندگی بہت سکون سے گزار رہے تھے اور مراد حسن اس چیز سے بہت خوش اور مطمئن تھا کہ اس کی بہن کا ہم سفر ابرار سکندر جیسا سلجھا ہوا' سمجھ دار اور مخلص آدمی ہے' جس نے کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ باقی دوست ان دونوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ سالا اور بہنوئی بن کے بھی وہ دونوں کتنے اتفاق اور محبت سے رہتے تھے خوش باش اور بے فکر!

"کیا خیال ہے مراد ہمیں اب چلنا چاہیے؟" بالآخر ابرار نے اٹھنے کا فیصلہ کیا۔

"اتنی جلدی یار؟ اتنے دنوں بعد تو مل بیٹھنے کا موقع ملا ہے؟" ان کے دوست اظہر نے خفگی سے کہا۔

"اتنے دنوں بعد مل بیٹھنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم بیوی بچوں کو بھول جائیں؟" ابرار نے انھیں احساس دلایا۔

"روزانہ بیوی بچوں کے پاس ہی تو ہوتے ہیں' ایک دن بھول جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" حسام بلند آواز سے گویا ہوا۔

"اگر یہی بات ہماری بیویاں سوچنے لگیں تو تمہیں کیسا لگے گا؟" ابرار کے سوال نے ان کو لاجواب کردیا تھا' مراد نے بھی ابرار کو حیرت سے دیکھا تھا۔

"لگتا ہے کافی سعادت مند شوہر ہو؟" حسام نے مذاق اڑایا۔

"کہہ سکتے ہو یار! لیکن اس وقت میں شوہر نہیں ایک باپ بن کے سوچ رہا ہوں' دراصل چھوٹے زاویار کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی' اسے میڈیسن دے کر سلا آیا تھا۔ شہریار تو خیر بڑا ہے لیکن چھوٹے دونوں اپنی ماں کو بہت تنگ کرتے ہیں۔" ابرار نے جواز دیا تھا۔

"اوہ! یعنی سعادت مند شوہر ہی نہیں کیئرنگ باپ بھی ہو؟" حسام نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا مگر ابرار نروس ہونے والا نہیں تھا۔

"بچے میرے ہیں اس لیے کیئر بھی تو مجھے ہی کرنی ہوگی نا؟"

"او کے' او کے جاؤ یار! اپنے فرائض نبھاؤ جاکر۔" انھوں نے طنز اور خفگی سے کہا۔

"اور تم؟" ابرار نے مراد کی طرف دیکھا وہ بھی کھڑا ہوگیا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" "کیوں کیا اب تمہیں بھی بیٹی یاد آگئی ہے؟" ان کا رخ مراد کی طرف ہوگیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے خدا حافظ کہہ کر ریسٹورنٹ کے احاطے سے باہر نکل آئے تھے' ان دونوں کا رخ پارکنگ کی طرف تھا۔

"کیا بات ہے ابرار تم چپ کیوں ہو؟" مراد کافی دیر سے اس کی چپ نوٹ کر رہا تھا۔

"کیا تمہارے اور بھابھی کے درمیان کوئی بات' کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" ابرار نے اپنی گاڑی کے قریب ٹھہرتے ہوئے ذرا رسانیت سے پوچھا۔ لیکن اس کے سوال پہ مراد بری طرح چونک اٹھا۔

"کیوں خیریت؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" مراد کو اس کے سوال پہ حیرت ہوئی تھی۔ وہ چپ رہا تو مراد سمجھ گیا۔

"یار! میں تنگ آگیا ہوں' آخر کیا کروں اس عورت کا؟ کہیں بھی سکون سے رہنے نہیں دیتی' نہ گھر میں' نہ گھر سے باہر۔" مراد ضبط کرتے کرتے بھی یکدم پھٹ پڑا تھا۔

"پلیز یار! آرام سے اور پیار سے سمجھانے کی کوشش کرو شاید اثر ہو ہی جائے؟" ابرار نے ہمت بندھائی۔

"ہونہہ! وہ احساس کمتری کی ماری ہوئی عورت پیار کو بھی پیار نہیں سمجھتی' اس میں بھی شک کی ملاوٹ کردیتی ہے' وہ سمجھتی ہے اس کے ساتھ پیار محبت کا ڈراما کرتا ہوں۔" مراد حسن کا لہجہ تلخ ہوگیا تھا۔

"تو تم انھیں یقین دلاؤ نا کہ تم کسی اور سے نہیں بلکہ ان ہی سے محبت کرتے ہو۔" ابرار نے مراد کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیسے یقین دلاؤں؟ کیا اس کے قدموں میں سر رکھ کے رو دوں' گڑگڑاؤں کہ پلیز میری محبت کا یقین کرلو؟" مراد تلخی اور بے بسی کی انتہا پہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"پاپا میرا ہاتھ جل گیا ہے۔" وہ ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ جب اہل بسورتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی' مراد نے چونک کر اہل کی طرف دیکھا وہ اپنا ہاتھ اسے دکھا رہی تھی' جسے دیکھ کر مراد حسن کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے' اس کے چھوٹے سے ہاتھ پہ جابجا آبلے پڑے ہوئے تھے' یہ آبلے شاید بستر کی رگڑ لگنے سے پھٹ گئے تھے اور وہاں سے جلد اتری ہوئی لگ رہی تھی اور مراد حسن کا دل مٹھی میں آگیا تھا وہ تڑپ کر اس کے قریب آیا تھا۔

"یہ کیسے جلا ہے؟" اس نے کلائی سے پکڑ کر اس کا ہاتھ دیکھا۔

"صاحب جی! اہل بی بی کے ہاتھ پہ گرم دودھ گر گیا تھا۔" ملازمہ چائے لے کر آئی تو مراد کی بات سن کر رک گئی۔

"اتنا گرم دودھ کہاں رکھا تھا؟"

"صاحب جی! دودھ تو کچن میں ہی رکھا تھا لیکن شاید اہل بی بی کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس لیے خود ہی کچن سے دودھ لینے چلی گئیں؟" ملازمہ بتا کر چلی گئی اور مراد نے خونخوار نظروں سے زیب النساء کو دیکھا وہ ناشتا کرنے میں مگن تھی۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" اس کا لہجہ انتہائی سخت اور کھردرا ہو رہا تھا۔

"زیب النساء میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ اس کی خاموشی دیکھ کر تپ گیا تھا۔

"تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ اس وقت تم اپنی عیاشیوں میں مصروف تھے' تمہیں بتاتی تو تم ڈسٹرب ہوتے۔" زیب النساء نے اسے مزید تپا کے رکھ دیا تھا۔

"بکواس مت کرو' کتنی بار کہا ہے کہ اپنی زبان ملازموں اور بچی کے سامنے بند رکھا کرو۔" وہ غرا کے بولا۔

"ہونہہ ملازم اندھے نہیں ہیں۔ رہی تمہاری بچی تو اسے بھی یہ پتا ہونا چاہیے کہ اس کا باپ کیا گل کھلا رہا ہے۔"

"شٹ اپ۔ جسٹ شٹ اپ۔" وہ یکدم دھاڑا۔

"تم اس طرح چیخ چلا کر میری زبان بند نہیں کرواسکتے' میں ساری دنیا کو چلا چلا کر بتاؤں گی کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ تم رات گئے گھر آتے ہو' اور کبھی کبھی تو آتے بھی نہیں ہو۔"

"چٹاخ۔۔۔!" چیخ چیخ کر بولتی زیب النساء کا منہ انتہائی زوردار تھپڑ نے بند کروا دیا تھا۔

"لگام دو' اپنی اس بے ہودہ زبان کو لگام دو' ورنہ یہی زبان تمہیں برباد کردے گی۔" اس نے زیب النساء کو

جبڑے سے پکڑ لیا تھا۔

"میں برباد ہوئی تو ساتھ تم بھی برباد ہو گے مراد حسن!" اس نے جھٹکے سے اپنا چہرا اس کے شکنجے سے چھڑا لیا تھا۔

"یہ بھول ہے تمہاری۔" مراد حقارت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری بھول ہے تو تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم مجھے برباد کر دو گے بلکہ یہ کہو کہ تم اپنے آپ کو برباد کرو گے۔" جواباً وہ بھی پھنکار رہی تھی۔

"ہونہہ!" وہ نفرت سے سر جھٹکتا ہوا پلٹا تو امل کو دیکھ کر ٹھٹک گیا وہ ڈائننگ روم کے ایک کونے میں دبکی گھٹی گھٹی آواز میں رو رہی تھی وہ ماں باپ کو اس طرح خونخوار تیوروں میں دیکھ کر سہم گئی تھی آنسو، کلور اور خوف اس کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔ مراد بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تو وہ یکدم آنکھیں بند کر کے چیخنے لگی تھی۔

"امل میری جان!" اس نے امل کو اٹھا کر دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تھا اور اسے لے کر گھر سے نکل گیا اس کا ارادہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا تھا امل کے ہاتھ کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس میں تھا جب ابرار کی کال آئی۔

"کیسے ہو؟" ابرار نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تم سناؤ کیسے یاد کیا؟" مراد حسن اپنے سامنے ٹیبل پہ پھیلی فائلز میں بزی تھا اسی لیے اس کی مصروفیت اس کے لہجے سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"کہاں ہو تم؟" ابرار نے دوسرا سوال پوچھا۔

"آفس میں ہوں یار! اور کہاں ہوتا ہے؟" مراد کے لہجے میں اچانک تھکن اتر آئی تھی۔ "تھکے ہوئے لگ رہے ہو؟" ابرار کے اندازے پہ مراد مسکرا دیا۔

"میں تھکا ہوا لگ نہیں رہا، بلکہ تھکا ہوا ہوں۔"

"اوہ! تو پھر یہ تھکن اترے گی کیسے؟ کیسے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ شوہر جن کی تھکن بیویاں سمیٹ لیتی ہیں۔" مراد کے انداز میں حسرت تھی ابرار چپ سا ہو گیا تھا اس کا جی چاہا وہ فون بند کر دے اور اپنے دوست کو مزید پریشان نہ کرے مگر تائے بغیر چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"آفس سے تم کب ہو رہے ہو؟"

"پانچ بجے کیوں؟" مراد ٹھٹکا۔

"واپسی پہ گھر جاتے ہوئے ہماری طرف سے ہو کر جانا۔" ابرار نے آخر کہہ ہی دیا۔

"خیریت تو ہے نا!" مراد کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"ہاں خیریت ہے وہ دراصل زیب النساء بھابھی اور امل ہماری طرف ہی ہیں۔" ابرار نے اس کی تسلی کے لیے بتا دیا۔

"زیب النساء اور امل؟" مراد زیر لب دہرا کے رہ گیا تھا۔

"ہاں کافی دیر سے وہ یہاں ہی ہیں اسی لیے تم سے کہا ہے کہ واپس جاتے ہوئے تم بھی آ جانا۔ آرام سے بیٹھ کر بات ہو گی۔" ابرار نے جانے کیا سوچ کر مراد کے پوچھنے سے پہلے اور کچھ کہنے سے پہلے ہی فون بند کر دیا تھا اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا گویا اب وہ عورت اپنے گھر کا مسئلہ اور جھگڑا لے کر دوسروں کے گھر پہنچ گئی تھی؟ اب وہ اس کے بہن اور بہنوئی کو ڈسٹرب کرنے کے چکر میں تھی؟ یعنی مراد حسن کو ذلیل کرنے کا ایک اور طریقہ پر عمل پیرا تھی؟ وہ سوچتے ہوئے سب کچھ چھوڑ کر یکدم کھڑا ہو گیا تھا "انتہائی ضروری کام بھی یونہی ادھورا پڑا رہ گیا تھا اس کا دھیان تمام فائلز سے ہٹ کے ابرار اور شاہینہ کی طرف ہو چکا تھا جو اس وقت زیب النساء جیسی ناگہانی آفت کو بھگت رہے تھے۔

"آر یو آل رائٹ سر؟" اس کی سیکریٹری اندر داخل ہوئی تو اسے یوں کھوئی کھوئی متفکر سی کیفیت میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

"ہوں، آئی ایم ویری تھنک آف یو۔" وہ سرہلاتا ٹیبل کی طرف پلٹا اب کچھ سمیٹ کر کام ہونے کے باوجود وقت سے پہلے ہی آفس سے اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"السلام و علیکم۔" اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے کافی سرد آواز میں سلام کیا تھا۔

"مراد بھائی!" شاہینہ اتنے دنوں بعد اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھی فوراً لپک کے قریب آ گئی۔ "کیسی ہو؟" مراد نے اس کا سر تھپکا۔

"ٹھیک ہوں آپ سنائیں۔"

"میں کیا سناؤں؟ میری بیوی اتنا کچھ سنا تو چکی ہو گی ہے کہ میرے سنانے کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی۔" مراد کا لہجہ کاٹ دار تھا سامنے صوفے پہ بیٹھی زیب النساء کے آنسوؤں میں شدت آ گئی تھی وہ لوگوں کے سامنے اپنی مظلومیت اور معصومیت کے ریکارڈ آنسوؤں کے ذریعے ہی توڑتی تھی۔

"بھائی! آپ بیٹھیے تو سہی۔" شاہینہ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا وہ آہستگی سے بیٹھ گیا۔ برابر والے صوفے پہ ابرار بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"امل کو ہاتھ پہ کیا ہوا ہے؟ میری بچی کس کے پاس ہے؟" وہ پوچھ تو ابرار سے رہا تھا لیکن نظروں کی تلوار زیب النساء کے وجود پہ لٹک رہی تھی جیسے ابھی کاٹ کے رکھ دے گی۔

"آپ لوگوں کا صبح کوئی جھگڑا ہوا تھا؟" ابرار زیب النساء کی طرف اس لہجے سے بول رہا تھا۔

"ہاں ہوا تھا جھگڑا۔" اس نے اعتراف کیا۔

"تم نے بھابھی پہ ہاتھ اٹھایا؟"

"ہاں۔"

"مگر کیوں؟"

"شوہر کبھی بھی بیوی پہ ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ بلکہ بیوی اسے ہاتھ اٹھانے پہ خود مجبور کرتی ہے۔" مراد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے نا؟"

"ہونہہ! تو مسئلہ حل کون کرنا چاہتا ہے بھلا؟" مراد نے طنزیہ کہا۔

"مراد پلیز! آپ لوگ ایک دوسرے سے بدگمانی چھوڑ کر کچھ دیر آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اصل مسئلہ میری بدصورتی ہے، جو کبھی بھی حل نہیں ہو گی۔" زیب النساء نے مداخلت کی لہجہ روہانسا تھا۔

"اصل مسئلہ تمہاری بدصورتی نہیں تمہاری بدسیرتی ہے، تمہاری ذہنیت ہے، تمہارا احساس کمتری ہے، تمہاری گھٹیا اور چھوٹی سوچ اصل مسئلہ ہے جو کبھی بھی حل نہیں ہو سکتا۔" مراد نے لفظ چبا چبا کر کہے تھے۔

"دیکھا ابرار بھائی! یہ اس طرح بات کرتے ہیں مجھ سے؟" اس نے اپنے طرف دار کو گھسیٹا۔

"تم مجبور کرتی ہو مجھے۔" مراد کا لہجہ سرد تھا۔

"مراد!" ابرار نے اسے تنبیہہ کی۔

"یار! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اس نے اپنی بدصورتی کو ایک طوق بنا کر میرے گلے میں ڈال دیا ہے اور وقفے وقفے سے مجھے یاد دلاتی رہتی ہے کہ یہ بدصورت ہے، یہ اپنی بدصورتی کا ڈھنڈورا خود پیٹتی ہے، اس سے پوچھو کیا میں نے کبھی بھی اسے بدصورت کہا ہے؟ اس کا ہر حق ادا کیا ہے، ہر فرض پورا کیا ہے، ہر بات کو اہمیت دی ہے پھر بھی۔ آخر کیوں؟ کیا کمی ہے میرے خلوص میں؟" مراد جھنجلا گیا تھا۔

"کمی تم میں نہیں، کمی تو مجھ میں ہے۔" زیب النساء کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

"تو پھر تم اپنی کمی کو میری سزا کیوں بنا رہی ہو؟" مراد نے تیز آواز میں کہا۔

"کیونکہ تم مجھے میری اس کمی کا احساس دلاتے ہو، گھر سے باہر رہ کر مجھے یہ باور کرواتے ہو کہ تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔" زیب النساء نے پھر وہی پسند اور ناپسند کی تکرار شروع کر دی تھی مراد زچ ہو چکا تھا۔

"مجھے تمہارا وجود نہیں تمہاری باتیں گھر سے باہر رہنے پہ مجبور کرتی ہیں، تمہاری باتیں ناپسند ہیں مجھے۔" مراد [illegible] کر بولا تھا۔

"تو یہی کہہ دو نا کہ میں بھی ناپسند ہوں؟ میری باتیں بری لگتی ہیں تو یقیناً میں بھی تو بری ہی لگتی ہوں گی؟" وہ اپنے موقف پہ ڈٹی ہوئی تھی، وہ چاہتی تھی کہ مراد حسن اس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور وہ جواباً ہنگامہ کھڑا کر دے لیکن مراد حسن نے کبھی بھی اس کی بدصورتی کو ایشو نہیں بنایا تھا، ماں باپ نے اس کے ساتھ شادی کر دی اور وہ ماں باپ کی خوشی میں خوش ہو گیا لیکن زیب النساء، مراد حسن کی مردانہ وجاہت اور شاندار پرسنالٹی کے سامنے اپنے آپ کو انتہائی کمتر سمجھتی تھی، اس کے سامنے وہ دب جاتی تھی اور یہ احساس اسے لوگوں کی نظروں سے بھی ہوتا تھا، کسی محفل میں جہاں مراد حسن ہوتا وہاں زیب النساء کو اپنا وجود نظر ہی نہیں آتا تھا۔ زیب النساء اس کے برابر کھڑے ہونے سے بھی کترا جاتی تھی۔ وہ فنکشنز اور پارٹیز میں دوسری خواتین کے ساتھ گفتگو کرتا تو وہ جل جل کر راکھ ہوئی رہتی اور پھر اس کی یہ جلن اور احساس کمتری مراد حسن کے لیے شک کا روپ دھار گئی۔ اس نے اپنی حرکتوں اور اپنی باتوں کی وجہ سے مراد حسن کا سونا جاگنا، کھانا پینا حرام کر کے رکھ دیا تھا، پہلے وہ چپ ہو جاتی اور دب کے رہتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کے غبار کو راستہ مل گیا۔ اسے زبان ہلانا آ گیا تھا، اسے منہ کھولنا اور آگ اگلنا آ گیا تھا اور اس نے مراد حسن کا لحاظ کرنا چھوڑ دیا تھا، اب وہ بات بھی کرتی تھی تو چھت پھاڑ کے۔ اس نے مراد حسن کو ہر جگہ ذلیل کر کے رکھ دیا تھا حالانکہ مراد حسن کہیں بھی قصوروار نہیں تھا۔ لیکن اس نے اسے قصوروار بنا دیا تھا۔ آج وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سر جھکائے بیٹھا راکھ ہو رہا تھا۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟" مراد نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کافی تحمل سے پوچھا تھا۔

"تم غیر عورتوں کے پاس جانا چھوڑ دو۔" زیب النساء کی وہی ایک بات تھی۔ مراد نے اپنے برابر بیٹھے ابرار کو دیکھا، ابرار نظریں چرا گیا وہ جانتا تھا کہ زیب النساء مراد پہ بے بنیاد الزام لگا رہی ہے۔

"تم بتاؤ اب میں کیا جواب دوں؟" مراد نے ابرار سے پوچھا کیونکہ وہی اپنی بھابھی کا طرف دار بنا بیٹھا تھا۔

"دیکھیے بھابھی یہ آپ کی غلط فہمی ہے، مراد کا کسی کے ساتھ کوئی چکر نہیں ہے۔ وہ آپ کے ساتھ مخلص ہے، پلیز بھابی۔" ابرار نے کافی متانت سے بات کی تھی لیکن زیب النساء تو زیب النساء ہی تھی نا

"کس چیز کے بل بوتے پہ یقین کروں؟" ایک طرف زیب النساء ابرار سکندر کو بھائی کہہ کر اس سے بھائیوں والا مان طلب کر رہی تھی اور جب وہ اسے مان بخش رہا تھا تو وہ اپنی بے اعتباری دکھانے لگی تھی، ابرار چپ کر گیا۔

"بتائیے نا کس بل بوتے پہ یقین کروں؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"جب آپ کو ایک بھائی پہ یقین نہیں ہے تو کسی اور پہ یقین کیوں ہو گا؟" ابرار نے افسوس سے گردن ہلائی۔

"مجھے اس لیے یقین نہیں ہے کیوں کہ تم میرے نہیں مراد حسن کے بھائی ہو، تمہیں میری نہیں اس کی بات ٹھیک لگے گی، تمہیں میں غلط نظر آؤں گی، تم سب مجھے ہی دوش دو گے اور اسے نیک اور پارسا سمجھو گے کیونکہ وہ تمہارا اپنا ہے اور میں غیر۔" زیب النساء کا واویلا شروع ہو گیا۔

"دیکھیے بھابھی آپ غیر نہیں ہیں، آپ ہماری کزن ہیں، ہماری بہن ہیں ہماری اپنی ہیں آپ پلیز اپنے آپ کو تنہا مت سمجھیں۔" شاہینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر زیب النساء کے قریب آ بیٹھی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے تسلی دینی چاہی لیکن زیب النساء یکدم بدک کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"کیوں نہ سمجھوں تنہا؟ تم مراد حسن کی بہن ہو، اس جیسی ہی گھنی اور میسنی، میں جانتی ہوں تم ہی اسے اندر ہی اندر میرے خلاف پٹیاں پڑھاتی ہو، تمہارا اور تمہارے شوہر کا کیا دھرا ہے سب کچھ تم سب مل کر میٹنگ کر رہے ہو۔" وہ یکدم چیخی اور مراد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے یکدم اسے ایک زناٹے دار تھپڑ دے مارا تھا۔ جبکہ ابرار اور شاہینہ اپنی اپنی جگہ پہ شاکڈ رہ گئے تھے اس نے ان دونوں میاں بیوی پہ کتنا بڑا الزام لگا دیا تھا وہ ایسی بات کہہ گئی تھی جو انہوں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں سوچی تھی۔

"گھر چلو۔" مراد نے پتھریلے لہجے میں کہا۔

"نہیں جاؤں گی، میں آج تمہارے ساتھ کوئی فیصلہ کر کے ہی جاؤں گی۔" وہ انکاری تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں گھر چلو۔"

"نہیں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے نہ جاؤ، لیکن میں نے آج فیصلہ کر لیا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ یکدم کہتے ہوئے مڑا اور وہاں سے چلا گیا تھا، ابرار اور شاہینہ جوں کے توں بیٹھے رہے جبکہ زیب النساء پھنکار رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"طلاق کا" زیب النساء طلاق [illegible] بتانے میں لگی تھی [illegible] آنکھیں [illegible] تھیں، رات کو مراد حسن اکیلا ہی گھر آ گیا تھا اور غصے کی وجہ سے اس کی حالت ایسی تھی کہ شاہینہ نے نا چاہتے ہوئے بھی ناگواری کے باوجود زیب النساء کو گھر پہ روک لیا تھا، وہ جانتی تھی کہ مراد اس کی کہی بات کو معاف نہیں کرے گا اس لیے مزید دنگا فساد پھیلانے سے بہتر تھا کہ زیب النساء کچھ دیر اس کی نظروں سے اوجھل ہی رہتی، زیب النساء رکنے کو تیار نہیں تھی لیکن نجانے کیا سوچ کر وہ رک ہی گئی تھی۔ لیکن صبح ہوتے ہی اس نے واپسی کا شور مچا دیا تھا، اس کو تیار کیا اور ابرار کے ڈرائیور کے ساتھ گھر آ گئی لیکن جیسے ہی وہ کمرے میں پہنچی بیڈ پہ اس کا طلاق نامہ رکھا تھا وہ چکرا گئی تھی۔

"مراد حسن نے مجھے طلاق دے دی؟" وہ گم صم لہجے میں خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی اور وہیں بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی۔ اس نے کمرے میں چاروں اطراف نظر دوڑائی، کمرے کی ایک ایک چیز اجنبی اور پرائی ہو چکی تھی، حالانکہ اس نے اس کمرے میں چھ سال گزارے تھے مگر چھ سالوں کی رفاقت چند منٹوں میں اجنبی ہو گئی تھی، زیب النساء کو وہیں بیٹھے بیٹھے نجانے کتنی دیر گزر گئی۔ مراد حسن بھی گھر آ گیا تھا وہ کہیں گیا ہوا تھا شاید! اسے دیکھ کر زیب النساء تیر کی طرح قریب آئی تھی۔

"مراد تم نے..... تم نے مجھے طلاق دے دی؟" اس نے مراد حسن کا بازو دبوچ لیا۔

"ہاں میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔"

اس کا لہجہ سرد و سپاٹ تھا زیب النساء کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور اس پہ وحشت سوار ہو گئی تھی۔

"کیوں؟ تم نے مجھے طلاق کیوں دی؟ کیوں دی تم نے طلاق؟" وہ مراد پہ جھپٹ پڑی تھی لیکن مراد نے اسے ایک جھٹکے سے دور پھینک دیا تھا۔

"تم جنونی اور پاگل عورت یہ بھول رہی ہو کہ اب میں تمہارے لیے نامحرم ہوں، تمہیں میرے قریب تو کیا میرے سامنے بھی نہیں آنا چاہیے۔" مراد حقارت سے بول رہا تھا۔

"میں پاگل اور جنونی ہوں میں بدصورت اور بری ہوں لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی مراد حسن! تم مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔" زیب النساء نے کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دی تھیں، مراد کچھ بھی کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ آج اپنے ضروری کام نپٹاتا پھر رہا تھا اس کے ارادے کیا تھے یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ زیب النساء نے شاہینہ اور ابرار کے گھر فون کر کے مغلظات بکنا شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ مسئلہ طلاق کے بعد حل ہونے کی بجائے مزید گمبھیر ہو گیا تھا کیونکہ مراد حسن نے اپنی بیٹی اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور زیب النساء کو گھر چھوڑنے کا

کہا تھا لیکن زیب النساء بھی وارثانی کیوں جانے دیتی؟ اس نے امل کو اپنے پاس رکھنے کا شوشا چھوڑ دیا تھا مگر مراد حسن اس جیسی ذہنی مریضہ کے پاس اپنی بیٹی کو چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا' اس نے امل کو زیب النساء کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن زیب النساء نے اس انکار کو اپنی ضد بنا لیا وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر عدالت پہنچ گئی۔ ابرار اور شاہینہ نے مراد کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ امل کو زیب النساء کے حوالے کر دے مگر وہ ایسا نہیں چاہتا تھا' وہ اپنی بیٹی کی تربیت خود کرنا چاہتا تھا' لیکن عدالت نے اپنا فیصلہ سنا کر مراد حسن کو مجبور و بے بس کر دیا تھا' فیصلہ زیب النساء کے حق میں ہوا تھا' اس لیے وہ مزید مقابلے پہ کھڑا نہ رہ سکا اور امل کو زیب النساء کے پاس بھیج دیا۔

لہٰذا امل کے جانے کے بعد "فوراً" ہی اس نے اپنا ٹکٹ کنفرم کروا لیا تھا' اس نے اندر ہی اندر اپنے امریکا جانے کے انتظامات مکمل کر رکھے تھے' ارادہ تھا کہ امل کو بھی ساتھ لے کر جائے گا لیکن زیب النساء آڑے آگئی تھی' سو مجبوراً" اسے اکیلے ہی جانا پڑا تھا لیکن جانے سے پہلے اس نے بیٹی کی سہولت کے لیے ایک فلیٹ اور گاڑی خرید کر زیب النساء کے نام کر دی تھی' حق مہر کی رقم تو وہ پہلے ہی اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا چکا تھا البتہ امل کے اخراجات کے لیے بھی اس نے الگ سے کیش بھجوایا تھا اور آئندہ ماہانہ خرچے کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھائی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا بھی۔ پھر اس نے دوسری شادی بھی کر لی اور دوسری بیوی سے دو بیٹے بھی ہو گئے تھے لیکن پھر بھی امل کے معاملے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے چند سالوں میں ملنے والا سب سے بڑا دھچکا ابرار سکندر کی موت کا تھا۔ مراد حسن اور شاہینہ ابرار سکندر کی ناگہانی موت کے بعد جیسے خالی خالی سے ہو گئے تھے۔ شاہینہ شوہر کی دائمی جدائی اور مراد حسن دوست کے بچھڑ جانے کا غم ماتم کی صورت میں منا رہے تھے' زندگی میں پہلی بار مراد حسن یوں رویا تھا۔ اس کے سارے رشتے ابرار سکندر سے منسوب تھے' وہ اس کا یار اس کا غمگسار تھا۔ اس کا ہمدرد اور ہم راز بھی تھا۔ لیکن اس کڑے وقت میں اسے حوصلہ بلند رکھنا تھا کیونکہ ابرار سکندر کے بچے اکیلے تھے' یتیمی کا دکھ انہیں بھی دن رات رُلا رہا تھا' شاہینہ بکھر کے رہ گئی تھی ایسے میں صرف مراد حسن ہی تھا' جو انہیں سنبھال سکتا تھا اور اس نے اپنی پوری پوری کوشش کر ڈالی تھی۔

ابرار سکندر بینک میں جاب کرتا تھا اور اس کی ڈیتھ کے بعد بینک کی طرف سے یہی جاب شاہینہ کو آفر ہوئی تھی' وہ پڑھی لکھی اور سمجھ دار عورت تھی' جب ہی مراد کے منع کرنے کے باوجود یہ جاب کر لی تھی وہ اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانا چاہتی تھی اور اللہ نے اسے بہتر موقع فراہم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود مراد حسن نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا تھا وہ ساتھ ساتھ ان کی ہیلپ کر رہا تھا۔

شہریار تعلیم سے فارغ ہوا تو اسے چھوٹا موٹا کاروبار سیٹ کروا دیا تھا اور زاویار کی خواہش پہ اس کا ویزا اپلائی کروا دیا اور محض تین مہینے میں اس کا ویزا او کے ہو گیا اور وہ اپنے ماموں مراد حسن کے پاس امریکا چلا گیا تھا۔ چھوٹے دونوں بہن بھائی اسنی اور عینی ابھی اسکول میں پڑھ رہے تھے' اس لیے شاہینہ ان کی طرف سے بے فکر تھی' اسے سب سے زیادہ فکر شہریار اور زاویار کی طرف سے تھی' کیونکہ وہ جس ایج میں تھے اس میں بگڑنے کے امکانات زیادہ تھے لیکن مراد حسن انہیں بڑے طریقے سے ہینڈل کرتے تھے' اب شہریار بزنس میں کامیابی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا اور زاویار تعلیمی ریکارڈ بنانے کی دھن میں مگن تھا' شاہینہ اس چیز پہ خوش اور مطمئن تھی اور مراد کو بھی اطمینان تھا۔ البتہ مراد حسن کی اپنی بیٹی کی تعلیم و تربیت کیسی ہوئی تھی' وہ کوشش کے باوجود نہیں جان سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا اسکول جانا بند۔" وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جب زیب النساء نے حکم صادر کیا تھا۔

"مگر ممی! ابھی تو میں نے میٹرک بھی نہیں کیا۔" امل نے حیرانی سے کہا۔

"ضرورت ہی کیا ہے؟" زیب النساء تمسخرانہ بولی۔

"ممی! تعلیم ضرورت دیکھ کر تو نہیں..."

"بس بس مجھے سبق پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے' تم نے جتنا پڑھ لیا ہے وہی کافی ہے' میں تمہاری اتنی مہنگی فیسیں نہیں بھر سکتی' تمہارا باپ فیکٹریاں میرے نام کر کے نہیں گیا' جن کی آمدنی تم پہ خرچ کر دوں۔"

"یہ دو کمرے کی قبر اس نے ہمارے نام کی ہے' ایک تجھے دفن کرنے کے لیے اور ایک مجھے دفن کرنے کے لیے۔" زیب النساء نے فلیٹ پہ ایک تحقیر بھری نظر ڈالی۔

"تو نہ لیتیں [illegible] تم کیوں [illegible]۔" امل تلخی سے بولی۔

"اگر نہ لیتی تو کہاں جاتی منحوس؟"

"ہونہہ۔ منحوس میں نہیں' منحوس تو آپ ہیں' آپ [illegible] جیسا گھر اس نہیں آیا اور اٹھ کر اس کوٹھڑی میں [illegible] اپنی زبان سے اپنی زندگی تباہ کر ڈالی اور ساتھ ساتھ مجھے بھی ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا' کیا ملا آپ کو ایسا کر کے؟ اب تو خوش ہیں نا؟" امل یکدم پھٹ پڑی تھی' اپنی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی بچی تھی لیکن ماں کی بدزبانی نے اسے بھی تیز دھار بنا دیا تھا وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں کہہ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ماں کا لحاظ بھی نہیں کرتی تھی۔

"تو مجھے باتیں سناتی ہے؟ میں تیری ہڈیاں پیس کے رکھ دوں گی۔" زیب النساء نے ہاتھ میں پکڑے بیلن سے اسے مارنا شروع کر دیا تھا اور امل کی چیخوں سے پورا گھر گونج اٹھا تھا' زیب النساء کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا' وہ اس کو مار مار کے ہانپنے لگی تھی اور امل قالین پہ گری تڑپ رہی تھی بیلن اس کی کہنی کی ہڈی پہ لگا تھا اور درد کی لہریں پورے جسم میں اٹھ رہی تھیں' تھپڑ بھی پڑا تھا جس سے گال اندر سے پھٹ گیا تھا اور منہ سے خون بہنے لگا تھا۔

"اگر اتنی ہی ہمدردی ہے اپنے باپ سے تو چلی جاؤ اس کے پاس' آٹھ سال ہو گئے ہیں وہ تیری شکل پہ تھوکنے بھی نہیں آیا' اگر اتنی ہی پروا ہوتی تو تجھے اپنے ساتھ لے کے جاتا' مہینے کے مہینے خیرات نہ بھجواتا۔"

اس نے قالین پہ جھک کر امل کے بالوں کو جھنجوڑا اور امل اپنی تکلیف پہ روتی بلکتی اٹھنے کی کوشش کرتی رہ گئی تھی۔ زیب النساء اسے ٹھوکر مار کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور پھر یہ مار پیٹ کا سلسلہ چل نکلا تھا کیونکہ امل کو جواباً" زبان کا استعمال کرنا آگیا تھا' جو زیب النساء کی برداشت سے باہر ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ان کے فلیٹ میں دنگا فساد مچ جاتا تھا' باہر تک آوازیں جاتیں ان دونوں ماں بیٹی کے منہ سے نکلنے والے مغلظات کی کوئی حد نہیں ہوتی تھی' بلکہ امل اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے تھی' زیب النساء کا رنگ اس پہ پوری طرح سے آیا تھا اور اسی گھٹے گھٹے ماحول نے اس کو اتنا منتشر کر دیا کہ اب اسے وحشت کے دورے پڑنے لگے تھے اور اس دورے کے دوران وہ خود خوف زدہ بھی ہو جاتی تھی اور خطرناک بھی۔

اس نے ایک بار چھری لے کر زیب النساء پہ حملہ بھی کیا تھا مگر اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ اس کے وار سے بچ گئی تھی' البتہ بازو اور ہاتھ زخمی ہو گئے تھے اور اب زیب النساء کو اپنا آپ خطرے میں لگنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شہریار' شہریار! کہاں ہو بیٹا؟" شاہینہ اسے پکارتے ہوئے اوپر آئیں۔

"جی امی! کیا بات ہے؟" شہریار اپنے بیڈ روم سے نکل آیا۔

"زاویار آ رہا ہے۔" انہوں نے خوشی خوشی بتایا۔

"او وہ تو مجھے بھی پتا ہے۔"

"لیکن اس کے ساتھ کوئی اور بھی آرہا ہے۔" شاہینہ کے لہجے میں خوشی رقص کر رہی تھی۔

"کون؟"

"تمہارے ماموں۔" شاہینہ کا چہرہ دمک رہا تھا' مراد حسن چودہ سال بعد پاکستان آرہے تھے اور ایک بہن کے لیے یہ خوشی کچھ کم تو نہ تھی۔

"سچ؟ پھر تو واقعی بہت خوشی کی بات ہے۔" شہریار کو بھی سن کر خوشی ہوئی تھی' ان کا فیوچر بنانے میں ان کے ماموں کا بہت بڑا ہاتھ تھا آج وہ دونوں بھائی انہی کی وجہ سے اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تھے۔

"اکیلے آرہے ہیں؟"

"ہاں فی الحال تو اکیلے ہی آرہے ہیں لیکن ان شاء اللہ بہت جلد اپنی فیملی کو بھی یہیں لے آئیں گے۔" شاہینہ کی ابھی ابھی مراد حسن سے تفصیلی بات ہوئی تھی۔

"لیکن یہ اچانک کیسے پروگرام بن گیا؟"

"پروگرام اچانک نہیں بنا' بلکہ بنوایا گیا ہے۔" شاہینہ مسکرا اٹھیں۔

"کیا مطلب؟" شہریار نا سمجھی سے بولا۔

"میں نے ان سے کہا تھا کہ شہریار کی شادی کی ڈیٹ اس روز فکس کروں گی جس روز آپ آئیں گے میں اکیلی بیٹے کی شادی نہیں کر سکتی۔ سو انہیں میری بات ماننا پڑی' اسی لیے آرہے ہیں۔" شاہینہ نے ساری بات بتائی۔

"اوہ! تو اصل وجہ میں ہوں؟ وہ میرے لیے آرہے ہیں؟" شہریار نے کالر کھڑے کیے۔

"تمہارے لیے نہیں' تمہاری شادی کے لیے۔" انہوں نے مسکرا کر چپت لگائی۔

"تو پھر کب ہو رہی ہے میری شادی؟" شہریار نے شرارت سے پوچھا۔

"جب تمہارے ماموں نے کہا۔" وہ کہہ کے اٹھ گئیں۔ یہ خوشخبری منگیتر کو سنانی تھی اسی لیے نیٹ

آن کر لیا تھا اور ابھی وہ اپنی منگیتر سے بات کر ہی رہا تھا کہ اسفی اور مینی اس کے بیڈ روم میں آن دھمکے وہ بھی یہی خبر سن کر آرہے تھے' جب ہی تو بھنگڑا ڈال رہے تھے اور اسے تنگ کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

اور ایک ماہ بعد جیسے ہی زاویار اور مراد حسن پاکستان پہنچے' شہریار کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے' ان کی آمد کے دوسرے روز ہی شہریار کی سسرال جا کر وہ لوگ شادی ڈیٹ فکس کر آئے تھے' مراد حسن کو واپس بھی جانا تھا اس لیے وہ سارے کام جلدی نپٹانا چاہتے تھے۔ شادی کی ڈیٹ کے بعد ان کا پہلا ارادہ اہل سے ملنے کا تھا۔ اور آج وہ اپنے ارادے پہ عمل کرنے کے لیے پر تول رہے تھے۔ شاہینہ ان کے چہرے کی بے چینی بھانپ گئیں۔

"کیا بات ہے مراد بھائی آپ کہیں جا رہے ہیں؟" وہ قریب آگئیں۔

"ہوں ہاں۔"

"کہاں؟"

"اہل سے ملنے۔" مراد حسن کا لہجہ دھیما تھا۔

"وہ نہیں ملنے دے گی۔"

"وہ مجھے روک بھی نہیں سکے گی۔" مراد حسن تلخی سے بولے۔

"لیکن مراد بھائی!" شاہینہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن مراد حسن نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔ "مجھے پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"میں شہریار کو بھیجتی ہوں آپ کے ساتھ۔" شاہینہ تیزی سے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں اور شہریار کو پکارا لیکن وہ شاید گھر پہ نہیں تھا۔

"خیریت؟ شہریار کو کیوں بلا رہی ہیں؟" زاویار اپنے بیڈ روم سے نکل رہا تھا جب ان کی آواز سن کر ٹھہر گیا۔

"اسے مراد بھائی کے ساتھ بھیجنا ہے' وہ اکیلے جا رہے ہیں۔"

"تو اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے؟" زاویار کو

حیرانی ہوئی۔

"تم نہیں جانتے' وہ عورت کتنی وحشی اور جنونی ہے' وہ کچھ بھی کر سکتی ہے' میں انہیں اکیلے نہیں جانے دوں گی۔"

"ڈونٹ وری مام! کچھ نہیں ہوتا' آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ میں چلا جاتا ہوں۔" اس نے ماں کو تسلی دی۔

اور پھر مراد حسن کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔ انہوں نے اسے گائیڈ کیا چودہ سال بعد بھی مراد حسن کو تمام راستے ازبر تھے۔

"دستک دوں؟" زاویار نے دروازے پہ پہنچ کے ان سے اجازت چاہی۔

"ہوں۔" انہوں نے سر ہلایا اور اثبات میں جواب ملتے ہی زاویار نے دستک دے ڈالی۔

"کون ہے؟" زیب النساء کی کرخت آواز بہت بلند تھی' مراد حسن کے اعصاب میں تناؤ آگیا تھا۔ زاویار نے دوسری بار پھر دستک دی۔

"میں کہہ رہی ہوں' کون کم بخت ہو' دفع ہو جاؤ۔" زیب النساء نے اونچی آواز میں بولتے ہوئے دروازہ کھولا اور سامنے نظر پڑتے ہی زبان بند ہو گئی تھی' باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے وہ ساکت سی کھڑی تھی اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی!" ان دونوں فریقین کی خاموشی نوٹ کرتے ہوئے زاویار نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"میں زاویار سکندر ہوں' انکل مراد کا بھانجا' ہم لوگ اہل سے ملنے آئے ہیں۔" زاویار نے تعارف کروایا اور زیب النساء کی آنکھیں پھیل گئی تھیں' شاہینہ اور ابرار کا بیٹا اتنا خوبصورت' اتنا ہینڈسم تھا؟ اس پہ نظر نہیں ٹھہر رہی تھی' وہ مراد حسن سے بھی زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

"اہل گھر پہ ہے؟" زاویار نے اس کی جانچتی نظروں سے الجھ کر پوچھا۔

"نن... نہیں... وہ گھر پہ نہیں ہے۔" اس نے زاویار کے سوال سے ہی اپنے مطلب کا جواب نکال لیا۔

"وہ گھر پہ ہے۔" اب کی بار مراد حسن بولے تھے۔

"وہ گھر پہ نہیں ہے' کچھ دیر بعد آئے گی۔" زیب النساء نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں کہہ رہا ہوں' وہ گھر پہ ہے' اس لیے میں اس سے مل کر ہی جاؤں گا' بہتر ہے کہ تم خود ہی راستہ چھوڑ دو۔" مراد حسن نے زیب النساء کی ویران اور اجاڑ آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا' زیب النساء کی حالت بھی اپنی آنکھوں جیسی ہی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے مراد حسن کے دل پہ افسوس اور رحم کی لہر دوڑ گئی تھی' لیکن دوسرے ہی لمحے زیب النساء نے اس لہر کو پھر بے رحمی میں بدل دیا۔

"میں تمہیں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنے دوں گی' دفع ہو جاؤ یہاں سے وہ اب تک اپنی عادت پہ قابو نہیں پا سکی تھی۔

"اپنی آواز نیچی رکھو۔ تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟" وہ چلائی۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا' پیچھے ہٹو۔" مراد حسن حقارت سے کہتے زیب النساء کو دھکیل کر اندر داخل ہو گئے تھے اور زاویار کو بھی ان کی تقلید کرنا پڑی۔ لیکن اندر داخل ہونے پہ وہ دونوں مرد حضرات دنگ رہ گئے تھے۔ انتہائی گندا فلیٹ کسی جھونپڑے یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کا سا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ بے رنگ دیواریں' گرد آلود فرنیچر' گندے صوفے' کشنز کے پھٹے پرانے کور' ٹیبل پہ رکھے گندے برتن۔ مٹی سے اٹے پردے' ادھ کھلی کھڑکیاں اور بھی پتہ نہیں کیا کچھ نظر آرہا تھا جس کو دیکھ کر زاویار کو گھٹن اور وحشت ہونے لگی تھی جبکہ مراد حسن چکرا گئے۔

"اہل!" وہ بلند آواز سے پکارنے لگے۔

"اہل!" انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کے دیکھا وہ خالی پڑا تھا۔ ان کے لہجے میں پریشانی تھی' زاویار بھی خود پہ ضبط کرتا ان کے پیچھے تھا۔

"اہل!" انہوں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا

سامنے ہی بیڈ پہ انہیں کوئی نظر آیا وہ لپک کے قریب چلے آئے۔

"امل کیسی ہو بیٹا؟ آنکھیں کھولو۔" مراد حسن نے بے تابی سے اسے سیدھا کیا تھا لیکن اس کے چہرے کو ہاتھ لگاتے ہی وہ بدک گئے یوں جیسے کرنٹ چھو گیا ہو' وہ انتہائی تیز بخار میں پھنک رہی تھی اس کا چہرا آگ کی طرح دہک رہا تھا اور خود ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

"کیا ہوا ماموں؟" زاویار ان کو پریشان دیکھ کر اندر آ گیا۔

"اس کو تو بہت تیز بخار ہے اور... اور یہ... بے ہوش ہے۔" مراد حسن کا لہجہ بھیگ گیا تھا' وہ اتنے سالوں بعد بیٹی سے ملنے آئے تھے اور بیٹی کس حال میں ملی تھی۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں؟"

"ڈاکٹر کو یہاں نہیں بلانا' بلکہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہو گا اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔"

"ٹھیک ہے لے چلتے ہیں۔" زاویار نے امل کے چہرے کی سمت دیکھا اور مزید حیران ہوا' وہ انتہائی کمزور اور ابتر حالت میں تھی اس کے چہرے کے عام سے نین نقوش پہ زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ الجھے بکھرے بال کھردرے اور بے رنگ لگ رہے تھے۔ ہونٹوں پہ پپڑی جمی تھی۔ چہرے کی جلد بھی بے حد رف نظر آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کہیں سے بھی یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ مراد حسن جیسے شاندار اور گریس فل آدمی کی بیٹی ہے۔ زاویار کو حقیقتاً بڑی حیرت ہوئی تھی۔

اس نے ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ اسے غور سے دیکھا تھا لیکن دوبارہ دیکھنے کے باوجود بھی اسے امل مراد میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی' اور اس چیز پہ زاویار کو خاصا دھچکا لگا تھا وہ تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماموں کی بیٹی بھی ان کے دونوں بیٹوں جیسی ہی ہو گی' خوبصورت اور کیوٹ۔

"ارے نہیں ماموں! آپ پیچھے ہٹیں میں اسے اٹھا کے نیچے لے جاتا ہوں۔" مراد حسن' امل کو اٹھانے کی کوشش میں تھے کہ زاویار نے انہیں روک دیا۔

"تم لوگ اسے کہیں نہیں لے جا سکتے۔" زیب النساء کی آواز پہ مراد حسن تڑپ کر پلٹے تھے۔

"تمہارا وحشیانہ راج اٹھارہ سال تک تھا' اب وہ اٹھارہ کی بجائے انیس سال کی ہو چکی ہے وہ بالغ ہے وہ اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے اب اگر کچھ گڑبڑ کرو گی تو سیدھا جیل جاؤ گی۔" انہوں نے اسے وارننگ دی۔

"میں کسی جیل سے نہیں ڈرتی مراد حسن! یہ گھر بھی کسی جیل سے کم نہیں ہے' چودہ سال ہو گئے ہیں اس جیل میں مرتے ہوئے اور میں تمہاری بیٹی کو بھی اسی جیل میں سڑاؤں گی وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔ میرے ساتھ یہیں گھٹ گھٹ کے مرے گی۔" زیب النساء کے انداز پہ مراد حسن کو پاگل پن کا گمان ہوا تھا لیکن پھر سر جھٹک کر زاویار کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اسے لے کر چلو۔" انہوں نے امل کی طرف اشارہ کیا اور زاویار نے ان کے حکم کی تعمیل کی تھی' زیب النساء کی چیخ و پکار اور ہاتھا پائی کے باوجود وہ امل کو لے کر باہر نکل گیا تھا۔ لیکن پیچھے زیب النساء نے توڑ پھوڑ مچا کر [illegible] ہوا کر دیا تھا۔

وہ لوگ اسپتال کے پرائیویٹ روم میں بیٹھے تھے اور روم میں چاروں بیٹھے تھے اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود روم میں گہرا سناٹا تھا' وقفے وقفے سے باہر راہداری میں سے گزرتی نرسوں کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی اور ان ہی میں سے ایک ٹک ٹک کی آواز رفتہ رفتہ ان کے قریب آتی چلی گئی تھی۔

"امل مراد کے پیرنٹس کہاں ہیں؟" نرس نے دروازے میں رک کر پوچھا تھا' مراد حسن بہت تیزی سے اٹھ کر سامنے آئے تھے۔

"آیئے سر! آپ کو ڈاکٹر صاحب نے بلایا ہے۔" نرس نے پیغام دیا تو مراد حسن نے فوراً شاہینہ' شہریار اور زاویار کی سمت دیکھا تھا' شاہینہ نے نظر چرا لی تھی' وہ بھائی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی تھی' جبکہ شہریار اور زاویار اٹھ کر ان کے قریب چلے آئے تھے۔

"ہم بھی چلتے ہیں آپ کے ساتھ۔" وہ انہیں تسلی دیتے ان کے ساتھ باہر نکل آئے اور ڈاکٹر کے روم کا رخ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب ان ہی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

"تشریف رکھیے۔" انہوں نے اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" مراد حسن بہ مشکل بول پائے۔ ان کے دائیں بائیں زاویار اور شہریار بھی بیٹھ گئے۔

"آپ امل کے فادر ہیں؟"

"جی۔"

"اور امل کی مدر کہاں ہیں؟"

"ہماری علیحدگی ہو چکی ہے۔"

"امل آپ کے پاس تھی یا اپنی مدر کے پاس؟"

"اپنی مدر کے پاس۔"

"اور ان کی مدر کا رویہ ان کے ساتھ کیسا تھا؟"

"آئی ڈونٹ نو۔" مراد حسن نے نفی میں گردن ہلائی' لہجہ دھیما تھا اور کچھ کچھ شرمندہ بھی۔

"لیکن امل مراد کی رپورٹس سے نظر آتا ہے کہ وہ مسلسل ذہنی دباؤ کا اور تشدد کا شکار رہی ہیں' ان کے بازوؤں پہ اور گردن پہ تشدد کے نشانات واضح نظر آ رہے ہیں۔ اگر وہ آپ کی قریب [illegible] اسپتال لے آتے [illegible] ذہنی ہیجان کی وجہ سے ان کے دماغ پر اثرات کا قوی امکان تھا جس کی وجہ سے وہ ذہنی توازن کھو سکتی تھیں اور اس وقت آپ کسی اسپتال میں نہیں بلکہ پاگل خانے میں بیٹھے ہوتے۔" ڈاکٹر نے اپنے سامنے ٹیبل پہ پھیلی امل کی رپورٹس کو افسوس بھری نظروں سے دیکھا تھا اور مراد حسن دم بخود رہ گئے تھے۔

"اب... اب کیسی کنڈیشن ہے اس کی؟" مراد حسن نے بے چینی سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہیں' لیکن ابھی اصل کنڈیشن کا اسی وقت پتا چلے گا جب وہ ہوش میں آئیں گی' ان کی دماغی حالت کیسی ہے یہ ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" ڈاکٹر نے لاپروائی سے کہا۔

"وہ کب تک ہوش میں آ جائے گی؟" مراد حسن کا لہجہ متفکر تھا۔

"وہ صبح تک ہوش میں آ جائے گی' آپ پریشان مت ہوں' اوپر والا بہتر کرے گا' آپ اچھے کی امید رکھیں اور دعا کریں۔" ڈاکٹر نے انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد جانے کی اجازت دی اور خود بھی اٹھ کر باہر نکل گئے' لیکن مراد حسن میں اتنی سکت نہیں تھی کہ کرسی سے اٹھ کر باہر جاتے۔

زاویار ان کی کیفیت بھانپ چکا تھا۔ جب ہی انہیں بازو سے پکڑ کر سہارا دیا اور واپس پرائیویٹ روم میں آ گیا' جہاں شاہینہ اکیلی بیٹھی دل ہی دل میں امل کے لیے دعا گو تھیں۔

مراد حسن اپنی بیٹی کی تکلیف' اذیت اور اس وقت کو یاد کر کے رو رہے تھے' جب وہ کورٹ کی طرف سے ملنے والے حکم کے مطابق امل کو زیب النساء کے پاس چھوڑنے پہ مجبور ہو گئے تھے' کاش! وہ امل کو سب سے چھپ کے اپنے ساتھ لے جاتے' کسی کا بھی کہا نہ مانتے۔ شاہینہ بھی سب سن کر حیران رہ گئی تھیں' کیا کوئی ماں ایسا کر سکتی تھی؟! انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ سب ایک ماں کیسے کر سکتی ہے؟"

☆ ☆ ☆

"پلیز ماموں! آپ ناشتا تو کر لیں۔" شہریار کوئی پانچویں مرتبہ مراد حسن کے پاس آ کر ناشتے کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ مراد حسن کل سے مسلسل اسپتال میں ہی تھے اور امل کے سرہانے بیٹھے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی کنڈیشن خطرے سے باہر ہوئی تو اسے ڈاکٹرز نے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ٹریٹ منٹ کا سلسلہ رات بھر جاری رہا تھا۔ وقفے وقفے سے ڈرپس اور انجکشن لگتے رہے تھے اور مراد حسن نے رات بیٹھ کے گزاری تھی اور صبح سے شہریار ان کے لیے متفکر ہو رہا تھا۔ "وہ ہوش میں آ جائے گی تو ناشتا بھی کر لوں گا۔" ان کا ایک ہی جواب تھا۔

"ماموں پلیز! آپ پریشان مت ہوں' میں ابھی

ڈاکٹرز سے مل کر آرہا ہوں۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ یہ بے ہوشی اس کے لیے ذہنی سکون کا باعث ہے' جب وہ ہوش میں آئے گی تو اس کے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو چکا ہوگا' وہ پہلے سے ریلیکس فیل کرے گی۔"

شہریار نے ان کو سمجھایا' تسلی دینے کی کوشش کی مگر مراد حسن بہلنے والے نہیں تھے' وہ اس وقت اپنے آپ کو اپنی بیٹی کا مجرم گردان رہے تھے اور اس کی اس حالت کا ذمہ دار خود کو ٹھہرا رہے تھے۔ کل سے ایک گھونٹ پانی یا پھر کھانے کا ایک نوالہ بھی نہیں لیا تھا اور یہی بات شہریار کو پریشان کر رہی تھی' وہ بھی رات سے ان کے ساتھ تھا' البتہ شاہینہ اور زاویار کو مراد حسن نے رات ہی واپس گھر بھیج دیا تھا۔ اسفی اور علینہ اکیلے تھے۔

"بیٹھ جاؤ بیٹا! کرلوں گا ناشتا بھی' اتنی سی بھوک اور پیاس سے مر نہیں جاؤں گا' ڈونٹ وری۔"

مراد حسن نے شہریار کا ہاتھ تھپک کر ساتھ والی کرسی پہ بٹھا دیا' لیکن اتنے میں شہریار کی نظر بیڈ پہ جا پڑی تھی۔ اس کے وجود کی حرکت اس کے چہرے پہ خوشی دوڑا گئی تھی۔

"امل۔۔۔!" شہریار لپک کے قریب آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی مراد حسن بھی اٹھ کھڑے ہوئے' انہوں نے بے یقینی سے اور خوشی کے عالم میں امل کو دیکھا۔

"امل۔۔۔ میری بیٹی! میری گڑیا۔" مراد حسن نے اس کے چہرے پہ جھکتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"ک۔۔۔ کون ہو تم؟" وہ گھبرا کے تھوڑا پیچھے ہوئی تھی' اس کی آنکھوں میں وحشت اور خوف کا عنصر چھپا ہوا تھا۔

"میں تمہارا بابا ہوں میری جان!" مراد حسن نے جس محبت سے کہا' امل گم صم سی ہو کر دیکھنے لگی تھی اور اس کے بعد اسے ایسی چپ لگی کہ اس نے دوبارہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے تین دن بعد ڈسچارج کر کے گھر بھیج دیا تھا۔ لیکن گھر آکر بھی اس کی وہی چپ تھی' بلکہ وہ چپ اور بھی گہری ہوتی جارہی تھی۔

اس نے شہریار کو دیکھا' زاویار کو دیکھا' اسفر اور عائشہ کو دیکھا' ان کا رہن سہن دیکھا' گھر کا ماحول اور صفائی ستھرائی دیکھی' ان کی ماں کی ان سے محبت دیکھی' ان بہن بھائیوں کے چاؤ چوچلے دیکھے تو وہ مزید گم صم اور گونگی ہوتی چلی گئی تھی' لیکن اس کی چپ اور گم صم کیفیت نے مراد حسن کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ پریشانی سے نڈھال ہو چکے تھے۔ امل کو بلا بلا کر تھک گئے تھے۔ لیکن اس کی طرف سے کوئی ریسپانس نہیں ملتا تھا' اس وقت بھی مراد حسن اسے اپنے ساتھ لیے لاؤنج میں بیٹھے تھے اور جان بوجھ کر چھوٹے چھوٹے سوال کرتے ہوئے اسے بولنے پہ اکسا رہے تھے۔ لیکن اس کی چپ ٹوٹ ہی نہیں رہی تھی۔

زاویار اچانک لاؤنج میں داخل ہوا تو مراد حسن کو اس کے ساتھ مغز ماری کرتے دیکھ کر ٹھہر گیا تھا' اس نے ایک نظر امل کو دیکھا' وہ سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ زاویار مضبوط قدم اٹھاتا ان دونوں باپ بیٹی کے سامنے والے صوفے پہ جا کر بیٹھ گیا تھا۔ نظریں ابھی بھی امل کے جھکے ہوئے سر پہ ٹکی تھیں۔

"ماموں آپ ایک کام کریں۔" زاویار نے بات شروع کی اور مراد حسن نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ امل کو واپس اس کی مدر کے پاس بھیج دیں۔" زاویار نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ م۔۔۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔" امل نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے انتہائی تیزی سے کہا تھا' یوں جیسے اسے کوئی کنوئیں میں دھکا دینے والا ہو اور وہ احتجاجاً بول پڑی ہو۔ مراد حسن دنگ رہ گئے تھے۔ وہ پورے ایک ہفتے سے اسے بولنے پہ اکسا رہے تھے۔ بلکہ ہر طریقہ آزمایا تھا' لیکن اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب کتنی تیزی سے جواب دیا تھا۔ انہوں نے ان ہی حیران نظروں سے زاویار کو دیکھا' وہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"آپ کو واپس تو جانا ہی پڑے گا' کیونکہ آپ کا گھر تو وہ فلیٹ ہی ہے' یہ گھر تو ہمارا ہے' آپ یہاں مہمان بن کے آئی ہیں' ہمیشہ کے لیے نہیں آئیں۔" زاویار کا انداز تمسخرانہ تھا' امل اس کے چہرے کے تاثرات کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کے تاثرات میں سنجیدگی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی' کبھی نہیں جاؤں گی' میں مر جاؤں گی وہاں۔۔۔" وہ یکدم چیخ کے بولی تھی اور مراد حسن کبھی امل کو اور کبھی زاویار کو دیکھنے لگے۔

"آپ کیوں نہیں جائیں گی؟ وہاں تو آپ کی ممی بھی ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"نہیں ہیں میری ممی' میری کوئی ماں نہیں ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور میرا تو کوئی باپ بھی نہیں ہے' میرے ماں باپ مر چکے ہیں' میں یتیم ہوں' لاوارث ہوں' میرا کوئی بھی نہیں ہے' کوئی بھی نہیں ہے میرا۔" وہ اب ہذیانی انداز میں چلانے لگی تھی۔ مراد حسن ششدر سے بیٹھے اس کا ردعمل دیکھ رہے تھے اور زاویار کا سکون اب بھی بحال تھا۔

"جب آپ کا کوئی بھی نہیں ہے تو آپ ہمارے گھر کس رشتے سے رہ رہی ہیں؟ اور آخر کس رشتے سے رہنا چاہتی ہیں؟ ہمارا اور آپ کا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے' پھر یہاں رہنے کی وجہ؟" زاویار نے اسے زچ کر ڈالا تھا۔ کچھ نہ بن پڑا تو زاویار پہ جھپٹ پڑی تھی۔

"تم۔۔۔ تم مجھے گھر سے نکالو گے؟ اپنی ماں' بہنوں کو نکالو' مجھ سے کیا تعلق ہے؟ چلے جاؤ یہاں سے' دفع ہو جاؤ۔" اس نے یکدم جھپٹتے ہوئے زاویار کو اپنے ناخنوں سے نوچنے کی کوشش کی تھی' زاویار نے اس کے دونوں ہاتھ سختی سے پکڑ لیے تھے۔

"آپ کو اگر اس گھر میں رہنا ہے تو اپنا کوئی رشتہ جتانا ہوگا' ماموں زاد کزن' گیسٹ' فرینڈ یا پھر یہاں رہنا ہی نہیں چاہتیں؟"

زاویار نے چبا کر کہا تھا' امل کو اور بھی تاؤ آگیا' وہ قابو کرتے کرتے بھی اسے ناخنوں سے زخمی کر گئی تھی اور اس سے پہلے کہ مراد حسن اٹھ کر اسے پکڑتے وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی' اس کا رخ کمرے کی طرف تھا۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" مراد حسن اس کے بائیں رخسار اور گردن کی سائیڈ پہ ایک لکیر کی صورت میں سرخ نشان دیکھ چکے تھے۔

"اٹس اوکے' ایسے کاموں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے' لیکن اس چیز سے آپ کو یہ تو اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے؟" زاویار اپنے رستے ہوئے زخم پہ ہاتھ لگا کر بولا۔

"یعنی تم نے یہ سب جان بوجھ کر۔۔۔؟" مراد حسن نے سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی ہاں میں نے یہ سب جان بوجھ کر کہا ہے' جب تک اسے ایموشنل نہیں کیا جائے گا' وہ اپنے اندر کا غبار نہیں نکالے گی اور جب تک اس کے اندر کا غبار نہیں نکلے گا وہ نارمل نہیں ہوگی' کہتے ہیں کہ جھیل کی گہرائی کا اندازہ لگانا ہو تو اس میں پتھر پھینک کر دیکھو۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ میں نے ایک پتھر پھینکا ہے اور اس پتھر کے ڈوبنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جھیل واقعی گہری ہے۔"

"آپ یقیناً میری بات کو سمجھ گئے ہوں گے؟" زاویار ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اپنے رخسار اور گردن پہ تھپتھپانے لگا تھا' مراد حسن اسے سراپا گہری اور توصیفی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

"تمہاری طرح اچھے طریقے سے سمجھانے والا ہو تو کون نہیں سمجھے گا؟" مراد حسن کا لہجہ دھیما تھا۔ زاویار مسکرا دیا تھا۔

"تھینک یو۔"

"بیٹا! تھینکس تو مجھے کہنا چاہیے۔" جس نے اس کی اتنے دنوں کی چپ توڑ ڈالی۔

"ارے نہیں ماموں تھینکس کیسا؟ وہ آپ کی بیٹی ہی نہیں' ہماری کزن بھی تو ہے؟ اسے زندگی کی طرف لانے کے لیے ہم کو ہی کوشش کرنا ہوگی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم واقعی اتنے بڑے اور سمجھ دار ہو گئے ہو؟" مراد حسن بے یقین سے تھے۔

"جسٹ فار یور کائنڈ انفارمیشن ماموں جی! سمجھ دار تو میں بچپن سے ہی ہوں' البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اب واقعی بڑا ہو گیا ہوں۔" اس نے مراد حسن کے کندھے پہ بازو پھیلاتے ہوئے کہا تھا اور مراد حسن اس کے انداز پہ ہنس پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

شاہینہ بیگم نے شہریار کی شادی کے لیے شاپنگ شروع کروا دی تھی' دلہن کی جیولری انہوں نے پہلے ہی بنوا رکھی تھی' لہنگا وغیرہ دلہن کو ساتھ لے جا کر پسند کروایا تھا۔ البتہ باقی کے ڈریسز شہریار اور نینی نے پسند کیے تھے' پھر شہریار کا کمرہ نئے سرے سے سیٹ کروایا گیا تھا۔ پورے گھر کی صفائی ستھرائی بھی ہو چکی تھی۔ شادی کی تاریخ قریب آ رہی تھی' سبھی کو شادی کے لیے اپنی اپنی تیاریوں کی فکر تھی' جبکہ مراد حسن کو اپنی بیٹی امل کی طرف سے فکر تھی' جو ہمہ وقت اپنے کمرے میں ہی بند رہتی تھی' بالکل خاموش اور چپ' نہ بولتی تو پہروں نہ بولتی' لیکن اگر مشتعل ہو جاتی تو پھر اول فول بکتے ہوئے گالیاں دینے سے بھی گریز نہیں کرتی تھی اور اپنی ہذیانی حالت میں وہ یہ بھی نہیں دیکھتی تھی کہ سامنے مراد حسن ہے یا کوئی اور اس کی گالیاں سب کے لیے وہی تھیں' اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں تھا۔

اور اس کی یہ ہی ذہنی ابتری مراد حسن کی زبان کو تالے لگائے ہوئے تھی' وہ ہر وقت سوچ میں گم اور تشویش کے شکنجے میں جکڑے نظر آتے تھے' انہیں امل کو نارمل زندگی کی طرف لانے کا کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور اسی کو سوچتے ہوئے وہ ہر وقت الجھے ہوئے نظر آتے تھے۔

"آپ کسی سائیکاٹرسٹ سے مشورہ کیوں نہیں کرتے؟" شاہینہ بیگم ان کے لیے چائے کا کپ لے کر آئیں تو ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"سائیکاٹرسٹ؟" مراد حسن نے چونک کر سر اٹھایا۔

"دراصل امل پاگل نہیں ہے' بس اسے ذہنی اور جسمانی ٹارچر نے خوف زدہ اور کچھ بد مزاج بنا دیا ہے' الجھی ہوئی ہے وہ' بڑے' چھوٹے اور اچھے برے کی تمیز کرنا نہیں آتا' کیونکہ یہ کام اسے سکھایا ہی نہیں گیا۔ اس کی سوچیں اور خیالات کسی ایک سمت میں نہیں رہتے' کبھی نارمل ہو جاتے ہیں' کبھی ایموشنل' آپ ایک بار اس کا چیک اپ ضرور کروائیں' کچھ پتا تو چلے گا نا اس کے بارے میں کہ آخر اس کا حل کیا ہے؟" شاہینہ نے کافی سکون اور تحمل سے ان کو سمجھایا تھا اور مراد حسن کو واقعی ان کا آئیڈیا بہتر لگا تھا۔

"تو پھر میں اسے کل ہی ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں؟"

"آپ پریشان نہ ہوں' شہریار سے کہہ دیتی ہوں وہ ٹائم لے لے گا۔" شاہینہ بیگم نے ان کی مشکل حل کر دی۔

☼ ☼ ☼
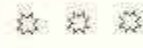
شہریار کی مایوں کی رسم ہوئی' پھر شادی ہوئی' بارات [illegible] [illegible] یہاں تک کہ ولیمہ بھی ہو گیا' لیکن امل نے سب کے اصرار کے باوجود باہر جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا' بس کھڑکی نیم وا کیے چوری چھپے لان میں ہونے والے فنکشنز اور ان کی ارینج منٹ دیکھتی رہی' اس کے لیے یہ سب نیا بھی تھا اور دلچسپ بھی' لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر ان کے پاس جا کر بیٹھتی اور باتیں کرتی' وہ سب لوگوں کی نظروں کا مرکز نہیں بن سکتی تھی' اس کے اندر اتنا اعتماد ہی نہیں تھا۔

اور مراد حسن اندر ہی اندر جلتے کڑھتے رہے اور اس وقت شکر ادا کیا جب وہ مقررہ ٹائم پہ بمشکل بہلا پھسلا کر اسے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر گئے۔ زاویار ہی انہیں ڈراپ کر کے گیا تھا۔ لیکن جب انہیں لینے کے لیے آیا تو وہ فکر مند سا ہو گیا تھا۔ مراد حسن نڈھال اور تھکے تھکے سے لگ رہے' تاہم امل پہلے جیسی کیفیت میں ہی تھی' بے تاثر' سپاٹ۔

گھر پہ بھی کسی نے پوچھا تھا' لیکن وہ کچھ نہ بول سکے اور ان کی اسی چپ میں ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ وہ ایک بار پھر سائیکاٹرسٹ کے پاس جا پہنچے' اب کی بار وہ اکیلے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر کے ساتھ کچھ مشورہ کرنا تھا' کچھ بتانا تھا اور کچھ پوچھنا تھا' اور بالآخر ان کی چپ کا عقدہ بھی کھل ہی گیا۔ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا؟ اور انہوں نے کیا سوچا تھا؟ یہ سب ایک دن زبان پہ لانا تو تھا ہی!

☼ ☼ ☼

وہ دھیمی آواز میں میوزک سنتے ہوئے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا' جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

"یس کم ان۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"بزی ہو؟" مراد حسن کی آواز پہ زاویار چونکا تھا اور پھر فوراً ہی کتاب رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ماموں آپ؟ آئیے' بیٹھیے۔" اس نے آگے بڑھ کے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور کمرے کی لائٹس بھی جلا دیں' وہ صرف لیمپ آن کیے بیٹھا تھا۔ "ماشاء اللہ! بیڈ روم تو بہت اچھا سیٹ کیا ہے۔" انہوں نے سراہا۔ وہ پہلی بار اس کے بیڈ روم میں آئے تھے۔

"تھینک یو۔" وہ [illegible] مسکرایا۔

"بیٹھو تم بھی' کھڑے کیوں ہو؟" وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"چائے منگواؤں آپ کے لیے؟"

"میں مہمان تو نہیں ہوں بیٹا!"

"اس وقت آپ میرے بیڈ روم میں میرے مہمان ہی ہیں۔" زاویار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں اس وقت مہمان نہیں' ایک سوالی ہوں بیٹا! جھولی پھیلانے آیا ہوں' چاہو تو خیرات ڈال دو' چاہو تو خالی لوٹا دو۔" مراد حسن بے ساختہ ہی کہہ گئے' بغیر کسی تمہید کے۔ زاویار کو حیرانی ہوئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں جو بھی کہہ رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کرنا زاویار! میں ایک باپ ہوں' میں ہر لحاظ سے پرفیکٹ اور مضبوط ہوں' لیکن بیٹی کے معاملے میں ہار چکا ہوں۔ میں ایک زیب النساء سے بچ کے بھاگا تھا۔ لیکن خدا نے میرے سامنے دوسری زیب النساء لا کر کھڑی کر دی ہے اور اب کی بار میں بھاگ نہیں سکتا' کیونکہ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے۔ اسے اس کے حال پہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ لیکن اس بہتری میں نہ تو زیب النساء کوئی کردار ادا کر سکتی ہے اور نہ ہی میں کر سکتا ہوں' کیونکہ وہ ہم دونوں سے بد ظن اور متنفر ہے' اب اگر میں اسے اپنی محبت یا موجودگی کا یا تحفظ کا احساس دلاؤں بھی تو وہ اس چیز کو سرسری سا لے گی۔ البتہ اگر یہ ہی محبت' اپنائیت یا تحفظ کا احساس کوئی دوسرا اسے دے تو وہ بڑی جلدی اثر لے گی۔ ڈاکٹر کی نظر میں یہ پیار محبت' اپنائیت یا تحفظ' شریک حیات کی صورت میں دے سکتا ہے۔"

مراد حسن نے کہتے ہوئے شرمندگی سے سر بھی جھکا لیا تھا۔ اپنی بے بسی پہ لہجہ نم ہونے لگا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے امل کی شادی؟" زاویار کو حیرت ہوئی۔

"لیکن ماموں اس کی ایج؟ اس کی ذہنی حالت بھی تو اس کی ایج کے مطابق نہیں ہے نا؟ انیس سال کی ہو چکی ہے' لیکن اس کی حرکتیں..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گیا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں؟" زاویار کھٹک چکا تھا' لیکن پھر بھی تصدیق چاہی تھی۔

"تم خود سمجھ دار ہو بیٹا! لوگ بیٹی والوں کے گھر سوالی بن کے جاتے ہیں' لیکن میں ایسا بد نصیب باپ ہوں کہ خود تمہارے پاس سوالی بن کے آیا ہوں۔"

مراد حسن واقعی بہت کمزور اور نڈھال لگ رہے تھے' زاویار یکدم ٹھٹک کے رہ گیا تھا' وہ مراد حسن کے سوال کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ مراد حسن اپنی بیٹی کے لیے اس کی زندگی مانگنے آئے تھے۔

"میں یہ بات شاہینہ سے بھی کہہ سکتا تھا' لیکن میں جانتا ہوں زیب النساء نے جو کچھ اس پہ الزامات لگائے تھے' اس کے بعد زیب النساء کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا اس کے لیے اتنا آسان نہیں ہو گا اور ویسے بھی وہ ایک

ماں ہے اور کبھی بھی جوان بیٹے کی ماں یہ نہیں چاہے گی کہ اس کا بیٹا کسی ایسی لڑکی سے شادی کرے جو اس کے جوڑ کی نہ ہو۔"

مراد حسن حقیقت پسندی سے کام لے رہے تھے۔ زاویار چپ بیٹھا تھا' لیکن اس کے دل و دماغ آندھیوں کی زد میں تھے۔ وہ اس سے جو کچھ چاہتے تھے وہ اتنا آسان نہیں تھا۔ زاویار کے لیے بہت مشکل تھا' وہ اتنی آسانی سے کیسے حامی بھرلیتا؟

"دیکھو زاویار! شہریار کی شادی ہو چکی ہے' اسفر ابھی چھوٹا ہے اور پڑھ رہا ہے' وہ خود اتنا لاابالی ہے کہ امل کو ہینڈل نہیں کر سکتا' ایسے میں صرف تم ہی آخری امید نظر آتے ہو' جو میری اس کوتاہی کو سدھار سکتے ہو' تم سمجھ دار اور متحمل مزاج ہو' مجھے یقین ہے کہ تم اسے بہت جلد ہینڈل کرلو گے۔" مراد حسن کی بات پہ زاویار گہری سانس خارج کرتا ہوا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت مل سکتا ہے؟" لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔

"ہاں بیٹا! کیوں نہیں' تم سوچو' ضرور سوچو' دل رضامند نہ ہو تو انکار بھی کر سکتے ہو' وہ اگر بیٹی ہے تو تم بیٹے ہو' میں تم پہ کوئی فیصلہ مسلط تو نہیں کر سکتا نا؟ تم جو چاہو فیصلہ کرو' مجھے کوئی شکایت یا اعتراض نہیں ہوگا۔ بس' جو بھی فیصلہ کرنا اپنے دل سے اور رضا سے کرنا۔" وہ کہتے ہوئے اسے کندھا تھپک کر کمرے سے چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم یہ شادی کرو گے اور ضرور کرو گے۔" شاہینہ بیگم نے یہ کہہ کر زاویار کے ڈانواں ڈول خیالات اور سوچوں کو باندھ دیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں اور اپنے ماموں کا مان نہ توڑ سکا اور فیصلے کا اختیار ماں کو سونپ دیا تھا۔

مراد حسن' شاہینہ بیگم کے ممنون ہوئے جا رہے تھے۔ چار روز بعد مراد حسن کی واپسی کے لیے فلائٹ تھی' اس لیے نکاح کی تقریب بڑی جلدی میں ارینج کی گئی تھی۔

نکاح سے پہلے زاویار کو سائیکاٹرسٹ کی طرف سے کال موصول ہوئی تھی' امل کے ڈاکٹر صاحب اس سے ملنا چاہتے تھے۔ اس لیے نکاح سے چند گھنٹے پہلے ہی اسے فراغت ملی تھی اور وہ ان کے کلینک چلا آیا تھا۔ اور پھر خاصی طویل نشست کے بعد جب وہ ان کے کلینک سے نکلا تو شام گہری ہو چکی تھی اور گھر پہ نکاح کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو اسفی' عینی' شہریار اور عنبرین بھابھی نے گھیر لیا۔

"کیا مشورہ دیا ڈاکٹر نے؟" عنبرین بھابھی کا انداز ذو معنی تھا۔ زاویار نا چاہتے ہوئے بھی جھینپ گیا تھا۔

"مجھے اندر تو جانے دیں' کیا باہر ہی کھڑا رکھنا ہے؟" اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

"ڈاکٹر کی باتیں سن سن کر تھک گئے ہو کیا؟"

"ڈونٹ وری ڈیر! یہ باتیں اور یہ مشورے تو اب تم ہماری زندگی کو سنتے ہیں۔" عنبرین بھابھی کے مذاق پہ زاویار نے چونک کر ان کو دیکھا' ان کے چہرے پہ [illegible] ناچ رہا تھا۔ شہریار کو بھی بیوی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"چلو زاویار! شاور لے کر تیار ہو جاؤ' مہمان آنے والے ہیں۔" شہریار نے بات بدلی۔

"بھائی میرا نیگ؟" عینی اس کے پیچھے لپکی۔

"اور میرا بھی؟" اسفی بھلا کیوں پیچھے رہتا؟

"جو شہریار سے نیگ لیے تھے' کیا وہ اتنی جلدی ختم ہو گئے؟" زاویار نے گھورا۔ "وہ تو ان کی شادی کے تھے۔" عینی جھنجلائی۔

"تو میری شادی کب ہو رہی ہے؟ یہ تو صرف نکاح ہو رہا ہے اور نکاح کا کوئی نیگ نہیں ہوتا۔" اس نے ان دونوں کو ٹالا۔ "دیکھتے ہیں کہ کیسے نہیں ہوتا؟" وہ دونوں دھمکی دے کر پلٹ گئے اور زاویار اپنے کمرے میں آ گیا۔

☼ ☼ ☼

امل شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ شادی کا نام سنتے ہی بدک گئی تھی' اس کا انداز خوف زدہ سا تھا' لیکن ان لوگوں کو بھی اسے ہینڈل کرنے کا فن آ گیا تھا اور یہ فن زاویار نے ہی ایجاد کیا تھا۔ جب اس نے شادی کے لیے انکار کیا تو شہریار نے اسی کے انداز میں دھمکی دی تھی۔

"اگر تم شادی نہیں کرو گی تو تمہیں واپس اپنی ممی کے پاس جانا ہوگا' ہم تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے' فیصلہ کرلو' تمہیں شادی کرنی ہے یا واپس جانا ہے؟" شہریار سختی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا' لیکن امل واپس جانے سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر لپکتی ہوئی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"م... میں تیار ہوں' میں شادی کرلوں گی۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے ڈر لگتا ہے' وہ... وہ مجھے بہت زیادہ مارتی ہیں۔" وہ شہریار کی دھمکی سے ڈری ہوئی تھی اور بے ساختہ رونے لگی۔

"ارے... نہیں گڑیا! رو مت' کوئی تمہیں واپس نہیں بھیجے گا' تم یہیں رہو گی' ہمارے پاس۔" شہریار نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی اور شاہینہ بیگم کے پاس بھیج دیا تھا۔ کچھ دیر بعد بیوٹیشن بھی آ گئی' امل اتنی ڈری ہوئی تھی کہ ان لوگوں نے جو بھی کہا وہ مانتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

زاویار کے کمرے کو کافی خوب صورتی اور نفاست سے سجایا گیا تھا۔ مراد حسن اور شاہینہ بیگم نے چند لوگوں کو ہی انوائیٹ کیا تھا۔ اس لیے نکاح کا چھوٹا سا فنکشن گھر پہ ہی ارینج ہو گیا تھا۔

دلہن بنی امل کو تصویریں بنوانے اور رسمیں ادا کرنے کے بعد فوراً ہی زاویار کے کمرے میں پہنچا دیا گیا' تاکہ وہ جو اتنی دیر سے خود پہ ضبط کیے دم سادھے بیٹھی تھی' تھوڑا ریلیکس کر سکتی۔

لیکن کمرے میں آ کر وہ ریلیکس تو بھلا کیا کرتی الٹا اور بھی متوحش ہو گئی تھی' وہ پچھلے ایک ماہ سے جس کمرے میں رہ رہی تھی' اب اس کمرے سے تقریباً مانوس ہو گئی تھی اور ایک مانوس جگہ کو چھوڑ کر اجنبی اور انجان جگہ پہ آنا بہت عجیب لگ رہا تھا' وہ کافی سہمی ہوئی تھی۔

اور اس کے اسی خوف و ہراس کے دوران ہی زاویار کمرے میں داخل ہوا تھا' جسے دیکھتے ہی وہ وحشی ہرنی کی مانند اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ زاویار دروازہ بند کر کے پلٹا تو اسے بیڈ کی دوسری طرف کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم نے... تم نے دروازہ کیوں بند کیا؟ تم مجھے مارنا چاہتے ہو نا؟ لیکن مجھے مارنے سے پہلے سوچ لینا کہ میں بھی تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ رکھا لیمپ جھٹکے سے اٹھا لیا تھا۔ لیمپ کا اوپر والا حصہ لہرا کر دور جا گرا۔ زاویار پہلے قدم پہ ہی ایسی صورت حال دیکھ کر اندر سے بجھ کے رہ گیا۔ (کیا زندگی کی شروعات ایسے ہوتی ہے؟) اس نے دل میں سوچا اور اگلے ہی پل سر جھٹک دیا۔

"میں تمہیں مارنے نہیں' تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔" اس نے صبر اور تحمل کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تھا۔

"باتیں؟" وہ آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"ہاں باتیں' تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" وہ اپنے لہجے اور انداز کو فریش اور خوشگوار رکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن تم نے دروازہ کیوں بند کیا؟" اس کی سوئی دروازے پہ اٹکی ہوئی تھی۔

"تاکہ ہماری باتوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ آ جائے۔" زاویار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کرنا چاہتے ہو؟" امل نے گھورتے ہوئے پوچھا' انداز مشکوک تھا۔

"تم بیٹھو گی تو بتاؤں گا نا!" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں' تم یونہی بتا دو۔" وہ بیٹھنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ اسے بہلا پھسلا رہا تھا۔

"تم مجھے مارو گے تو نہیں؟" اس نے یقین کرنا چاہا۔
"میں تمہیں کیوں ماروں گا بھلا؟ تم تو میری اتنی اچھی اور پیاری سی بیوی ہو۔"

زاویار نے قریب آتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے اور لیمپ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔
"بیوی؟" وہ چونکی۔
"ہاں یار بیوی... جانتی ہو نا بیوی کیا ہوتی ہے؟" زاویار نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"کیا ہوتی ہے؟"
"اس کے دکھ سکھ کی ساتھی ہوتی ہے اور اپنے شوہر کی محبت ہوتی ہے۔" وہ اس کی بے یقین اور خوف زدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
"تو پھر میں کیا کروں؟" امل نے بھولپن سے کہا، زاویار سر پیٹ کر رہ گیا۔
"تم کچھ نہ کرو، لیکن مجھے تو کرنے دو۔"
"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" معصومیت کی اور بے وقوفی کی انتہا تھی۔
"محبت کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"
"لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم باتیں کرنا چاہتے ہو؟ اب یہ محبت کہاں سے آ گئی؟" امل نے اسے خفگی سے دیکھا تھا اور زاویار کا اس کے اس دیکھنے پہ ایمان ڈول گیا تھا، سامنے ایک لڑکی بیٹھی تھی انیس سال کی دوشیزہ، اس کے جذبات میں ابال آنے میں لمحہ ہی لگا تھا۔
"کیا دیکھ رہے ہو؟" امل نے اس کا بازو ہلایا اور امل کے ہاتھ کے لمس نے زاویار کو ہوش کی دنیا میں کھینچ دیا۔ اسے ہر لحاظ سے صبر سے کام لینا تھا۔
"دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" زاویار نے اپنے اندر کے مرد کو مارتے ہوئے بات بدل ڈالی تھی۔
"میں خوب صورت لگ رہی ہوں؟" اسے یقین نہ آیا۔
"آف کورس۔"

"لیکن مِمی تو کہتی ہیں کہ میں کملوہی اور بدشکل ہوں، مجھے تو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا، اسی لیے تو پاپا بھی چھوڑ کر چلے گئے؟" امل کے انداز میں افسردگی اتر آئی۔
"ارے نہیں یار! وہ تم کو غصے میں اس طرح کہتی ہوں گی تم تو بہت پیاری ہو۔"
"سچ کہہ رہے ہو تم؟" وہ اشتیاق سے بولی۔
"آئینہ دیکھ لو۔" اس نے اشارہ کیا اور امل فوراً اٹھ کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی اور یہ ہی اس کا مزاج تھا، پل میں تولہ پل میں ماشہ، کبھی نرم ہو جاتی، کبھی سخت، کبھی سہمی ہوئی اور کبھی جنونی، اور کبھی کبھی تو وہ بالکل نارمل لوگوں کی طرح ری ایکٹ کرتی تھی۔
"اتنی اچھی تو نہیں لگ رہی۔" اس نے منہ بنایا۔
"لیکن مجھے تو بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے امل کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ دیے اور وہ یکدم چونک گئی۔
"[illegible] ارے یار! میں تمہارا شوہر ہوں کوئی غیر نہیں۔" اس نے امل کو قریب [illegible] اپنے حصار میں لے لیا تھا۔
"لیکن تم؟"
لاشعوری طور پہ امل کو شرم محسوس ہوئی تھی اور اس شرم کا عکس زاویار نے بھی اس کے چہرے پہ محسوس کیا تھا۔ گویا وہ جذبات و احساسات سے بے بہرہ نہیں تھی۔
"باتیں اور محبت دونوں ہی چیزیں زندگی کے لیے بہت اہم ہوتی ہیں، اس لیے آج کی رات ہم یہ ہی دو کام کریں گے۔" زاویار نے اسے اپنی باہوں میں بھینچا تو وہ کسمسا کے رہ گئی اور ان دونوں کی اسی آنکھ مچولی میں رات کیسے گزری کچھ پتا ہی نہ چلا۔ پھر دوسری بات کیے بغیر وہیں کی وہیں اوندھی لیٹ گئی تھی، اس کے زیورات اور لہنگا اپنی ناقدری پہ رو رہے تھے، زاویار نے عروسی لباس میں گٹھڑی کی صورت بیڈ پہ سوئی امل کو دیکھا اور لیمپ بجھا کر کروٹ بدل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح زاویار نے بمشکل اسے جھنجوڑ کر اٹھایا تھا۔
"کیا ہے؟ چھوڑو کمبل، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے زاویار کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا۔
"ارے دوپہر ہو گئی ہے، اٹھ جاؤ اب، ہمیں نیند میں ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے کمبل کھینچ کر دور پھینک دیا، لیکن امل نے اپنے لہنگے والا دوپٹہ اپنے اوپر پھیلا لیا۔
"امل پلیز اٹھ جاؤ، سب کیا سوچ رہے ہوں گے؟" زاویار کو سوچ کر ہی خفت ہونے لگی تھی۔
"ساری رات جگا کر اب سونے بھی نہیں دیتے؟" وہ یکدم چیخی اور زاویار نے یکدم ہی اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"آہستہ بولو، یہ کیا کہہ رہی ہو؟" وہ سرزنش کرنے والے انداز میں بولا۔
"کیوں بولوں آہستہ؟ تم مجھے سونے کیوں نہیں دیتے؟ رات بھی سونے دیا نہ اب؟" وہ جھلاتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی اور زاویار کا ہاتھ پرے جھٹک دیا تھا۔
"پلیز امل آہستہ بات کیا کرو، اس طرح بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔" زاویار نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"تو پھر کیسے اچھا لگتا ہے؟" وہ بےزاری سے بولی۔
"دھیرے میں کہوں ویسا کیا کرو۔"
"کیوں؟ تم تھانے دار ہو کیا؟" وہ تنک کر بولی۔
رات اتنی دیر اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے زاویار نے اس کا خوف و ہراس کافی حد تک زائل کر دیا تھا۔ اب وہ اس وقت اس کی حرکتوں سے زچ ہو رہا تھا۔
"اب کیا چاہتے ہو؟" وہ لاپروائی سے بولی۔
"کپڑے چینج کر لو۔"
"کیوں؟"
"یار! تم نے یہ لہنگا کل سے پہن رکھا ہے۔ اب نئے کپڑے پہن لو، میں باتھ روم میں لٹکا آیا ہوں۔"

زاویار نے ایک سعادت مند اور خدمت گزار شوہر ہونے کا ثبوت دیا۔
"ٹھیک ہے۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ مان گئی تھی۔" وہ باتھ روم میں گئی تو زاویار اس کے زیورات اٹھا اٹھا کر دراز میں ڈالنے لگا، وہ کپڑے چینج کرکے آئی ہی تھی کہ عنبرین بھابھی نے بھی ہلہ بول دیا، ان کے ساتھ عینی اور عینی کی دو، تین فرینڈز بھی تھیں۔
"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو؟" عنبرین بھابھی نے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
امل نے بے ساختہ شیشے کی طرف دیکھا۔ رات کو وہ بھی تو اسے اسی طرح پیاری کہہ رہا تھا؟
"رات کیسی گزری؟" عنبرین بھابھی نے اب معنی خیز انداز میں پوچھا تھا۔ امل کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے؟ وہ بونقوں کی طرح دیکھنے لگی۔
"لگتا ہے حواس ٹھکانے پہ نہیں ہیں؟" عینی کی ایک دوست نے مداخلت کی۔
"اچھا یہ بتاؤ زاویار نے تم سے سب سے پہلی بات کیا کی، کیا کہا تم سے؟" عنبرین بھابھی اس کی بے وقوفوں جیسی شکل دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھیں۔
"بتا دوں؟"
"ہاں، ہاں بتا دو، ہر لڑکی بتاتی ہے، سہاگ رات کی باتیں تو سنہری باتیں ہوتی ہیں۔"
اس نے کہا "میں تمہیں مارنے نہیں، تم سے باتیں کرنے آیا ہوں۔" امل نے معصومیت سے بتا دیا۔
لیکن وہ لڑکیاں اس کی بات پہ ہنس پڑی تھیں، امل اندر ہی اندر نروس ہونے لگی۔
"اوکے، اوکے! اب یہ بتاؤ کہ زاویار نے سوتے ہوئے سب سے آخری بات کیا کی؟" عنبرین بھابھی کو شاید اس کا مذاق اڑا کر مزہ آ رہا تھا، امل نے چہرہ جھکا لیا، اسے ان سب سے الجھن ہونے لگی تھی۔
"بولو نا امل! زاویار نے سونے سے پہلے کیا کہا؟" انہوں نے اصرار کیا تھا۔
"سو جاؤ، آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" امل

آہستگی سے بولی۔ لیکن ان کا تو قہقہہ فلک شگاف قسم کا تھا۔ بھی لڑکیاں لوٹ پوٹ ہو گئی تھیں۔ عینی بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکی اور ان کی ہنسی نے امل کا میٹر گھما کے رکھ دیا تھا۔

"اپنے منہ بند کرو، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ سب یہاں تماشا دیکھنے آئی ہو؟ منہ پھاڑ پھاڑ کے کیوں ہنس رہی ہو؟" وہ یکدم بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی اور ان سب کی ہنسی کو بریک لگ گئے تھے۔ عینی کا چہرہ خفت سے اور عنبرین کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا تھا۔

"امل بیٹا کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہونا۔" شاہینہ اس کی آواز سن کر ہی کمرے میں آئی تھیں۔

"میں ان کے سر پھاڑ دوں گی، یہ ہنستی ہیں میری باتوں پہ۔" وہ ان کی طرف جھپٹی، لیکن شاہینہ بیگم اور عینی نے اسے سنبھال لیا۔

"بیٹا شادی میں ہنسی مذاق تو ہوتا ہی ہے۔"

"میری کوئی شادی نہیں ہوئی تو کوئی مذاق کیوں اڑائے گا؟" وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا کوئی تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا، وہ تو تمہیں جان بوجھ کر تنگ کر رہی تھیں۔"

"میں پاگل ہوں کیا، جس کو یہ سب تنگ کرنے کے لیے آئی ہیں۔" وہ ان سب کو نوچنے کے لیے دوڑ رہی تھی۔

"پاگل نہیں ہو تو اور کیا ہو؟" عنبرین بھابھی غصے سے اسے دیکھ کر طنز کا تیر پھینکتی ہوئی وہاں سے پاؤں پٹخ کر نکل گئیں۔

شاہینہ بیگم نے بڑی بہو کو چونک کر دیکھا تھا، اس کے تیور خاصے ناگوار قسم کے تھے۔

"عینی تم جاؤ اور زاویار کو بھیجو۔" انہوں نے اشارہ کیا۔

"تم لوگ بھی آجاؤ۔" عینی باقی لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

مراد حسن واپس امریکہ چلے گئے تھے، لیکن جانے سے پہلے وہ بہت اداس اور پریشان بھی تھے۔ انہوں نے شاہینہ اور زاویار کو امل کی ذمہ داری سونپتے ہوئے دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اس کا خیال رکھنے کی درخواست اور التجا کی تھی اور زاویار نے انہیں پوری پوری تسلی دی تھی کہ وہ امل کے معاملے میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرے گا۔ انہیں کبھی شکایت نہیں ہوگی، زاویار کے اس انداز اور تسلی پہ مراد حسن کو ابرار سکندر یاد آ گیا تھا۔ جس نے ان کی بہن سے شادی کرنے کے بعد کبھی بھی کوتاہی سے کام نہیں لیا تھا اور نہ ہی ان کو شکایت کا موقع دیا تھا اور اب ابرار سکندر کی جگہ زاویار سکندر کھڑا تھا۔ ان کی تسلی کے لیے تو یہ ہی کافی تھا، وہ ابرار سکندر کا بیٹا تھا، صابر، شاکر اور مخلص۔

اس لیے گھر سے رخصت ہوتے ہوئے کچھ اداس تو تھے، لیکن اندر سے مطمئن بھی ہو چکے تھے، وہ بھی انہیں ایئرپورٹ تک سی آف کرنے آئے تھے اور پھر رفتہ رفتہ سب کی روٹین سیٹ ہو گئی تھی۔ عینی اور اسفار نے اپنا اپنا کالج جوائن کر لیا تھا۔ شہریار اور زاویار اپنے بزنس کو پھیلانے کے چکروں میں لگ گئے اور شاہینہ بیگم نے کچن کی جانب سے ریٹائرمنٹ لے کر گھر پہ اور بہوؤں پہ توجہ دینا شروع کر دیا۔

عنبرین تو اچھی خاصی اسٹائلش اور ماڈرن لڑکی تھی، اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی، البتہ امل ہر کام میں کوری تھی اور اسے ہر چیز میں توجہ اور مدد چاہیے تھی۔ شاہینہ بیگم گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہتیں اور وہ بغیر ہوں ہاں کیے بس سنتی رہتی، موڈ خراب ہوتا تو ان کو یونہی باتیں کرتے چھوڑ کر بے مروتی سے اٹھ کر چلی جاتی تھیں، لیکن اس پہ بھی شاہینہ بیگم کو برا نہیں لگتا تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ امل ایسا جان بوجھ کر نہیں کرتی۔

اسی وقت بھی وہ اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں بٹھائے ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے میں ہی مصروف تھیں، جب عنبرین کی آواز پہ ٹھٹک گئیں۔

"اس کے ساتھ باتیں کرنے سے تو بہتر ہے آپ دیواروں سے باتیں کر لیں۔" عنبرین کے طنزیہ لہجے پہ شاہینہ بیگم کو آج دوسری بار ناگواری محسوس ہوئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"آپ کے خیال سے ہی کہہ رہی ہوں، گھنٹوں بیٹھ کر سر کھپاتی ہیں اور نتیجہ پھر بھی صفر کا صفر ہی رہتا ہے۔" عنبرین کو امل سے چڑ ہو چکی تھی، وہ اس روز والی ہتک بھولی نہیں تھی۔

"عنبرین اپنی حد میں رہ کر بات کرو، وہ بیمار ہے تو اس کا مطلب نہیں کہ تم لوگ اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کرو۔" شاہینہ بیگم کے تیور بدل گئے تھے اور عنبرین فوراً سنبھل گئی۔

"مجھے بھی کیا ضرورت ہے مذاق اڑانے کی؟ عینی کی فرینڈز بھی مذاق اڑا رہی تھیں، ان کو بھی جا کر منع کر دیجیے۔"

"گھر والے مذاق اڑانا شروع کرتے ہیں تو دنیا والوں کو شہ ملتی ہے۔ تم پہل نہ کرتیں تو ان کی کیا جرات تھی کہ وہ ایسا کرتیں؟"

"جو ہمارا اپنا ہے سب کے سامنے مذاق اڑائیں اور لوگ پیچھے مذاق اڑاتے ہیں، بس یہ ہی فرق ہے نا۔" عنبرین نے لفظ چبا کر کہے۔

"یہ فرق بتاتا ہے کہ تم میں اور دنیا والوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔" شاہینہ بیگم کا لہجہ تاسف لیے ہوئے تھا۔ عنبرین لاجواب ہو گئی تھی، اتنے میں فون کی بیل بجنے لگی۔

"ہیلو۔" عنبرین نے ہی کال ریسیو کی۔

"بھابھی، امی کہاں ہیں؟" دوسری طرف زاویار تھا۔

"بلاتی ہوں۔" عنبرین نے ریسیور سائیڈ پہ رکھ دیا۔

"آپ کی کال ہے۔" عنبرین اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ہیلو، السلام علیکم امی۔"

"وعلیکم السلام، خیریت؟"

"جی خیریت ہی ہے، وہ دراصل آج امل کے چیک اپ کی ڈیٹ ہے اور میں بھائی کے ساتھ ایک میٹنگ میں ہوں، لیٹ ہو جاؤں گا، آپ ایسا کریں کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔" زاویار اس کے چیک اپ کے لیے خاصا متفکر اور کانشس لگ رہا تھا۔ "لیکن میں کسی کام میں مصروف ہوں۔" شاہینہ بیگم نے جان بوجھ کر کہا۔

"پلیز امی، امل کا چیک اپ ہر کام سے زیادہ اہم ہے، آپ باقی کام بعد میں کر لیجیے گا۔" وہ جس طرح جھنجلا کے بولا شاہینہ بیگم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

"اگر اتنا ہی اہم ہے تو تم خود کام چھوڑ کے آ جاؤ۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں میں خود آ رہا ہوں۔"

"یہ سن کر امی یکدم کھل کھلا کے ہنس پڑی تھیں۔

"میں یہ ہی تو دیکھنا چاہتی تھی کہ تم اپنی بیوی کو ترجیح دیتے ہو یا بزنس کو، لیکن تمہارا اپنی بیوی کو ترجیح دینا اچھا لگا۔" انہوں نے اسے سراہا اور زاویار بھی مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

زاویار کافی دیر سے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا اپنے آفس کا کچھ کام نپٹا رہا تھا اور امل بھی کافی دیر سے بیڈ پہ بیٹھی اپنا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے بڑی محویت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، ایسے کہ اسے دیکھتے ہوئے پلک بھی نہیں جھپک رہی تھی۔ کمرے میں لیمپ آن تھا یا پھر کمپیوٹر کے مانیٹر کی روشنی تھی، جو سیدھی زاویار کے چہرے پہ پڑ رہی تھی، نیلی روشنی میں زاویار کا چہرہ بھی نیلا نیلا لگ رہا تھا اور یونہی کی بورڈ پہ تیزی سے انگلیوں کو حرکت دیتے ہوئے اس کی نظر امل پہ پڑی تو وہ یکدم ٹھٹک گیا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے چیئر کو اس کی طرف گھماتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں۔" وہ بے ساختہ بولی اور اس کی بے ساختگی پہ زاویار کا دل دھڑک اٹھا، وہ کب سے اسے فراموش کیے بیٹھا تھا۔ لیکن وہ ایک لمحے میں اس کی

ساری لاتعلقی اور فراموشی کو دور، ہم بر ہم کر گئی تھی۔
"کیوں؟"
"تم کمپیوٹر کیسے چلا لیتے ہو؟" اس نے اپنی عقل کے مطابق سوال کیا۔
"جیسے سب استعمال کرتے ہیں، ویسے میں بھی کرتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"سب استعمال کرتے ہیں، لیکن میں تو نہیں کر سکتی نا! مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔"
"شروع شروع میں تو کسی کو بھی نہیں آتا، سیکھنا پڑتا ہے، تم سیکھو گی؟" زاویار نے اچانک پوچھا۔
"میں کیسے سیکھوں گی؟"
"مجھے تو ٹھیک سے انگلش بھی نہیں آتی؟" وہ مایوسی سے بولی۔
"کوئی بات نہیں، پہلے انگلش سکھا دوں گا، پھر کمپیوٹر۔" زاویار کمپیوٹر کا پلگ آف کر کے اپنی چیئر گھسیٹ کر اٹھ گیا تھا۔
"اور وہ بھی سکھاؤ گے؟" امل کے انداز میں اشتیاق تھا۔
"وہ کیا؟"
"ارے وہ جو تم اپنی جیب میں رکھتے ہو، کیا نام ہے اس کا؟ ہاں موبائل۔" امل نے ذہن پہ زور دیتے ہوئے کہا۔
"یار! سب کچھ سکھاؤں گا، سب کچھ سکھا دوں گا، یہاں تک کہ محبت کرنا بھی۔" وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"محبت؟" امل محبت کے نام سے تو واقف تھی، مگر مفہوم سے ناآشنا تھی۔
"یار! چھ ماہ ہو گئے ہیں تم سے محبت کرتے کرتے اور تمہیں ابھی تک محبت کا ہی نہیں پتا۔ افسوس کیا کر سکتا ہوں بھلا؟"
"تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" وہ حیرت سے بولی۔
"اور کتنا بتاؤں؟" زاویار نے گھورا۔
"ناراض کیوں ہو رہے ہو؟ کیا میں نے کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرو؟" وہ الٹا اس پہ خفا ہوئی۔

"تم نے نہیں تمہارے والد صاحب نے کہا تھا کہ تم سے محبت کروں۔" زاویار زچ ہو کر بولا۔
"تو پھر ان پہ غصہ کرو نا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔
"امل۔" وہ دبے لہجے میں چبا کر بولا۔
"جی؟" امل نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ وہ خفگی سے کچھ بھی کہے بغیر اٹھ کر اپنی جگہ پہ جا کے لیٹ گیا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔
"تم ناراض ہو گئے ہو؟" امل اس کے قریب آ بیٹھی۔
"نہیں تو پھر باتیں کیوں نہیں کر رہے؟"
"یار خالی باتوں میں کیا رکھا ہے؟"
"خالی باتیں۔" وہ سوالیہ دیکھنے لگی، زاویار نے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے سر جھٹک دیا۔
"خیر چھوڑو اس چیز کو، تم یہ بتاؤ موویز دیکھتی ہو؟" اس نے امل کا ہاتھ تھام لیا۔
"ہاں۔"
"کیسی موویز دیکھتی ہو؟"
"سب دیکھتی ہوں۔"
"رومانٹک مووی دیکھی ہے کبھی؟" وہ شرارت سے بولا۔
"وہ کیسی ہوتی ہے؟"
"ابھی بتاتا ہوں۔" زاویار نے چینل سرچ کرنا شروع کر دیا اور جس چینل پہ کوئی رومانٹک مووی نظر آئی وہیں رک گیا۔
"یہ مووی دیکھو۔" اس نے اشارہ کیا۔
"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔
"ادھر میرے قریب آکر بیٹھو۔" زاویار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیہ رکھتے ہوئے اس کے ٹیک لگانے کے لیے جگہ بنائی۔
"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے بولی۔
"تم ٹھیک ہو، لیکن میں ٹھیک نہیں ہوں نا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر امل کا بازو پکڑا اور اپنے قریب گھسیٹ لیا تھا، امل بمشکل اپنا توازن قائم رکھ پائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے جیسے ہی میرا موڈ بدلتا ہے تم اچھی خاصی سیانی ہو جاتی ہو؟" زاویار اس کے گریز اور شرم کو محسوس کرتے ہوئے گھور کر بولا تھا۔
"تمہارا موڈ کیوں بدلتا ہے؟" امل ایسے ایسے سوال کر ڈالتی تھی کہ زاویار ہاتھ ملتا رہ جاتا تھا۔
"تم مووی دیکھو۔" اس نے بات ٹال دی اور امل ذرا سا پیچھے کھسک کر بیٹھ گئی۔ زاویار نے اس حرکت کو خاص نوٹ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ لوگ ناشتے میں مصروف تھے، جب اچانک شاہینہ بیگم کی آواز ابھری۔
"او مائی گاڈ!" انہوں نے سر تھام لیا تھا۔
"کیا ہوا امی؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟" عینی ان کے قریب تھی، اس نے تیزی سے ماں کو کندھے سے تھام لیا۔
"میں... میں ٹھیک ہوں۔"
"لیکن وہ زیب النساء۔" انہوں نے اخبار کی طرف دیکھا۔
"زیب النساء آنٹی؟" شہریار نے حیرت سے کہا اور پھر یکدم اخبار اٹھا لیا۔ سامنے ہی اسپتال کے بیڈ پہ بے ہوش پڑی زیب النساء کی تصویر چھپی تھی اور نیچے ہی سرخی درج تھی کہ فلیٹ میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگنے سے ایک خاتون زخمی جو اس وقت سرکاری اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور ان کو آس پاس کے لوگوں نے فلیٹ کا دروازہ توڑ کر باہر نکالا تھا۔ لیکن اس خاتون کے بارے میں اور بھی انکشافات سامنے آ رہے ہیں۔ بقول پڑوسیوں کے وہ کافی تشدد پسند خاتون تھیں اور کسی حد تک تنہائی پسند بھی۔ شہریار اونچی آواز میں پڑھ رہا تھا اور شاہینہ بیگم کا دل ہمدردی اور رحم سے بھرتا جا رہا تھا۔ البتہ زاویار کی شکل پہ پریشانی درج تھی، لیکن شکر تھا کہ امل ابھی سو رہی تھی، اسے اس بات سے دور رکھنا ہی بہتر تھا۔
"زاویار تم مجھے اسپتال لے چلو۔" شاہینہ بیگم نے

رہا نہیں گیا۔
زیب النساء، شاہینہ اور مراد حسن کی ماموں زاد کزن تھی۔ ماموں اور ممانی کی اچانک وفات کے بعد ان کے اماں، ابا زیب النساء کو اپنے گھر لے آئے تھے اور چند ہی دنوں بعد انہوں نے زیب النساء کو مراد حسن سے منسوب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شروع میں زیب النساء اتنے خوب صورت شوہر کی سنگت میں خوش رہی، لیکن پھر رفتہ رفتہ لوگوں کی نظروں نے اسے خوب صورتی اور بدصورتی کے اس ملاپ کا احساس دلانا شروع کر دیا اور یہ ہی احساس اس کی زبان کا حصہ بن گیا اور اسی احساس نے اس کی زندگی تباہ و برباد کر کے رکھ دی۔ بلکہ اپنی زندگی ہی نہیں اپنی بیٹی کی زندگی کو بھی نہیں بخشا۔ وہ اپنے اندر کا غصہ اور غبار اس پہ نکالتی رہی اور ہمیشہ اسے تختہ مشق بنائے رکھا، یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ مراد حسن بیٹی سے ملنے چلے گئے تھے اور اسے وہاں سے نکال لائے تھے۔ شاہینہ بیگم تمام راستے سوچوں میں گم رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

امل کمرے میں ٹہلتے ہوئے بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی اور اندر ہی اندر جھنجلا رہی تھی، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ نیچے جا کر عینی سے پوچھنے کا خیال آیا۔ عینی کے بیڈ روم کے دروازے میں پہنچ کر اس کے قدم رک گئے تھے، وہ کشمکش و پیچ کا شکار نظر آنے لگی۔
"ارے امل بھابھی؟" عینی نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت سے چونک اٹھی تھی۔
"آئیے نا، اندر آئیے، باہر کیوں کھڑی ہیں؟" وہ امل کا بازو تھام کے اندر لے آئی، اندر قالین پہ بیٹھا اسفی کوئی ویڈیو گیم کھیل رہا تھا۔ وہ بھی امل کو دیکھ کر یکدم کھڑا ہو گیا۔
"السلام علیکم۔" وہ احتراماً بولا، عینی اور اسفی اس سے چھوٹے تھے۔ عینی دو سال چھوٹی تھی اور اسفی

ایک سوال۔

"بیٹھیے نا۔" انھوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"نن... نہیں... وہ میں کچھ پوچھنے آئی تھی۔" امل ان دونوں سے نروس ہونے لگی۔

"جی کیا پوچھنا ہے؟" ہینی بڑی تمیز سے بولی۔

"وہ میں... اس... اس کا پوچھنے آئی تھی۔" اس نے بمشکل کہا۔

"زاویار بھائی کا پوچھنے آئی ہیں؟"

"ہاں... ہاں..." امل نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔

"تو پوچھیے نا۔" ہینی شرارت سے بولی۔

"کہاں ہے وہ؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"او... ہو؟ اداس ہو رہی ہیں ان کے لیے؟" ان دونوں بہن بھائی نے اک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

"نن نہیں، وہ ابھی تک آیا نہیں اس لیے۔" امل نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"تو پھر جائیے وہ آچکے ہیں ان کی گاڑی رکنے کی آواز آئی ہے ابھی..." ہینی نے اسے نوید سنائی اور امل مزید کچھ بھی کہے بغیر سرعت سے اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو زاویار کو دیکھ کر ٹھہر گئی تھی، وہ بیڈ پہ بیٹھا نیچے جھک کر اپنے شوز لیس کھول رہا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ اتنی دیر سے کیوں آئے؟" امل کا بے چین سا سوال زاویار کو ٹھٹکنے پہ مجبور کر گیا، وہ یکدم سیدھا ہوا، وہ آنکھوں میں تحیر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ادھ کھلے شوز میں ہی اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"بولو نا؟ کیا پوچھ رہی تھیں تم؟" اس نے امل کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، امل اسے گھورنے لگی۔

"اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟" لہجے خفگی بھرا تھا۔

"تمہیں میرا انتظار تھا؟"

"میں تو روز تمہارا انتظار کرتی ہوں۔" انداز میں معصومیت اور بے نیازی تھی۔

"تو بتاتی کیوں نہیں ہو؟"

"بتانے سے کیا ہوگا؟"

"میں جلدی آجایا کروں گا۔"

"تو پھر کام کون کرے گا؟"

"کام بھاڑ میں جائے۔"

"کام نہیں کرو گے تو کھاؤ گے کیسے؟"

"کھانے کی جگہ تمہیں کھاؤں گا۔"

"مجھے؟"

"ہاں تمہیں۔" وہ اسے گہری اور بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پہ جھکا، لیکن اچانک ہونے والی دستک نے اس کی خواہش کو انتہائی بے دردی سے روند ڈالا تھا۔ وہ یکدم بھنا گیا۔

"کون ہے؟" اس نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں ہوں یار!" شہریار کی آواز پہ زاویار کو اپنا آپ مزید کمپوز کرنا پڑ گیا۔ اعصاب جھنجلائے ہوئے تھے۔ امل بے نیازی سے جا کر بیڈ پہ بیٹھ گئی اور ٹی وی آن کر لیا۔

"جی بھائی؟" اس نے دروازہ کھولتے ہوئے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"کیا بات ہے؟ اتنے تھکے تھکے اور بے زار کیوں ہو رہے ہو؟" شہریار اس کی بے زاری کو تھکن پہ معمول کیا۔

"کچھ نہیں بس چینج کرنے جا رہا تھا۔"

"او... وہ امی، زیب النسا آنٹی کا پوچھ رہی ہیں کہ اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

شاہینہ بیگم صبح اسپتال گئی تھیں اور زیب النساء نے انہیں دیکھ کر وہ ہنگامہ مچایا کہ پورا اسپتال تقریباً سر پہ اٹھا لیا تھا۔ انھوں نے کسی کا بھی خیال کیے بغیر شاہینہ بیگم کو گالیاں بکنا شروع کر دیا۔ اور سب کے سامنے ماں کے بارے میں ایسے مغلظات سننا زاویار کو گوارا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کچھ ہی دیر بعد شاہینہ بیگم کو واپس گھر بھیج دیا تھا اور خود زیب النساء کے پاس [illegible]

نے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اگر مزید دو دن تک ان کی یہ ہی کنڈیشن رہی تو انہیں پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔" زاویار نے آہستگی سے کہا۔

"اوہ نو۔" شہریار کو دھچکا لگا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں، انھوں نے اپنی جو حالت بنا رکھی ہے اس کے بعد یہ تو ہونا ہی تھا۔ محض ایک احساس کمتری کو خود پہ حاوی کر کے انھوں نے گھر کا گھر تباہ کر دیا اور اپنی زندگی بھی اجیرن کر لی۔" زاویار خفگی سے بول رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا دیکھ رہی ہو؟" امل کافی دیر سے آئینے کے سامنے کھڑی تھی اور اپنے آپ کو ہر زاویے سے دیکھ رہی تھی لیکن کہیں بھی مطمئن نہیں ہو رہی تھی جب ہی زاویار کو پوچھنا پڑ گیا تھا۔

"میں خوب صورت نہیں ہوں نا؟" اس نے کافی مایوسی سے کہا تھا، زاویار اپنے کپڑے تبدیل کرنے اتارتے ہوئے یکدم چونک گیا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا؟" زاویار کو شاک لگا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ امل خوبصورتی اور بدصورتی کے بھنور میں الجھے۔ کیونکہ زیب النساء نے اس بھنور میں الجھ کر اپنے لیے پاگل خانے کا راستہ ہموار کر لیا تھا۔

"آئینہ کہہ رہا ہے۔" امل ابھی تک اپنے آپ پہ نظریں جمائے کھڑی تھی زاویار کپڑے اور ہینگر بیڈ پہ ڈال کے اس کے پاس آکھڑا ہوا۔

"آئینے جھوٹ بولتے ہیں۔ تم مجھ سے پوچھو۔" وہ کافی مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

امل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر یکدم پھٹ پڑی تھی۔

"جھوٹ بولتے ہو تم بھی۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے جھوٹی تسلیاں دیتے ہو، میں خوبصورت نہیں ہوں۔" اس نے چیختے ہوئے زاویار کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ زاویار ششدر سا رہ گیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟" زاویار نے اپنے اعصاب کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا۔

"خوب صورت کیسی ہوتی ہیں؟"

"تمہاری بہن جیسی۔ تمہاری بھابھی جیسی۔ تمہاری ماں جیسی۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں ان جیسی خوب صورت ہوں؟ یہ بدصورت شکل ان کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے، میں ان کو دیکھتی ہوں تو اپنے آپ کو دیکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ چڑ ہوتی ہے مجھے اپنے آپ سے۔ میں ہزار بار رگڑ رگڑ کر منہ دھوتی ہوں مگر پھر بھی ان جیسی نہیں ہو پاتی۔ مجھے خود اپنے آپ سے چڑ اور کوفت ہوتی ہے تو تم مجھے کیسے برداشت کر لیتے ہو؟ دل تو نہیں چاہتا ہوگا نا؟ تمہارے ساتھ تمہارے جیسی خوب صورت لڑکی ہوتی تو جوڑی جچتی۔ میں تو تمہارے ساتھ..."

"شٹ اپ اپنی زبان بند رکھو۔" وہ یکدم غصے میں آیا تھا امل دو قدم پیچھے ہٹ گئی بلکہ دہل گئی تھی وہ آج تک اس کے ساتھ اس لہجے اور اس انداز میں نہیں بولا تھا۔

"آٹھ، دس ماہ ہو گئے ہیں تمہیں آج مجھے جھوٹا کہنے کھڑی ہو گئی ہو؟ کیا جھوٹ بولا ہے میں نے؟ یہ کہ تم خوب صورت ہو؟" زاویار نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ "دیکھو اپنے آپ کو اور بتاؤ مجھے کہ تم کہاں سے بدصورت ہو؟ رنگت سفید ہونا خوب صورتی نہیں ہے، اگر صرف رنگت ہی گوری چٹی کرنی ہے تو وہ تو تم بھی کر سکتی ہو، کسی بھی بیوٹی پارلر چلی جاؤ۔"

"تمہارے اندر یہ جو خوب صورتی اور بدصورتی کا خناس بھرا ہوا ہے نا؟ اسے ختم کرو، ورنہ یہ سب ختم کر دے گا، سارے کیے کرائے پہ پانی پھیر دے گا۔" زاویار نے اسے کندھوں سے تھام کے جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا وہ یکدم دہشت زدہ سی نظر آنے لگی تھی اور بات

کرتے ہوئے زاویار اسے دیکھ کر رک گیا تھا پھر فوراً ہی اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا کر بیڈ پہ جا بیٹھا تھا اور کتنی دیر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا۔ اور بھی نجانے کتنی دیر بیٹھا رہتا کہ اسے دبی دبی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ ابھی تک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔

"امل ادھر آؤ۔" اس نے اب کی بار اونچی آواز میں کہا اور امل کو مجبوراً آنا پڑا۔

"بیٹھو۔" اپنے قریب بیٹھنے کا کہا اور ساتھ ہی اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا بھی لیا تھا۔ اس کی دبی دبی سسکیاں ہنوز جاری تھیں، چہرا جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو امل! مجھے غصہ تم پہ نہیں آیا، بلکہ غصہ اس بات پہ آیا ہے کہ تقریباً ایک سال ہونے کو آیا ہے اور اس ایک سال میں کیا میں تمہیں یہ یقین بھی نہیں دے پایا کہ تم جو بھی ہو، جیسی بھی ہو، میرے لیے کتنی اہم اور خاص ہو۔ میں اگر خوب صورتی دیکھنے والا ہوتا تو امریکا میں ہی کسی سے شادی کر چکا ہوتا، وہاں خوبصورت چہروں کی کمی نہیں تھی اور نہ ہی میرا دل ایسا تھا کہ کسی کی ظاہری خوب صورتی سے تسخیر ہو جاتا۔ میں نے تم سے شادی کی ہے تو اپنی مرضی سے کی ہے۔ ایک سال ہونے والا ہے تمہارے ساتھ رہتے ہوئے کیا تمہیں کبھی ایسا لگا کہ تمہیں دیکھ کر مجھے چڑ ہوتی ہے؟ یا میں بے زار ہوتا ہوں؟" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے پوچھ رہا تھا۔

"اور رہی بات ٹینی اور عنبرین کی طرح نظر آنے کی تو تمہارا یہ شوق میں صبح ہی پورا کر دوں گا، تمہیں خود بیوٹی پارلر لے کر جاؤں گا، لیکن اتنا سوچ لو پھر تمہیں ان جیسا ہی بن کے رہنا پڑے گا اسٹائلش اور ماڈرن۔" اس نے ساتھ ساتھ دھمکی دی اور امل روتے روتے ہنس پڑی تھی۔ زاویار آنسوؤں اور ہنسی کا یہ حسین امتزاج دیکھتا رہ گیا۔

"امل پلیز اپنے دل سے یہ عجیب عجیب وہم اور وسوسے نکال دو، دنیا بہت خوب صورت ہے اور دنیا کی اس خوب صورتی میں تم بھی شامل ہو، پلیز انجوائے کرو

خوش رہو۔ کھل کے جیو۔" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"میں تمہیں واقعی اچھی لگتی ہوں؟" وہ تسلی چاہتی تھی۔

"ہاں۔"

"مجھے طلاق دے کر چلے تو نہیں جاؤ گے؟" اس کے اندر کا چور سامنے آیا تو زاویار ٹھٹک گیا۔ اس کی چپ امل کو متوحش کر گئی۔

"نہیں میری جان! ابھی نہیں ایسا سوچنا بھی مت۔" اس نے فوراً سختی سے تردید کی تھی اور امل کی خوشی کی انتہا تھی کہ وہ یکدم بے اختیار زاویار کے سینے سے لپٹ گئی تھی اور اس کی خوشی کے اس اظہار پہ زاویار بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"صبح پارلر چلنے کی تیاری کر لو۔" وہ اس کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے بولا۔

☼ ☼ ☼

اس دن وقت سے پہلے ہی آفس سے اٹھ آیا تھا۔ شہریار نے جلدی نکلنے کی وجہ بھی پوچھی مگر وہ ٹال گیا تھا۔

وہ بیڈ روم میں آیا امل نہا کر کنگھی کر رہی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کہاں؟"

"بیوٹی پارلر۔"

"بس چلو لیکن ویکن کچھ نہیں، اب میں تمہیں ویسا بنا کے چھوڑوں گا جس کے تم خواب دیکھتی ہو اور حسرت سے آہیں بھرتی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور سیدھا لا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔

وہ باہر نکلی تو زاویار اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ لوگ جیسا فلیٹ سے لے کر آئے تھے، جس کو دیکھ کر یہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ بہتری کی طرف بھی آ سکتی ہے۔

"چلو نا کھڑے کیوں ہو؟" امل نے اسے ایک ہی جگہ کھڑے دیکھ کر کہا۔

"کیا میں واقعی خوب صورت لگ رہی ہوں؟" اس

نے گاڑی روڈ پہ ڈالی ہی تھی کہ امل نے اس کی طرف رخ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔ وہی یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولتا ہوا سوال!

"کیا میرے کہے پہ یقین آئے گا تمہیں؟" زاویار کا لہجہ بھی بے یقین تھا کیونکہ وہ یقین جو نہیں کرتی تھی۔

"تم کہو تو سہی۔"

وہ اپنی خوب صورتی کا یقین لینے کے لیے بے تاب تھی۔

"گھر چل کے بتاتا ہوں۔" وہ ذومعنی نظروں سے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ موڑ کاٹتے ہوئے اسپیڈ بڑھاتا اسے بریک لگانے پڑ گئے تھے، سامنے روڈ پہ خاصا رش تھا، ایمبولینس کا سائرن بج رہا تھا، کافی زیادہ لوگ جمع تھے راستہ بند تھا۔

"کیا ہوا؟" امل پریشان ہوئی۔

"شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" زاویار کو اندازہ ہو چکا تھا۔

"پھر کیا کریں؟"

"دوسرے راستے سے چکر کاٹ کے جانا پڑے گا۔" زاویار نے سنجیدگی سے کہا اور پھر گاڑی کو تھوڑا بیک کر کے یوٹرن لیا اور اسپیڈ بڑھا دی۔

لیکن جن راستوں پہ وہ اب جا رہا تھا وہ راستے امل مراد کے لیے اجنبی نہیں تھے، ان ہی راستوں پہ آتے جاتے اس نے فلیٹ پاس کیا تھا اور پھر ہمیشہ کے لیے گھر بیٹھ گئی اور ان ہی راستوں میں سے ایک راستہ اس فلیٹ کا بھی تھا جہاں اسے بھوک، پیاس اور تشدد سہہ کر رہنا پڑتا تھا، جہاں اسے اتنی شدید مار پڑتی تھی کہ وہ صبح و شام کا فرق بھول جاتی تھی، کہنے کو تو زیب النساء اس کی ماں تھی لیکن اپنا غصہ اور اندر کا غبار وہ کسی ظالم جلاد کی طرح نکالتی تھی اور یہ بھول جاتی تھی کہ وہ صرف مراد حسن کی ہی نہیں اس کی اپنی بھی بیٹی ہے۔ اور اس بچی کو اس نے اس حال کو پہنچا دیا تھا کہ وہ سڑکوں اور راستوں سے بھی خوف زدہ ہو گئی تھی اور دیکھتے دیکھتے ہی اس نے یکدم چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"گاڑی روکو۔ مجھے نہیں جانا۔ مجھے ممی کے پاس نہیں جانا۔ گاڑی روکو۔ تم ذلیل کمینے مجھے بہانے سے لے کر آئے ہو' تم نے جھوٹ بولا تھا میرے ساتھ۔ گاڑی روکو۔" وہ چیختے چلاتے ہوئے زاویار پہ جھپٹ پڑی یہی اس کا آخری حربہ ہوتا تھا' زاویار اچانک اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو گئی۔ اسٹیرنگ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے یکدم بازو سامنے کرتے ہوئے اس کے ناخنوں سے اپنے چہرے کو بچایا اور اسی بازو کے دھکے سے امل کو واپس سیٹ پہ پھینکا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی' تم مجھے اس فلیٹ میں لے کر جا رہے ہو۔؟"

"میں مر جاؤں گی لیکن وہاں نہیں جاؤں گی۔" بازو پہ دانت گاڑھ چکی تھی۔

"امل! سنبھالو اپنے آپ کو' میں تمہیں کہیں نہیں لے کر جا رہا۔" وہ تکلیف کے باوجود تحمل سے بولا تھا لیکن غصے سے مشتعل نہیں ہوا تھا۔ اور اس ہاتھا پائی میں امل خود ہی اسٹیرنگ سے ٹکرائی اور درد سے کراہتی ہوئی یکدم وہیں لڑھک گئی۔

"امل۔ امل! آنکھیں کھولو۔" زاویار نے بمشکل گاڑی سنبھالی اور ساتھ ساتھ اسے بھی۔ "اگلے چند منٹوں میں جس حال میں وہ گھر پہنچا سبھی پریشان ہو گئے تھے۔" امل تقریباً" بے ہوش تھی اور زاویار اسے بازوؤں میں اٹھا کر اندر لایا تھا لیکن خود زاویار کی حالت بھی کافی مشکوک ہو رہی تھی ہاتھوں پہ زخموں کے نشان تھے۔ شرٹ کے بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور سانس ناہموار ہو رہی تھی۔

"زاویار! کیا ہوا ہے؟ تم کچھ بتاؤ تو سہی؟" شاہینہ بیگم اس کے پیچھے کمرے تک آئیں لیکن زاویار امل کو بیڈ پہ ڈال کر خاموشی سے ڈاکٹر کو کال کرنے کے لیے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اس وقت کسی کو بھی کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھا اس کی چپ گہری تھی۔

☆ ☆ ☆

آج جمعہ تھا اور اسی لیے وہ آفس سے ذرا جلدی اٹھ آیا تھا لیکن گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ گھر پہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ عینی کالج گئی ہوئی تھی' اسفر یونیورسٹی' عنبرین بھابھی شہریار اور شاہینہ بیگم۔ عنبرین بھابھی کے میکے گئے ہوئے تھے ان کے بھتیجے کے عقیقے کا فنکشن تھا شاید۔ فنکشن دن کے وقت تھا اس لیے عینی اور اسفر وغیرہ نہیں جا سکے تھے اور رہی امل تو وہ سکون سے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

زاویار اک نظر اسے دیکھ کر وہیں سے پلٹ گیا لیکن اتنے میں وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ وہ اوپر کمرے میں آیا اور اپنے کپڑوں کی الماری کھول کے کھڑا ہو گیا تھا لیکن پوری الماری میں کوئی ایک بھی شلوار سوٹ نظر نہیں آیا تھا کہ جسے پہن کر وہ نماز جمعہ ہی پڑھ آتا۔ لہٰذا الماری کے نچلے خانے سے تہہ شدہ شلوار سوٹ نکالا اور اسے پریس کرنے کا سوچنے لگا۔

"لاؤ میں استری کر دوں۔" وہ ڈریسنگ روم میں استری اسٹینڈ کے قریب کھڑا استری کا پلگ لگا ہی رہا تھا کہ امل کی آواز یوں جیسا جملہ سنائی دیا۔ زاویار نے البتہ کوئی نوٹس نہیں لیا اور پلگ لگا کر استری کی اسپیڈ چیک کی۔

"میں استری کر دیتی ہوں' تم فکر نہ کرو' جلاؤں گی نہیں۔" اس نے زاویار کے کندھے پہ رکھے کپڑے اپنی طرف کھینچ لیے۔

"صرف کپڑے جلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" وہ چبا کر کہتا ڈریسنگ روم سے نکل گیا تھا۔ پھر جتنی دیر میں وہ شاور لے کر نکلا اتنے میں وہ بھی کپڑے لے کر آ گئی۔ کبھی کبھی وہ اپنی حرکتوں اور انداز و اطوار سے بالکل نارمل محسوس ہوتی تھی اور کبھی کبھی ساری کسر ایک دن میں پوری کر لیتی تھی۔

"دیکھ لو ٹھیک ہوئے ہیں؟"

"میں جمعہ پڑھنے جا رہا ہوں' ماڈلنگ کرنے نہیں۔" اس نے طنزیہ کہہ کر کپڑے اس کے ہاتھ سے لے لیے تھے۔

"تم مجھ سے ناراض ہو نا؟" امل ہچکچا کر ذرا ڈرتے ڈرتے بولی۔ زاویار تولیہ بالوں میں رگڑتے ہوئے ٹھٹھک گیا تھا' وہ آج کتنا نارمل ری ایکٹ کر رہی تھی۔

"ناراض؟"

"ہاں اس روز میں نے گاڑی میں اتنا ہنگامہ جو کر دیا تھا۔" وہ اپنے کیے پہ پشیمان تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ آئندہ بھی کرتی رہنا۔ میری بلا سے۔" وہ کندھے اچکاتا سر جھٹک کر کپڑے پہننے چلا گیا۔

"مجھے معاف کر دو۔" وہ واپس آیا تو امل نے لجاجت سے کہا۔

"معافی کیسی دو روز بعد تمہیں پھر کہیں لے کر جاؤں گا' تم پھر وہی ہنگامہ کرو گی' اس لیے معافی کا کیا فائدہ؟" وہ انتہائی روڈ ہو رہا تھا۔

"نن نہیں۔ اب نہیں کروں گی' اب کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ وعدہ۔ پکا وعدہ۔" اس نے فوراً" زور زور سے کہا۔

☆ ☆ ☆

"چلو لکھو' تم کہاں ہو؟" اس نے امل کو جملہ لکھنے کو دیا۔

"ٹی یو ایم تم .... کے' اے' ایچ' اے' این' کہاں .... ایچ' او' ہو .... تم کہاں ہو؟" امل نے باآواز بلند میسج لکھا اور پھر موبائل اسکرین زاویار کے سامنے کی۔

"شاباش' بالکل ٹھیک لکھا ہے' اب اس میسج کو میرے نمبر پہ سینڈ کرو۔" زاویار اسے موبائل ہینڈل کرنا سکھا رہا تھا اور امل اس کے سمجھانے کے طریقے کو بہت جلدی پک کر رہی تھی اور اس میں زاویار کی کامیابی تھی۔ اس نے آپشن کا بٹن دبا کر میسج کو سینڈ پہ لا کر زاویار کا نمبر سرچ کیا اور میسج سینڈ کر دیا۔ دوسری طرف فوراً" میسج ٹیون بجی تھی۔

"چلو اب میں تمہیں ریپلائی کرتا ہوں۔" اس نے اپنا موبائل اٹھا کر تیزی سے بٹن پریس کیے اور ریپلائی کر دیا۔ اب امل کے موبائل پہ ٹیون بجی تھی۔ وہ میسج اوپن کر کے پڑھنے لگی۔

"میں تمہارے دل میں ہوں۔" وہ میسج پڑھتے ہوئے مسکرائی۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" اس نے مشکل سے ہی سہی مگر میسج ضرور لکھ لیا تھا وہ بھی بغیر کسی مدد کے۔

"مجھے اس لیے پتہ ہے کہ تمہارے دل کو لاک لگا ہوا تھا اور اس لاک کو کھول کر میں ہی اندر داخل ہوا ہوں' اس لیے اب وہاں میرا ہی قیام ہے۔" امل زاویار کا ریپلائی پڑھ کر حیران ہوئی۔

"سچ؟ میرے دل میں صرف تم ہی ہو؟" وہ موبائل بیڈ پہ رکھ کے یکدم حیرانی سے بولی۔

"ہاہاہا۔" زاویار یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

"دل تمہارا ہے' اور پوچھ مجھ سے رہی ہو؟" امل اس کے مذاق اڑانے پہ جھینپ گئی تھی اب اس نے کسی مذاق پہ طیش میں آنا چھوڑ دیا تھا کافی نارمل ہو چکی تھی وہ۔

"میرے دل کو اور مجھ کو تم مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو اسی لیے پوچھتی ہوں۔"

"تو پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگی ہو' مجھے چوری چوری دیکھتی ہو' میرا انتظار کرتی ہو' جو کہتا ہوں وہ مان لیتی ہو اور یہی تمہارے دل کی محبت کی نشانی ہے۔" زاویار نے قریب بیٹھی امل کی گردن میں بازو ڈال کر اسے اپنے اوپر جھکا لیا تھا۔

"محبت؟ کتنا خوب صورت لفظ ہے۔ محبت۔؟" امل دھیمے سے بولی۔

"ہاں تم جیسا خوب صورت۔" وہ دل سے بولا تھا۔

"محبت کی خوبصورتی جیسا خوبصورت کوئی نہیں ہو سکتا' نہ تم' نہ میں....." وہ سمجھ داری اور سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"ماشاء اللہ' بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ یہ باتیں تمہاری اپنی ہیں یا کسی رسالے سے پڑھی ہیں؟"

وہ شرارت سے بولا کیونکہ اس نے کافی دن پہلے ڈھیر سارے معیاری ڈائجسٹ اور کتابیں لا کر امل کو پڑھنے کے لیے دیے تھے اور وہ واقعی دلچسپی سے پڑھتی

رہی تھی اس نے ایک ایک چیز پڑھنے کے بعد زاویار کے ساتھ ڈسکس کی تھی اور زاویار کو اس کی یہ دلچسپی بہت اچھی لگی تھی۔

لیکن اس وقت زاویار کے سوال پہ وہ پہلے والے تیوروں سمیت اسے گھورنے لگی تھی۔

"او کے بابا! او کے مجھ سمجھ میں آگیا ہے' یہ بات تم نے خود ہی کی ہے' کہیں پڑھی نہیں ہے۔" وہ فوراً ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو امل بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تم نے کسی ناول یا افسانے میں کبھی یہ نہیں پڑھا کہ ہیرو اور ہیروئن اک دوسرے کے قریب بھی آتے ہیں' رومانس بھی کرتے' اور......"

"بس بھی کرو۔" امل نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا چہرا شرم سے سرخ ہونے لگا تھا' اور زاویار کا ایک اور قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"یار اس کافر کا دل چاہتا ہے بس کرنے کو..؟"

"ٹھیک ہے پھر میں جارہی ہوں۔" وہ اس کے حصار سے نکل کر بیڈ سے اتر گئی۔

وہ بیڈ سے اتر گئی تھی۔

"اب مجھے سونا ہی ہے اور کیا کرنا ہے بھلا؟" وہ بڑبڑاتا ہوا کروٹ بدل گیا۔

☆ ☆ ☆

مراد حسن کے پاکستان سیٹل ہونے کی خبر نے سب کو خوش کردیا تھا اور سب سے زیادہ خوشی شاہینہ بیگم کو ہی ہو رہی تھی' آخر ان کا بھائی بیوی بچوں کے ساتھ پہلی بار پاکستان آرہا تھا وہ دو ہی بہن بھائی تھے اور ان دونوں نے بھی دور رہ کر زندگی گزار دی تھی' حالانکہ دونوں بہن بھائی کو اک دوسرے کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ دونوں اک دوسرے کے دل کا حال بخوبی جانتے تھے اور اک دوسرے کے سوا اور کوئی رشتہ بھی تو آس پاس نہیں تھا بس اپنی اپنی اولادوں کے ساتھ جی رہے تھے۔

اور اسی لیے جب مراد حسن نے پاکستان سیٹلڈ ہونے کی بات بتائی تو شاہینہ بیگم خوش ہو گئی تھیں لیکن صرف ایک امل ہی تھی جو نہ خوش تھی اور نہ ہی ناخوش۔

"کیا تمہیں اپنے بابا کی آمد کا سن کر خوشی نہیں ہوئی..؟" شاہینہ بیگم نے امل کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"خوشی تو تب ہوتی۔ جب میں ان کے ساتھ رہتی۔ مجھے ان کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ یہاں رہیں یا وہاں۔" امل نے تلخی سے کہا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟" شاہینہ بیگم کو اس سے ایسے جواب کی امید نہیں تھی۔

"بیٹا! وہ اگر ملک سے باہر رہتے ہیں تو یہ ان کی مجبوری تھی۔"

"مجبوری؟ کیسی مجبوری پھوپھو؟ وہ مجھے میری ماں کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر چلے گئے؟ جس عورت کے ساتھ وہ خود نہیں رہ سکتے تھے' اس کے ساتھ مجھے رہنے کے لیے چھوڑ دیا؟ جو میرے باپ کی بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لیتی رہیں اور سچ پوچھیں تو میرے لیے دونوں ہی ایک جیسے ثابت ہوئے ہیں سب بے حس ظالم اور جلاد۔" امل ایک ایک لفظ چبا کر بول رہی تھی اور شاہینہ بیگم ہکا بکا اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں' وہ حیران تھیں کہ اس لب ولہجے میں امل مراد بات کررہی ہے؟ جو بات کرنا تو دور کی بات سننے کا اسٹیمنا بھی نہیں رکھتی تھی' امل سرتاپا زاویار کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھی' اس کی شخصیت سازی کا کریڈٹ زاویار سکندر کو جاتا تھا اور اس لیے شاہینہ بیگم دل ہی دل میں بیٹے کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکی تھیں' اس نے صبر و برداشت کا ریکارڈ قائم کر دکھایا تھا۔

"وہ تمہارے لیے بہت پریشان تھے بیٹا' انہوں نے بہت بھاگ دوڑ کی تھی تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے مگر کورٹ کی طرف سے جو آرڈر مل چکا تھا۔"

"پلیز پھوپھو اب بتانے کا کیا فائدہ؟ وہ آرہے ہیں تو اچھی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے اور پھر وہاں

سے اٹھ گئی لیکن شاہینہ بیگم بہت دیر تک اس کے بارے میں ہی سوچتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

"آپ کون سے کپڑے پہنیں گے؟" امل وارڈ روب کے پٹ کھولے کھڑی تھی اور زاویار سے استفسار کررہی تھی۔

"جو تم نکال دو۔" وہ کتاب سے سر اٹھا کر بولا۔ "نکال دوں؟"

"ہاں یار! نکال دو' جو بھی تمہیں پسند ہیں۔" وہ جان بوجھ کر یہ کام اس کے ذمہ لگا رہا تھا' وہ اپنے لیے اس کی پسند دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ ٹھیک ہیں نا؟" اس نے بلیک تھری پیس سوٹ نکال کر سامنے کیا تھا اور زاویار اس کی پسند کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"پسند تو واقعی اچھی ہے' لیکن یار! کیا یہ فارمل ڈریس پہن کر میں اپنے ماموں کے گھر جاتے ہوئے اچھا لگوں گا؟" اس نے ذرا سا اعتراض کیا۔

"تو کیا ہوا! آپ کون سا ایسے ہی منہ اٹھا کر جارہے ہیں؟ چاہے چھوٹا ہی سہی لیکن فنکشن تو ہے نا؟ شہریار بھائی اور اسفر بھی تو تیار ہو کر ہی جائیں گے نا؟" اس نے دلیل دی۔

ایک شرط پہ پہن سکتا ہوں۔" وہ کتاب بند کرکے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیسی شرط؟" امل ٹھٹکی' اس نے گھور کے دیکھا تھا۔

"زیادہ بڑی شرط نہیں ہے۔" اس نے تسلی دی' اور امل کی آنکھوں میں استفہام ہولنے لگا۔

"تم بھی میری پسند کا ڈریس پہنو گی۔" وہ بھی وارڈ روب کے قریب آکھڑا ہوا۔

"اس میں شرط کی کیا بات ہے؟" امل اتنی لاپروائی سے بولی کہ زاویار حیرت سے دیکھتا رہ گیا "اب اس میں حیرانی والی کیا بات ہے؟ تم جو بھی کہو گے میں پہن لوں گی۔"

اس کے انداز پہ زاویار غش کھاتے کھاتے بچا تھا۔

"یہ تم ہی ہو نا؟" اس نے امل کے چہرے کو چھوا' وہ گھورتی ہوئی پیچھے کھسک گئی۔

"ہاں' یہ میں ہی ہوں امل زاویار' آپ کی بیوی۔" اس نے استحقاق بھرے لہجے میں کہا۔

"میں صدقے جاؤں' آج میری بیوی کیسی کیسی رضا مندیاں دے رہی ہے؟ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" اس نے اپنے بازو پہ چٹکی کاٹی۔

"جو گزرا وہ خواب تھا ایک بھیانک اور برا خواب۔ حقیقت تو اب شروع ہوئی ہے۔" وہ زاویار کا بازو سہلاتے ہوئے بولی' کیونکہ اس نے اپنے بازو پہ چٹکی خاصے زور سے کاٹی تھی۔

"لیکن میرے لیے تو یہ سب ایک خواب ہی ہے۔" زاویار کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"چلیں آپ کے لیے خواب سہی اور میرے لیے حقیقت سہی۔ اب جلدی سے تیار ہو جائیں۔" اس نے ہینگر بیڈ پہ ڈال دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا بچاؤ کرتی زاویار استحقاق بھر گستاخی میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"زاویار! وہ خفگی سے بولی۔ "آج تم نے زاویار سکندر کے سوئے ہوئے جذبات للکارا ہے' آج تمہاری خیر نہیں۔"

وہ اسے دھمکی دے کر کپڑے بدلنے چلا گیا اور امل شرم سے سرخ پڑتی اس کی دوسری اشیاء نکال کر رکھنے لگی تھی اور جب وہ تیار ہونے کے لیے گئی تب زاویار نے ڈریس سلیکٹ کیا تھا' مراد حسن کو پاکستان آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا لیکن امل ایک بار بھی ان سے ملنے نہیں گئی تھی نہ ایئرپورٹ نہ ان کے گھر۔ البتہ وہ خود ایک بار ملنے آئے تھے اور وہ بہت سرسری سا ان سے ملی تھی لیکن آج انہوں نے اپنی وطن واپسی کی خوشی میں اپنے قریبی لوگوں کو اور ملنے والوں کو دعوت دی تھی سب کو انوائٹ کیا تھا' سو شاہینہ بیگم کی فیملی بھی انوائیٹڈ تھی۔ امل تو شاید جانے سے انکار کردیتی لیکن زاویار نے اس پہ بھی اسے اچھا خاصا لیکچر دیا تھا جس کی

وجہ سے وہ واقعی سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھی کہ اسے جانا چاہیے، ہر سچویشن کا سامنا کرنا چاہیے اور آج وہ یہی سامنا کرنے جا رہی تھی اور کافی اعتماد اور اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" ان سب نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بلند آواز سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" مراد حسن یکدم صوفے سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پہ خوشی کا رنگ امل کو دیکھ کر ابھرا تھا۔

"کیسی ہو میری گڑیا؟" انہوں نے بے ساختہ اس کے قریب آتے ہوئے اسے کندھے سے لگایا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس نے پہلی مرتبہ ان سے اس طرح اپنائیت سے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم آئی ہو تو یوں لگ رہا ہے۔ میرے گھر میں دو جہانوں کی خوشیاں اور رحمتیں آگئی ہیں۔" مراد حسن کی دلی خوشی ان کے نم آلود لہجے سے نمایاں ہو رہی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" اس نے مراد حسن کے پہلو میں کھڑی عورت کو فوراً شناخت کر لیا تھا۔ وہ اس کے باپ کی دوسری بیوی اور اس کی سوتیلی ماں تھی۔

"وعلیکم السلام میری جان!" نائمہ بیگم نے اسے بے اختیار لپٹا لیا تھا اور اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔

"ماشاء اللہ، بہت خوب صورت جوڑی ہے۔ تم دونوں کی۔ میں سوچتی تھی زاویار تو اتنا ہینڈسم ہے تو امل پتہ نہیں کیسی ہو گی لیکن تم تو میری توقع سے بڑھ کے پیاری ہو۔" انہوں نے قریب کھڑے زاویار کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

"والد صاحب بھی تو اتنے ہینڈسم ہیں محترمہ کے۔" زاویار نے شرارت سے مراد حسن کو دیکھا جس پہ نائمہ بیگم اور مراد حسن بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

"آؤ بیٹھو نا تم لوگ۔" نائمہ بیگم ان سب کو بٹھانے لگیں لیکن امل صرف ایک ہی چیز پہ سوچے جا رہی تھی کہ نائمہ بیگم بھی اتنی خوبصورت نہیں تھیں۔ گندمی رنگت اور انتہائی عام سے نین نقوش تھے ان کے لیکن انداز و اطوار میں ایک وقار، ایک تمکنت سی تھی۔ ان کی ڈریسنگ سے ہی ان کی نفیس طبیعت کا پتہ چل رہا تھا وہ کہیں سے بھی کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نہیں تھیں۔ وہ سب کچھ ان کے اندر موجود تھا، جس کی زیب النساء کے پاس کمی تھی اور اس کمی کو کبھی بھی زیب النساء نے دور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اور بھی بڑھا لیا تھا۔

"کیا دیکھ رہی ہو بیٹا؟" نائمہ بیگم نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا رخسار تھپکا "کچھ نہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"اپنے چھوٹے بھائیوں سے نہیں ملو گی۔؟"

"بھائی؟" امل کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ بہن اور بھائی کے رشتے سے محروم تھی اس لیے یہ رشتہ چونکا گیا۔

"حنان اور سفیان اندر آؤ۔" نائمہ بیگم نے آواز دی وہ کوریڈور سے گزر رہے تھے۔

"ایس مما؟" وہ دونوں فوراً مؤدبانہ انداز میں اندر داخل ہوئے دونوں کی عمر چودہ اور پندرہ سال تھی۔

"امی آپی سے ملو۔"

"السلام علیکم امل آپی!" وہ کافی شوق اور اشتیاق سے قریب چلے آئے تھے اور دونوں نے ہی سلام کے لیے اپنا ہاتھ بیک وقت آگے بڑھایا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" امل نے بے ساختہ اٹھ کر دونوں کی پیشانی چوم لی۔

"تم دونوں بہت کیوٹ ہو۔"

"آخر بھائی کس کے ہیں؟" حنان نے تیزی سے لقمہ دیا۔ امل ہنس پڑی تھی۔

ان کی نوک جھونک سے سبھی محظوظ ہونے لگے تھے۔

"چلیے ناں امل آپی اندر چلیں۔" وہ اصرار کر رہے تھے امل انکار نہ کر سکی اور اٹھ کر چلی گئی۔

اور امل کو دور تک دیکھنے کے بعد مراد حسن نے زاویار کو دیکھا تھا ان کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو

تھے۔

"کیا بات ہے ماموں؟ یہ آنسو کس لیے؟" زاویار ان کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ آنسو تمہارے احسان مند ہیں بیٹا! تمہارے شکر گزار ہیں۔ تم نے مجھے ہمیشہ کے لیے، پوری زندگی کے لیے خرید لیا ہے۔ میں نے تو بس ڈاکٹر کے مشورے پہ مجبوراً یہ ذمہ داری تمہیں سونپی تھی لیکن میں تمہاری طرف سے ہمیشہ فکر مند ہی رہا۔ میرے دل میں عجیب سے ڈر اور وہم آتے رہتے تھے مجھے لگتا تھا کہ تم بھی ایک دن مراد حسن بن جاؤ گے تم بھی صبر و برداشت کا دامن چھوڑ بیٹھو گے لیکن تمہاری نرمی اور مستقل مزاجی نے مراد حسن کو شرمندہ کر دیا ہے۔

میں زیب النساء کے رویے پہ غصے میں آجاتا تھا، سمجھانے کی کوشش کرتا تھا وہ نہیں سمجھتی تھی تو اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتا تھا اور یہی کوتاہی بڑی دراڑ بن گئی جبکہ تم نے اپنی نرمی، اپنا تحمل، اپنی برداشت آزما کر سب کچھ جیت لیا ہے۔"

مراد حسن بولتے جا رہے تھے اور ان کے آنسو بھی مسلسل بہہ رہے تھے۔

"ماموں پلیز! جو ہو گیا۔ سو ہو گیا، آپ سب باتوں کو بھول کر صرف آج کو یاد رکھیں، آج پہ دھیان دیں، میں نے اگر امل کے لیے کچھ کیا ہے تو یہ آپ پہ احسان نہیں کیا بلکہ خود پہ احسان کیا ہے۔ سب کچھ اپنی خاطر کیا ہے، کیونکہ وہ میری بیوی ہے مجھے اس کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے، اس کی بہتری میرے گھر، میرے بچوں میرے لیے ہے۔"

اندر داخل ہوتی امل نے زاویار کا جملہ سن لیا۔

"میاں بیوی کا رشتہ صرف دو لوگوں کی زندگیوں پہ محیط نہیں ہوتا، بلکہ آنے والی کئی نسلیں زیر اثر آتی ہیں جیسے آپ کی زندگی کا اثر امل پہ ہوا۔ اور ضروری نہیں کہ ہر امل مراد کو زاویار جیسا مہربان ہم سفر ملے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو، زاویار جیسا مہربان ہر کسی کو نہیں ملتا۔" نائمہ بیگم نے تائید کی تھی۔

"اور جس کو ملتا ہے وہ اسے سنبھال کے رکھتا ہے۔" امل نے اعتماد سے کہا۔

زاویار اس کی بات پہ مسکرا دیا تھا اور ان کی انہی باتوں کے دوران باقی مہمان بھی آنا شروع ہو گئے۔ امل، نائمہ بیگم کے ساتھ سب کو ویلکم کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ممی کا علاج کہاں تک پہنچا؟" امل زاویار کے سینے پہ سر رکھے سکون سے لیٹی اس کے موبائل سے ان باکس چیک کر رہی تھی، کچھ خیال آنے پہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"ممی؟ کون سی ممی؟" زاویار نے حیرت سے کہا اور امل نے اس کے سینے سے سر اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"میری ممی!"

"تمہاری ممی کا علاج کیا مطلب؟" وہ حیران ہو رہا تھا۔

"کیا تم مجھے اب بھی پاگل ہی سمجھتے ہو؟" امل اس کے اوپر جھکی اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی، زاویار کو نظر چرانی پڑ گئی۔

"پاگل تو تم ہو ہی۔" وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ! تم یہ بھول رہے ہو کہ میرا پاگل پن دور کرنے والے بھی تم ہی ہو۔"

"افسوس کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟" وہ تاسف سے بولا۔

"افسوس کہ تم ایسا نہ کرتے تو میں تمہیں پاگل کر دیتی۔" وہ ہنسی تھی۔

"وہ تو تم اب بھی کر رہی ہو۔" زاویار نے اس کے انداز قربت کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"وہ تو میں آئندہ بھی کرتی رہوں گی۔" وہ ذرا بھی نروس نہیں ہوئی تھی۔

لگتا ہے کچھ بے شرم سی ہو گئی ہو؟" وہ شرارت سے بولا اور امل نے اس کے بال دونوں مٹھیوں میں دبوچ لیے تھے۔

"اگر شرم کروں گی تو تم کہو گے، شرماتی رہتی ہو اور اگر نہیں کرتی تو تب بھی تم طعنے دے رہے ہو؟"

"طعنے نہیں دے رہا، تمہیں تمہاری کوالٹی بتا رہا ہوں۔" زاویار اپنے بال چھڑا رہا تھا۔

"میں اپنی ہر کوالٹی جانتی ہوں۔ یہ تو نظر آ رہا ہے۔" وہ پھر چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"زاویار! فریج جاؤ۔"

"یار فریج کے کیا کروں گا؟"

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ، ممی کا علاج کیسا جا رہا ہے؟ وہ ٹھیک ہو سکتی ہیں؟" امل نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا وہ جانتی تھی کہ زاویار کسی کو بھی بتائے بغیر زیب النساء کا علاج کروا رہا ہے، گھر میں بھی کسی کو خبر نہیں تھی اور امل بھی شاید اس چیز سے بے خبر رہتی

لیکن اس نے زاویار کو فون پہ ڈاکٹر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے سب سن لیا تھا اور دل ہی دل میں زاویار کی مشکور تھی۔

"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں کیوں نہیں؟"

"کب؟"

"جب تم کہو۔"

"کل۔"

"او کے یار کل ہی سہی۔" اس نے کندھے جھٹکے۔

"زاویار! تم بہت اچھے ہو بہت زیادہ.... اچھے ہو، تم جیسا مہربان واقعی کسی خوش قسمت لڑکی کو ہی مل سکتا ہے اور میں اپنی خوش قسمتی پہ ناز کرتی ہوں کہ مجھے تم جیسا مہرباں ملا، تم جیسا ہم سفر محسن ملا۔ تم نے امل مراد کو اس کی ذات کے ہونے کا یقین بخشا ہے۔ تم ساری دنیا سے اور سارے مردوں سے اچھے ہو یہاں تک کہ میرے باپ مراد حسن سے بھی زیادہ اچھے ہو۔" وہ اس کے سینے سے لگی بولتی جا رہی تھی اور زاویار پلکیں موندے اپنی محنت اپنے صبر اور برداشت کا ثمر وصول کر رہا تھا، اس کے دل پہ سکون کی ٹھنڈی میٹھی پھوار برس رہی تھی اور امل اپنی محبتوں کے اعتراف کر رہی تھی آج وہ اسے اپنی تمام رضامندیاں سونپ چکی تھی، آج ان کی زندگی کی پہلی بھرپور رات تھی اور اس خوشگوار مہکتی رات کی صبح بھی یقیناً روشن ہی ہوتی کیونکہ انہوں نے اس کے لیے صبر و برداشت بھی تو بہت کیا تھا اب انعام ملنا تو حق تھا ان کا۔!!!

فون متواتر چیخے جا رہا تھا۔ زہرہ خاتون نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا، آس پاس کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ سب ہی اپنی اپنی پناہ گاہوں میں گھسے قیلولہ فرما رہے تھے۔ زہرہ خاتون کی نیند میں زبردست خلل واقع ہوا تھا۔ انہیں آج ٹیلی فون کو زبردستی اپنے کمرے میں رکھوانے کے فیصلے پر پچھتاوا سا ہونے لگا، کتنا زور لگایا تھا بڑے بیٹے قاسم نے کہ ٹیلی فون کو لاؤنج میں ہونا چاہیے مگر وہ تو جیسے اپنی بات پر اڑ سی گئیں کہ فون اگر لگے گا تو ان کے کمرے میں اس طرح انہیں اپنے رشتہ داروں اور بیٹی سے بات کرنے میں تردد نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ یہ بات تو نہ کہہ سکیں کہ ٹی وی لاؤنج میں فون پر نظر کون رکھے گا۔ تین عدد بہوؤں کی موجودگی میں ٹیلی فون کو آنکھوں سے اوجھل کر دینا کہاں کی دانش مندی ہے، اب یہ کم از کم ان کے کنٹرول میں تو ہو گا، مگر صبح شام وقت بے وقت بجنے والی گھنٹیاں انہیں اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

فون ایک مرتبہ خاموش ہونے کے بعد دوبارہ بجنے لگا، وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتی ٹیلی فون اسٹینڈ تک پہنچیں۔

"ہیلو۔" آواز ابھی تک نیند کے خمار میں لپٹی تھی۔

"یہ مکرم مرزا صاحب کا نمبر ہے؟" دوسری طرف سے نسوانی آواز ابھری۔

"ہاں مگر آپ کون؟" زہرہ خاتون نے غنودگی کی کیفیت میں تصدیق کی پھر سوال بھی کر ڈالا۔

"ارے بھابھی! لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں، میں رفیق صاحب کی بیگم بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف سے چہکتے ہوئے تعارف کروایا گیا۔

"ارے.... تم اپنے رفیق بھائی کی بیوی بول رہی ہو، اتنے عرصے بعد کیسے یاد آ گئی ہماری!" زہرہ خاتون کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ شکوہ بھی عود کر آیا اور آنکھیں یکبارگی کھل سی گئیں۔

"بس بھابھی! زندگی کے بکھیڑوں میں بندہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا کسی سے بات کرنے یا ملنے

آصفہ عنبرین قاضی

جلنے کے لیے، یہ تو پرانی ڈائری میں آپ کے گھر کا نمبر مل گیا۔ سوچا خیر خیریت ہی دریافت کر لوں۔" بیگم رفیق نے ایک ہی سانس میں سب باتیں کہہ ڈالیں۔

"بہت اچھا کیا تم نے، ارے آج کل تو کوئی سلام کر کے راضی نہیں ہے تم نے تو پھر بھی فون کر کے یاد کر ہی ڈالا۔" زہرہ خاتون ناک سے پسینہ صاف کرتے ہوئے خوشی سے بولیں۔

"اور سنائیں بھابھی! کیسی گزر رہی ہے؟" بیگم

رفیق نے بے تکلفی سے گویا ہوئیں۔

"بس گزر رہی ہے۔ دن پورے کرنے ہیں زندگی کے، ورنہ اس موٹاپے اور جوڑوں کے درد کے ساتھ جینا بھی کوئی جینا ہے بھلا؟" زہرہ خاتون نے حسب عادت اپنا دکھڑا سنایا۔

"یہ بات تو آپ نے ٹھیک کہی اور یہ بڑھاپا ہوا تو خود ایک بیماری ہے۔" بیگم رفیق نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ایک منٹ ذرا ٹھہرنا، میں کہیں بیٹھنے کو جگہ دیکھ لوں، مجھ سے تو زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جاتا۔" وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر فون کے قریب ہی بیٹھنے کو جگہ تلاش کرنے لگیں، پھر خود ہی مایوس ہو کر گویا ہوئیں۔

"ارے کہاں بیٹھوں، ایک تو ہمارے گھر کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اللہ بھلا کرے میری منجھلی بہو کا "سیٹنگ" کے نام پر چیزوں کا ایسا صفایا کیا ہے کہ ضرورت پڑنے پر کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں ملتی، میرے جہیز کی دو کرسیاں یہاں پڑی ہوئی تھیں، انہیں بھی کباڑ کہہ کر اسٹور میں رکھوا دیا، اب بھلا بتاؤ کسی نے لمبی بات کرنی ہو تو وہ کہاں بیٹھے۔" وہ منجھلی بہو کی مدح سرائی میں اس قدر محو ہوئیں کہ انہیں اپنے پیچھے بائیں طرف رکھے موڑھے نظر ہی نہ آئے۔

"کیا بتاؤں بھابھی! ہر گھر کا یہ ہی حال ہے، بہوئیں اپنی مرضی چلاتی ہیں، ہماری تو کوئی سنتا ہی نہیں!" بیگم رفیق بھی شکوہ کناں تھیں۔

"ارے بڑے ٹھیک ہی کہتے تھے کہ "گربہ کشتن روز اول" اور ہم سے یہ نہ ہو سکا، ورنہ یہ اتنا سر نہ چڑھتیں۔" زہرہ خاتون کو قلق تھا کہ وہ بہوؤں کی باگیں اتنا کھینچ کر نہ رکھ سکیں جتنی رکھنی چاہیے تھیں۔ حالانکہ کسی معاملے میں انہوں نے کسر تو نہ چھوڑی تھی۔

"بس کیا کریں، آج کل مال ہی ایسا آ رہا ہے۔" بیگم رفیق نے جیتی جاگتی لڑکیوں کو مارکیٹ کی اشیاء سے تشبیہ دے ڈالی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو!" زہرہ خاتون ہنس پڑیں۔

"ایک ہمارا زمانہ تھا نہ آج کل جیسی سہولتیں تھیں نہ ہماری طرح نرم خو ساسیں، پھر بھی مجال ہے جو زبان پر کبھی شکوہ آیا ہو، صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح کام کرتے تھے، نہ کھانے کی پروا، نہ آرام کا ہوش، چھ چھ بچے بھی پالے اور یہ آج کل کی لڑکیاں، ہر چیز میسر ہے مگر پھر بھی بدحرامی سے کام لیں گی، بستر چھوڑنا محال لگتا ہے انہیں اور گھر سنبھالنا عذاب!" زہرہ خاتون دل کی بھڑاس نکالنے پر تلی ہوئی تھیں۔

"اور کیا بھلا ہمارے زمانے میں یہ اوون، فریزر، واشنگ مشین اور یہ موبائل ہوتا تھا بھلا، ان کے تو وارے نیارے ہیں بھابھی!" بیگم رفیق کو بھی قلق سا ہوا کہ جن سہولتوں سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکیں، ان سے یہ کم بخت بہوئیں کیوں مستفیض ہو رہی ہیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو، پھر بھی ان سے پوچھو تو یہ ہی مظلوم ہیں بے چاریاں۔ ارے ان کے اوپر ہمارا سایہ نہ ہوتا تو دنیا دیکھتی یہ کتنے پر پرزے نکالتیں، اب بھی دل ہی دل میں دعائیں مانگتی ہوں گی کہ کب ہم آنکھیں موندیں اور یہ دیوان کھاٹ کی شہزادیاں بن جائیں۔"

"ارے ایسا تو نہ کہیں بھابھی!" بیگم رفیق تڑپ کر بولیں۔ "اللہ ہمیں عمر خضر عطا کرے، ابھی دیکھنے کو بہت کچھ باقی ہے۔" وہ اگلی صدی دیکھنے کی متمنی نظر آ رہی تھیں۔

"ارے میں بھی کب ایسا چاہ رہی ہوں، یہ جو چار دن فراغت کے نصیب ہوئے ہیں، یہ ہی تو ہماری زندگی کا حاصل ہیں، ہم کیوں دعا مانگیں مرنے کی!"

زہرہ خاتون نے بیگم رفیق کو تسلی دی۔

"کیا سارے بچے بیاہ دیے؟" بیگم رفیق نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"ہاں بہن! چار ہی تو تھے۔ بیٹی بھی پچھلے سال خیر سے اپنے گھر کی ہوئی اور تینوں لڑکے بھی بیاہ دیے۔" زہرہ خاتون فخر سے بولیں۔

"ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، آپ دونوں میاں، بیوی تو سرخرو ہو گئے جلد ہی۔" بیگم رفیق خوش دلی سے گویا ہوئیں۔

"ہاں شکر ہے اللہ کا۔" زہرہ خاتون نے طمانیت بھرا سانس لیا۔

"بڑی خاموشی ہے گھر میں، کیا سب سوئے ہوئے ہیں؟" بیگم رفیق کو تین بہوؤں کی موجودگی میں خاموشی بڑی عجیب سی لگی تو شوق تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھ ڈالا۔

"اور کیا اس وقت سب ہی اپنے اپنے جوڑے لے کر روموں میں گھس جاتی ہیں، خاموشی تو خیر اس لیے بھی ہے کہ چھوٹی ان دنوں اپنے میکے گئی ہوئی ہے، ورنہ اس کی موجودگی میں گھر میں خاموشی ہونا خواب لگتا ہے، سارا دن اٹھا پٹخ لگائے رکھتی ہے، نہ خود سوتی ہے، نہ سونے دیتی ہے کم بخت!" چھوٹی بہو کا ذکر آتے ہی زہرہ خاتون کا لہجہ بھی کڑا ہو گیا۔

"میکے گئی ہوئی ہے، کیوں خیریت تو ہے؟" بیگم رفیق نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

"ارے سب خیریت ہے، اسے تو بس میکے جانے کا بہانا چاہیے، ہر دسویں دن دوڑی ہوتی ہے اماں کی طرف۔ اب کے میں نے عاصم سے کہہ دیا ہے، خبردار دو ماہ سے پہلے اسے میکے جانے کی اجازت دی۔ آئے دن تماشا لگا رہتا ہے، وہ جا رہی ہے، وہ آ رہی ہے، ارے گھر میں ٹکے گی تو گھر کو گھر سمجھے گی نا!" زہرہ خاتون حد درجہ ناراض نظر آ رہی تھیں۔

"ہاں بھابھی! یہ بھی ٹھیک ہے جن لڑکیوں کا زیادہ میکے آنا جانا ہو وہ بھلا گھر کو کب اپنا سمجھتی ہیں، نئے نئے گر سیکھ کر آتی ہیں، ساس کو پٹانے کے۔" بیگم رفیق ہر بات میں ان کی ہم نوائی کر رہی تھیں۔

"اور کیا جس کو رہنا چاہیے میکے، وہ تو جا نہیں رہی۔"

"کون؟"

"ہماری منجھلی بہو، اس کو خیر سے چوتھا مہینہ لگا ہے اور مجال ہے جو بیڈ سے نیچے قدم اترا ہو، مہارانی بنی بیٹھی رہتی ہے ہر وقت، اوپر سے یہ بیڈ ریسٹ کے چونچلے، ڈاکٹروں نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے ان کا، یہ نہیں کرنا، وہ نہیں کرنا، وزن نہیں اٹھانا، سیڑھی نہیں چڑھنا، سفر نہیں کرنا، یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا، بس بیڈ پہ لیٹے رہو اور گلوکوز گھول گھول کر پیتے رہو۔"

"بس بھابھی! نخرے ہیں سب کے سب، ورنہ عورتیں اس حالت میں کھیتوں میں بھی کام کرتی ہیں، سب ہم جیسی ساسوں کی ڈھیل کا نتیجہ ہے یہ۔" بیگم رفیق جلتی پہ تیل کا کام کر رہی تھیں۔

"یہ ہی تو میں نے تو حارث سے کہا ہے، اس کو میکے چھوڑ آؤ، جب فارغ ہو گی تو لے آنا، ہر وقت اٹوائی کھٹوائی لیے پڑی رہتی ہے، کام کی نہ کاج کی، مگر یہ آج کل کی اولاد ماں کے بجائے بیوی کی زیادہ مانتے ہیں، کہتا ہے نہیں اماں! ہر ماہ چیک اپ کرانا ہوتا ہے، اس لیے اپنے گھر ہی رہے گی، اب میں اسے زبردستی میکے بھیجنے سے تو رہی۔" زہرہ خاتون منجھلی بہو کے آرام سے خاصی نالاں نظر آ رہی تھیں، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ڈاکٹر سے لکھوا لائیں کہ بس آرام کی مدت اب ختم ہوئی اب گھر کے کاموں میں جت جاؤ۔

"ہمت ہے آپ کی بھابھی! ورنہ آج کل اتنا کہاں برداشت ہوتا ہے، بہوؤں کے ناز نخرے اٹھانا بھی کسی کسی کا کام ہوتا ہے۔"

"ارے ناز نخرے اٹھاتی ہے میری جوتی۔" زہرہ خاتون تڑپ کر بولیں۔ "میں تو بس اپنے بیٹوں کی وجہ سے ان کا لحاظ کر جاتی ہوں اور کیا کروں ان ناس ماریوں کے بغیر گھر کا کام بھی تو نہیں چلتا، جس دن تینوں گھر پہ نہ ہوں مانو، سارا گھر چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے، اب میری نحیف ہڈیوں میں اتنی جان کہاں کہ سارا انتظام سنبھالوں، بس یہیں آ کر میں مات کھا جاتی ہوں۔" زہرہ خاتون بے بسی سے گویا ہوئیں۔

"تیسری سے یاد آیا آپ نے بڑی بہو کے بارے میں نہیں بتایا۔" بیگم رفیق کو زہرہ خاتون کے یوں دل

گے آپ لے چھوٹا اچھا لگ رہا تھا اور بہو نامہ ویسے بھی زہرہ خاتون کا پسندیدہ موضوع تھا' وہ اس پر گھنٹوں بے تکان بول سکتی تھیں۔

"بڑی بہو کا تو تم کچھ نہ پوچھو' ذرا خرچا ہے خرچا! تین بچے ہیں اس کے اور وہ شاہ خرچیاں کرتی ہے جیسے حرام کی کمائی آ رہی ہو ہمارے گھر۔ ادھر بچوں نے کوئی فرمائش منہ سے نکالی نہیں اور ادھر پوری ہوئی نہیں۔ موسمی پھل' دودھ' جوس' جیم جیلی اور پتا نہیں کیا الابلا سارا دن بچوں کو کھلاتی رہتی ہے اور خود بھی کھاتی ہے' اب بھلا میں حساب تھوڑی رکھتی ہوں' مگر ہر روز تین سے چار سو کا خرچ اٹھ رہا ہے۔ اس فوج ظفر موج پر اور بھی غلطی سے کہہ دوں کہ بہو ذرا خیال کرو تو ترنت جواب آتا ہے' میرا میاں کما کس لیے رہا ہے' اب اس کے بچے اچھا کھانا بھی نہ کھائیں' اب کے میں نے سوچ لیا ہے' دن گرمیوں میں فریج کو تالا لگا کر رکھوں گی پھر دیکھتی ہوں کیسے جھپٹتے ہیں چیلوں کی طرح فریج پر۔" زہرہ خاتون نے بڑی بہو کا خاکہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے حفاظتی اقدامات بھی بیگم رفیق کے گوش گزار کر دیے۔

"لگتا ہے بڑی بہو سب سے تیز ہے آپ کی؟"

"اور کیا' سگی بھتیجی ہے میری' مگر مجال ہے جو کبھی پھوپھی سمجھا ہو' ساری پٹیاں اس کی ماں پڑھا کر بھیجتی ہے اسے کہ کبھی پھوپھو کو سکھ کا سانس نہ لینے دینا' وہ بھی بدلے لے رہی مجھ سے' کہتی ہے زہرہ خاتون نے نند بن کر مجھے بہت تنگ کیا تھا' اب یہ فریضہ اس کی منہ پھٹ بیٹی سرانجام دے رہی ہے' انہیں یہ نہیں پتا میں بھی اپنے نام کی ایک ہوں یہ میرے ناک میں کیا دم کرے گی میں جینا دوبھر کر دوں گی اس کا۔" وہ دانت پیس کر بولیں۔

"بس بھابھی! اللہ سب کی بہو' بیٹیوں کو ہدایت دے۔" بیگم رفیق نے صدق دل سے دعا کی۔

"اے میں تو باتوں میں بھول ہی گئی' تم اپنے بچوں کی سناؤ' خیر سے کتنے بیاہ دیے' مجھے تو یہ بھی یاد نہیں آ رہا کہ تمہارے بچے تھے کتنے' ایک تو بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ ہی جواب دیتا جا رہا ہے' پھر تم سے ملاقات کیے سالوں تو بیت گئے ہیں۔" زہرہ خاتون نے بہو نامے کو روک کر سوال کر ڈالا تو بیگم رفیق ہنس دیں۔

"اولادیں تو اللہ نے دو ہی دی ہیں' بیٹا اور بیٹی' دونوں بیاہ دیے ہیں' بیٹی خیر سے اپنے میاں کے ساتھ کینیڈا چلی گئی ہے اور بہو اور بیٹا ہمارے ساتھ ہی ہیں۔"

"ہائیں' بیٹی کو کینیڈا بھیج دیا۔ تمہارا دل نہیں کرتا ملنے کو۔" زہرہ خاتون حیرانی سے گویا ہوئیں۔

"کرتا تو ہے بھابھی پر کیا کریں مجبوری ہے' اس کے میاں کا سارا کاروبار کینیڈا میں ہے' ہر روز فون پہ بات تو ہو جاتی ہے۔"

"بھئی۔ بڑا حوصلہ ہے تمہارا' میں تو جب تک اپنی شازیہ سے ہفتے' دس دن تک نہ ملوں گزارا نہیں ہوتا' یہ بھی کیا بات ہوئی کہ بیٹی بیاہ دو تو وہ میکے کا رستہ ہی بھول جائے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" بیگم رفیق بس اتنا ہی کہہ سکیں۔

"اور کیا' میں نے تو شادی کے دوسرے روز ہی اپنے داماد سے کہہ دیا تھا کہ شازیہ اگر بیس دن سسرال رہے گی تو کم از کم دس دن تو میکے گزارے گی۔ ابھی پرسوں ہی ہو کر گئی ہے' اس بار تو دو ہفتے رکی تھی' مگر کہتی ہے دل پھر اداس ہو گیا ہے اماں کے لیے' میں نے قاسم سے کہا ہے اس جمعے کو لے آئیں' گو کہ میاں ادھر ہی گزارے۔" زہرہ خاتون روانی میں بیٹی کی حمایت میں بولتے ہوئے یہ فراموش کر چکی تھیں کہ کچھ دیر پہلے انہیں چھوٹی بہو کے میکے جانے پر کتنے اعتراضات اور تحفظات تھے۔

"ہاں اچھا ہے' کچھ دن آپ کے پاس بھی گزار لے' جب بچے ہو جائیں تو پھر گھر سے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے' یہ ہی تو دن ہیں پھرنے پھرانے کے۔" بیگم رفیق نے ایک بار پھر ان کی تائید کی۔

"تمہارے تو منہ سے بات چھین لی تم نے' کچھ ماہ تک خیر سے نانی بن جاؤں گی' پھر بچے کے ساتھ بھلا روز روز کہاں نکل سکے گی۔"

"اچھا! ماشاء اللہ' اللہ اس کو خیریت سے فارغ کرے۔" بیگم رفیق نے خوش دلی سے کہا تو زہرہ خاتون بھی مسکرا دیں۔

"آمین! بس دعا کرو' اللہ اسے چاند سا بیٹا دے' اس بار آئی تھی تو مجھے کچھ کمزوری لگ رہی تھی' کھانے پینے کی تو وہ ہمیشہ سے چور ہے' گھر میں نے اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا ہے کہ اپنے آرام کا خیال رکھے' کوئی ضرورت نہیں ہے فالتو کام وام کرنے کی' یہ جو چند مہینے رہ گئے ہیں بیڈ پر گزارو' احتیاط بہت اچھی چیز ہوتی ہے' بھرا پرا سسرال ہے اس کا' سو کام ہوتے ہیں' ذرا سی بد احتیاطی سے کئی مسائل بن جاتے ہیں' میں نے تو کہہ دیا ہے اسے' اگر ساس نے چوں چراں کی تو فون کر دینا۔ قاسم یا عاصم لے آئیں گے تجھے۔"

زہرہ خاتون کی زبان بیٹی کے ذکر پر مصری کی ڈلی بنی ہوئی تھی جسے بیگم رفیق نے بھی محسوس کیا۔

"اچھا بھابھی! آپ آرام کریں' میں بھی دوپہر کو فون کرنے آپ کے آرام میں مخل ہوئی' آپ تھک بھی گئی ہوں گی کھڑے کھڑے۔" بیگم رفیق کے یاد دلانے پر زہرہ خاتون پہ کھلا' وہ تو پچھلے آدھے گھنٹے سے یونہی کھڑی ہیں' بہوؤں کے بخیے ادھیڑنے میں انہیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ وہ تو کمر درد کی دائمی مریض ہیں۔

"کوئی بات نہیں' اتنے عرصے بعد تو کسی اپنے سے بات ہوئی ہے' مانو میرے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے' ارے باتوں باتوں میں پھر بھول گئی تم سے افسوس بھی کرنا تھا' ہائے یہ کم بخت میری یادداشت' بعد میں یاد آتا ہے۔" زہرہ خاتون نے ماتھے پر ہاتھ مارا تو بیگم رفیق متعجب ہو کر بولیں۔

"کیسا افسوس؟"

"ارے اب یوں تو شرمندہ نہ کرو' مانا کہ دیر ہو گئی افسوس کرنے میں' مگر رفیق بھائی سگے بھائیوں کی طرح تھے عاصم کے ابا کے' ان کی وفات کا سنا تو سچ مانو یقین نہیں آیا' سفر کی وجہ سے تو حیدر آباد جا نہ سکی' مگر عاصم کے ابا تو اسی روز جنازے میں شریک ہو گئے تھے' آہ کیسی طبیعت...."

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں' کس نے کہا آپ سے کہ میرے میاں خدانخواستہ فوت ہو چکے ہیں۔" بیگم رفیق کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔ انہیں زہرہ خاتون کی دماغی حالت پر شک سا ہونے لگا۔

"ارے کہنا کس نے تھا' عاصم کے ابا خود جنازے میں شریک ہوئے تھے رفیق بھائی کے' کراچی سے ہی حیدر آباد لائے تھے نا ان کو؟" زہرہ خاتون نے بیگم رفیق کو یاد دلایا' مبادا وہ صدمے کی وجہ سے سب کچھ فراموش کر بیٹھی ہوں۔

"کمال کرتی ہیں آپ' میرے میاں ہیں' کیا مجھے نہیں پتا ہو گا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں' خیر سے پچھلے ہفتے ہی تو وہ عمرہ ادا کرنے گئے ہیں' آپ کن رفیق صاحب کی بات کر رہی ہیں' میرے میاں تو کوہاٹ میں ہوتے ہیں۔" بیگم رفیق نے کلس کر پوچھا۔

"ہائیں تو کیا تم رفیق بھائی کی بیوی نہیں بات کر رہی جو کراچی میں سینٹری کا کاروبار کرتے تھے عاصم کے ابا کے ساتھ؟" زہرہ خاتون کو دھچکا سا لگا' جس خاتون کو وہ رفیق بھائی کی بیگم خیال کر رہی تھیں وہ تو کچھ اور نکلیں۔

"معاف کرنا بہن! میں نے شاید غلط نمبر ملا دیا' میرے میاں نے کبھی کراچی میں کاروبار نہیں کیا' آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔" دوسری طرف معذرت خواہانہ لہجہ اپنایا گیا تو زہرہ خاتون کے تلووں پہ لگی اور سر پہ بجھی۔

"اے بی بی! تم نے خوا مخواہ میرا وقت اور نیند برباد کی' پہلے کیوں نہ بتایا؟"

"سنیں تو...."

"ارے رہنے بھی دو!" انہوں نے کھٹاک سے ریسیور پٹخ دیا۔

"اف کمر تختہ کر دی میری' کم بخت فون والے بھی رانگ نمبر ملا دیتے ہیں۔ اس موئے فون کو تو آج ہی اٹھواتی ہوں یہاں سے۔" زہرہ خاتون بڑبڑاتے ہوئے اپنے تخت کی طرف چل دیں۔

☆

مریم عزیز

سلطنتِ دل

"مجھے مہران نہیں کروانا چاہیے وہ بھی زیرو میٹر۔" اس کے دو ٹوک انداز پر جعفر صاحب نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"بیٹا ابھی کچھ دن تو ہوتے ہیں تمہیں ڈرائیونگ سیکھے۔ ابھی تم اتنی پرفیکٹ ڈرائیو نہیں کر سکتیں۔" انہوں نے رک کر اس کے تاثرات جانچنے چاہے کوئی نتیجہ اخذ نہ ہونے پر وہ دوبارہ بولے۔ "میری بیٹی کو زیرو میٹر کار چاہیے ان شاء اللہ اگلے سال میں اپنی بیٹی کو زیرو میٹر کروا کے دوں گا۔" انہیں خاموشی سے دیکھنے کے بعد بولی۔

"ٹھیک ہے تو پھر مجھے گاڑی نہیں چاہیے۔ آپ نے کہا تھا کہ جب میں یونیورسٹی جوائن کروں گی تو میں کار لے کر دوں گا اب تو مجھے یونیورسٹی میں بھی ایک سال ہو گیا ہے اور مجھے نئی کروانا ہی چاہیے اگر آپ وہ نہیں لے کر دے سکتے تو ٹھیک ہے مجھے مہران، آلٹو کوئی بھی نہیں چاہیے۔"

"بیٹو! تم کتنی ضد کرتی ہو۔" کب سے ملائکہ کو ضد کرتا دیکھتا علی آخر کار جھنجھلا کر بول پڑا۔ ملائکہ کو پہلے ہی اپنی بات نہ مانے جانے پر غصہ آ رہا تھا اور سے علی کا انداز۔ اس کی آنکھ سے ایک کے بعد دوسرا آنسو گرا تھا۔

جعفر صاحب تڑپ کر رہ گئے "تم چپ رہو یہ میرا

اور میری بیٹی کا معاملہ ہے۔"

"ملائکہ، میری جان! اس میں رونے والی کیا بات ہے۔" انہوں نے بے ساختہ اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیا۔

"میں نے اپنی سب فرینڈز کو بتایا تھا کہ میرے ڈیڈی مجھے کار گفٹ کریں گے۔ کل میں حنا کے ساتھ جا کر شوروم پہ پسند بھی کر آئی تھی۔ اب آپ منع کر رہے ہیں۔ میری کتنی انسلٹ ہوگی۔" وہ ان کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی تو جعفر صاحب نے اس کا چہرہ تھام کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"اچھا تم روؤ نہیں، چلو اٹھو۔"

جس بات کو ماننے میں وہ دو دن سے تامل کر رہے تھے، وہ بات ایک پل میں اس کے آنسو منوا گئے تھے۔ وہ بغیر حیران ہوئے آنسو صاف کرتی ہوئی ان کے پیچھے باہر نکل گئی۔

"ارے جعفر کہاں گئے؟" اندر داخل ہوتی نوشابہ نے حیرت سے علی سے پوچھا اور ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

"بجو کے ساتھ کار لینے۔" علی نے اپنی چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ملائکہ مان گئی؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے علی کو دیکھا "نہیں ڈیڈی مان گئے۔"

"لیکن جعفر تو کہہ رہے تھے کہ......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر علی کو دیکھنے لگیں تو وہ کندھے اچکا کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جبکہ نوشابہ پرسوچ انداز میں ٹی وی دیکھنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی کے ہارن پر نوشابہ اور علی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اور باہر نکل آئے۔ نوشابہ نے بغور اپنی بیٹی کو دیکھا۔ بلیک ٹراؤزر پر پنک شرٹ کے ساتھ اس کا چہرہ بھی گلابی ہو رہا تھا انہوں نے اس پر سے نظریں ہٹا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ جن کے چہرے پر اپنی بیٹی کی مسکراہٹ کا عکس صاف نظر آ رہا تھا ان پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"دیکھیں ممّا میری کار" وہ ان کا بازو پکڑے انہیں کار کے پاس لے آئی "اچھی ہے نا میں نے پسند کی ہے۔" وہ داد طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تو وہ مسکرادیں۔

"بہت اچھی ہے۔"

"کل میں اپنی کار میں یونیورسٹی جاؤں گی۔" اس کے بچوں والے انداز پر وہ تینوں مسکرانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"گڈ مارننگ!" وہ مسکراتے ہوئے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی اس کے ساتھ ہی بھینی بھینی خوشبو بھی سارے کمرے میں پھیل گئی۔ نوشابہ نے چونک کر اسے دیکھا جو بلیک ٹراؤزر اور گرے شرٹ بلیک اسکارف میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ملائکہ! یونیورسٹی شلوار قمیص پہن کر جایا کرو۔" نوشابہ نے ٹوکا۔ اس نے کچھ حیرت سے انہیں دیکھا

"آپ جانتی ہیں ایک تو شلوار قمیص مجھے پسند نہیں پھر آج کل فیشن بھی کوئی چیز ہے۔"

"لیکن جہاں تک میں نے دیکھا ہے ہمارے ہاں شلوار قمیص ہمیشہ سے فیشن میں ان ہے۔"

"پلیز مما! صبح صبح میرا موڈ آف نہ کریں۔" وہ بیزاری سے بولی تو کب سے خاموش بیٹھے جعفر صاحب نے اس کا چہرہ دیکھا۔ جس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"نوشابہ! تم بھی صبح صبح کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔" جعفر صاحب کے ٹوکنے پر انہوں نے گہرا سانس لے کر کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"اوکے۔ میں چلتی ہوں' راستے میں سے حنا کو بھی پک کرنا ہے وہ جعفر صاحب کا منہ چوم کر باہر نکل گئی۔ آج ملائکہ نے ان کا منہ نہیں چوما تھا جس کا مطلب تھا وہ ان سے ناراض ہے جعفر صاحب نے بھی شاید اس بات کو محسوس کیا تھا اس لیے کھنکھار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیا بات ہے بیگم! اتنی خاموشی کیوں ہے؟"

"جعفر! ملائکہ اب بچی نہیں بڑی ہو گئی ہے۔"

"یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ وہ بچی نہیں بڑی ہو گئی ہے۔ آپ کی روک ٹوک اسے بری لگتی ہے۔"

"بڑوں والی کوئی حرکت ہے اس میں ابھی تک بچوں والی ضد۔"

"تم بھی کمال کرتی ہو نوشابہ! وہ ہم سے نہیں ضد کرے گی تو کس سے کرے گی۔ میرا سب کچھ اسی کا تو ہے۔ ایسی دولت کا کیا فائدہ جو اسے خوشی نہ دے سکے۔"

نوشابہ کتنی دیر تک ان کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

"جتنی پیاری ملائکہ آپ کو ہے اتنی مجھے بھی ہے۔ لیکن بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں نہ جانے آگے کیسے کس مزاج کے لوگ ملتے ہیں۔ ہم بیٹی کو سب کچھ دے سکتے ہیں لیکن قسمت نہیں۔" اب کی بار جعفر صاحب خاموش تھے۔ علی ناشتے سے ہاتھ روکے کبھی ماں کو اور کبھی باپ کو دیکھ رہا تھا۔

جعفر صاحب نے گہرا سانس لیا۔

"تم جانتی ہو نوشابہ! میں ملائکہ کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا اور جہاں تک قسمت کی بات ہے۔ میں جانتا ہوں میری بیٹی خوش قسمت ہے۔" ان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ نوشابہ مزید کچھ کہہ نہیں سکیں اور علی بے اختیار گہرا سانس لے کر مسکرا دیا۔

جعفر کی اور ان کی ارینج میرج تھی۔ وہ اور جعفر اپنے والدین کی اکلوتی اولادیں تھیں۔ ہاں جعفر کے چچا کا ایک بیٹا تھا فیروز جسے جعفر کے والدین نے پالا تھا۔ جعفر فیروز کو اپنا سگا بھائی مانتے تھے۔ جعفر کی کوئی بہن نہ تھی۔ انہیں بیٹی کا بہت ارمان تھا۔ شادی کے ایک سال بعد ان کے گھر بیٹا پیدا ہوا جو کچھ دن بعد ہی فوت ہو گیا۔ اس کے بعد دو بچے اور پیدا ہوئے لیکن مردہ۔ ان کے پاس دنیا کی ہر آسائش تھی صرف ایک اولاد نہ تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ دنیا کے غریب ترین انسان ہیں۔ اور پھر شاید اللہ کو ان پر رحم آ ہی گیا۔ شادی کے پورے سات سال بعد ان کے گھر ملائکہ پیدا ہوئی۔ ملائکہ کے پیدا ہونے کے کتنے دنوں تک جعفر بے یقین ہی رہے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کی سانسیں دیکھتے' دھڑکنوں کو محسوس کرتے۔ ایک سال ان دونوں نے امید اور ناامیدی میں گزارا لیکن اب کی بار اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم رکھا تھا' ملائکہ ان کی جان تھی۔ جعفر تو اسے پا کر اتنے خوش تھے جیسے انہیں دنیا کی ساری خوشیاں مل گئی ہوں۔ ملائکہ کے دو سال بعد علی آیا۔ لیکن جو حیثیت ملائکہ کو حاصل تھی۔ وہ کم نہیں ہوئی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ زیادہ ہی ہوتی رہی۔ اس کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ پورا کرنا جیسے جعفر کے لیے فرض تھا۔ وہ بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتی تھیں لیکن جعفر نے تو جیسے اسے نا کہنا سیکھا ہی نہ تھا۔ علی بے چارے کو اکثر شکوہ رہتا تھا۔ وہ بیٹا ہے' اکلوتا ہے لیکن بجو کے سامنے اس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ لیکن اب کچھ عرصے سے وہ بے اختیار ملائکہ کو ٹوک دیتی تھیں۔ جعفر کے بے جا لاڈ پیار نے اس میں کئی خامیاں پیدا کر دی تھیں۔ اسے نا سننے کی عادت نہیں رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ تھوڑا پریشان ہو جاتی تھیں۔ جانے وقت کیا رنگ دکھاتا ہے وہ ہمیشہ اس کی اچھی قسمت کے لیے دعا گو رہتی تھیں لیکن بیٹیوں کی قسمت کا کسے پتا ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"واؤ! کیا زبردست کار ہے۔" حنا نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے داد دی جیسے کار اس نے خود ڈیزائن کی ہو۔

"کہاں چلوگی؟"

"کیا مطلب؟" حنا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے۔"

"اپنا مطلب تم رہنے دو' فی الحال یونیورسٹی چلو۔" حنا نے درمیان میں اسے ٹوک دیا تو وہ بدمزہ ہو کر رہ گئی۔

"میرا آج کلاس لینے کا کوئی موڈ نہیں۔" گاڑی پارک کرتے ہی ملائکہ نے اعلان کیا۔

"تمہیں پتا ہے نا آج سر ابرار نے کتنا ضروری لیکچر دینا ہے۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔" حنا کے حتمی انداز پر بھی اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"ہیلو گرلز کیا ہو رہا ہے؟" سامنے سے فراز آ رہا تھا۔

"لے لی کار؟" اسے کرولا کے قریب کھڑے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آگیا۔ مبارک ہو۔"

"تھینکس۔" وہ کھل کر مسکرائی۔

"سنڈے کو گھر آجاؤ۔" اس نے فراز کو دیکھنے کے بعد تائیدی انداز میں حنا کو دیکھا۔

"یار سنڈے کو تو ابو گھر پہ ہوتے ہیں۔" فراز سوچتے ہوئے سر کھجانے لگا۔

"چلو اب یہ ابو کا ہوا بنا کر ڈرانے لگا ہے۔ سیدھی طرح کہو کسی لڑکی سے ملاقات کرنے جانا ہے۔" ملائکہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"فراز! یہ اب بچوں والے ڈرامے مت کیا کرو۔ پچھلے تین سالوں سے میں انکل کو بہت اچھی طرح جان گئی ہوں۔ مجھے تو وہ کوئی ہٹلر ٹائپ چیز نہیں لگتے۔"

"تم مہینے میں دو تین بار آتی ہو مہمان کے طور پر' پندرہ بیس منٹ کے لیے جبکہ میرا ان سے پچیس سالوں سے دن رات کا واسطہ ہے۔ مجھ سے پوچھو انہیں کیا کیا اعتراض ہیں۔" آخر میں اس کا لہجہ بے چارگی لیے ہوئے تھا۔

"سب سے پہلا اعتراض انہیں اس کے دو سالوں سے لگاتار فیل ہونے پر ہے۔" حنا نے پڑوسی ہونے کے ناتے اس کا راز فاش کیا تو فراز نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"اسے کیا ڈرا رہے ہو بھلا مجھے نہیں پتا 'موصوف' کتنے لائق فائق ہیں۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں میں نے کیا سوچ کر تم سے دوستی کی۔"

"دلوا دی نا پھوٹ' پڑ گئی کلیجے میں ٹھنڈک۔" فراز نے لڑاکا عورتوں کی طرح حنا کو کوسا۔

"ذرا لڑکیوں سے دوستی کم رکھا کرو۔" ملائکہ کی نصیحت پر اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"جیلس ہو رہی ہو۔"

"جیلس ہوتی ہے میری جوتی۔" اس نے نخوت سے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اس کے پاؤں کو دیکھا وہاں سے نظریں سفر کرتی ہوئی چہرے پر رک گئیں جبکہ وہ اس کی نظروں سے بے نیاز حنا سے بات کر رہی تھی۔

"پھر سنڈے کو آ رہے ہو؟" ملائکہ کے مڑنے پر وہ چونکا۔

"ہوں!" اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

حنا سے اس کی اس وقت دوستی ہوئی تھی جب وہ اسکول میں داخل ہوئی تھی۔ ان دونوں کی دوستی اتنی بھرپور اور مکمل تھی کہ اپنی دوستی میں انہیں کبھی تیسرے فرد کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جبکہ فراز سے اس کی پہلی ملاقات تین سال پہلے حنا کے ہی گھر میں ہوئی تھی آج بھی جب وہ اس ملاقات کو یاد کرتی تو ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو جاتی تھی۔

وہ کمبائن اسٹڈی کے لیے حنا کی طرف پہنچی تو موسم کافی خوشگوار تھا ان دونوں کا ارادہ لان میں بیٹھ کر پڑھنے کا تھا۔ حنا چائے لینے اندر گئی تو اس نے دکھتی آنکھوں کو بند کر لیا۔ کچھ لمحوں کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ایک لڑکا اس کے بالکل سامنے کھڑا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک پل کے لیے وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی تو وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ لیکن وہ دس قدموں کا فاصلہ تین قدموں میں طے کرتا ہوا اس کے مقابل آگیا۔

"مہ جبیں! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھیں۔"

"جی!" وہ حیرت سے سامنے کھڑے شخص کو دیکھنے لگی۔

"پلیز مہ جبیں اب مجھے چھوڑ کر مت جانا' میں مر جاؤں گا۔" وہ اس کے مزید قریب آیا تو وہ بے ساختہ پیچھے ہٹی۔ وہ اس وقت سخت کنفیوز ہو رہی تھی۔

"دیکھیے آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے میں مہ جبیں نہیں ہوں۔" جلد ہی اس نے خود کو نارمل کر کے سامنے کھڑے شخص کی غلط فہمی دور کرنی چاہی۔ "میں جانتا ہوں تم مجھ سے سخت ناراض ہو لیکن یہ تو مت کہو تم میری مہ جبیں نہیں۔" سامنے کھڑے شخص کی آواز بھرائی تو اس نے بے بسی سے دائیں طرف دیکھا جہاں سے حنا کی آمد ہوئی تھی۔

"مہ جبیں کہاں جا رہی ہو؟" اسے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ اس کے راستے میں آگیا اور اب کی بار اس کی پیشانی پر بل نمودار ہونے لگے۔

"دیکھیں مجھے آپ کا دماغ درست نہیں لگ رہا میں نے کہا نا میں مہ جبیں نہیں اب اگر دوبارہ آپ نے مجھے اس نام سے پکارا تو میں آپ کا دماغ درست کر دوں گی۔" اس کے سرخ چہرے کو دیکھ کر وہ شخص حیران ہوا۔

"کیا ہوا؟" اس کی تیز آواز پر حنا بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

"تمہارا واچ مین کہاں ہے۔ دیکھو یہ پتا نہیں کون پاگل اندر آگیا ہے۔" اس نے حنا کے قریب جا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

"فراز!" حنا نے سامنے کھڑے شخص کو فراز کے نام سے پکارا تو وہ ایک شوخ مسکراہٹ لیے ایک ادا سے جھکا۔

"ہیلو مادام" فراز کے چہرے کے تاثرات اس تیزی سے بدلے کہ وہ ہیں کر کے رہ گئی۔

"ملائکہ! یہ فراز ہے یہ ہمارے ساتھ انکل افتخار رہتے ہیں' ان کا بیٹا۔ کچھ دن پہلے ہوسٹل سے یہاں آیا ہے۔"

"ہوسٹل سے آیا ہے یا پاگل خانے سے؟" اس کا تعارف کرواتے ہوئے وہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ اس کی بڑبڑاہٹ محسوس ہی نہ کر سکی۔

"اور فراز! یہ ملائکہ میری بیسٹ فرینڈ۔ تمہیں بتایا تھا نا!"

"ان کا نام بھی ان کی طرح پیارا ہے۔" اس کے شوخ لہجے پر ملائکہ نے غصے سے اسے گھورا۔ فراز کی بات پر حنا نے مسکرا کر اسے دیکھا تو اس کی مسکراہٹ ایک پل میں ہونٹوں کے گوشوں میں سمٹ کر معدوم ہو گئی۔ ملائکہ کے چہرے پر غصے کے ساتھ ناگواری بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ حنا نے کچھ پریشانی سے فراز کو دیکھا۔

"تم نے ملائکہ سے کچھ کہا؟" وہ اس کی شوخ اور منہ پھٹ عادت سے واقف تھی۔ اس لیے مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے۔" اس نے معصومیت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے تو صرف انہیں مہ جبیں کہا "یاد ہے وہی مہ جبیں میرے خوابوں کی شہزادی جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔"

"فراز! ہر ایک لڑکی کو دیکھ کر شروع مت ہو جایا کرو

لڑکی لڑکی میں بھی فرق ہوتا ہے۔" حنا کے تنبیہی انداز پر اس نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی جو دانستہ ان دونوں کو نظر انداز کر رہی تھی۔

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں" وہ ایک بار پھر مسکرایا تو اب کی بار وہ ایک جھٹکے سے حنا کی طرف مڑی۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

"ملائکہ سنو تو۔" حنا اسے آوازیں دیتی رہ گئی لیکن وہ ان سنی کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کچھ دن بعد وہ جب دوبارہ حنا کے گھر گئی تو پہلے سے وہاں موجود تھا اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا تھا لیکن اب وہ آ گئی تھی تو واپس مڑنا کچھ ٹھیک نہیں لگتا تھا اور حنا کے ساتھ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئی حنا کے پاس بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے بات شروع کی تھی کہ وہ اس کی بات کاٹ کر وہ اپنی شروع کر چکا تھا ملائکہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ کچھ دیر تو وہ برداشت کرتی رہی اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"ملائکہ! یہ آپ کا دوسرا جنم تو نہیں۔" اس نے غصے کے ساتھ اسے دیکھا۔

"فراز!" حنا نے اسے ٹوکا۔

"ٹھہرو نا یار!" وہ حنا سے بول کر پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"چلیں یہ تو مذاق تھا دراصل آپ کی شکل مہ جبیں سے بہت ملتی ہے۔ مہ جبیں میری گرل فرینڈ کا نام تھا۔ وہ بہت خوب صورت تھی۔ آپ اس کی طرح تو نہیں لیکن ملتی جلتی ہیں۔ گزارا ہو سکتا ہے۔" غصے کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تو فراز نے بمشکل اپنے قہقہے کو روکا۔

"میں اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ ہمارے مالی کی بیٹی تھی۔ اچانک وہ گم ہو گئی میں بس یہی جاننا چاہتا تھا کہ کہیں آپ کے پیرنٹس نے آپ کو اڈاپٹ تو نہیں کیا۔"

"اُف۔" وہ جھٹکے سے اٹھی۔ "حنا اگلی دفعہ مجھے تب بلانا جب یہ پاگل یہاں موجود نہ ہو۔" ملائکہ نے غصے سے حنا کو دیکھا جو ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں دوہری ہو رہی تھی۔ وہ ان دونوں پر لعنت بھیجتی ہوئی واپس مڑ گئی۔ اس کے بعد وہ جب بھی حنا کی طرف گئی پتا نہیں اسے کیسے خبر ہو جاتی تھی۔ وہ حتی الامکان اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے باتوں میں الجھا لیتا۔ اب تو وہ بھی عادی ہو گئی تھی۔ اس کی باتوں پر اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی۔ اس نے آج تک کسی لڑکے سے دوستی نہیں کی تھی۔

"میری بیٹی میرا غرور ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اپنے ڈیڈی کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائے گی۔" جعفر صاحب نے کہا تھا۔ تب وہ تھرڈ ایئر میں تھی لیکن اپنے باپ کے لہجے میں چھپی تنبیہ بھانپ گئی تھی۔ وہ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتی تھی وہاں ایسی دوستیاں عام تھیں لیکن وہ ایسی دوستی نہیں کر سکتی اس دن پہلی بار اسے پتا چلا تھا۔ بہت آزاد خیال ہونے کے باوجود اس کے ڈیڈی اس معاملے میں شاید روایتی ہیں جبکہ مما کی روایتی سوچ کا اسے علم تھا۔ اس دن اس نے ایک بات اچھی طرح اپنے دل و دماغ میں بٹھا لی اسے اپنے باپ کا غرور قائم رکھنا ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر فراز اس کی دوستی کے دائرے میں آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اب بس کرو یار!" فراز ہانپتا ہوا کرسی پر ڈھیر ہو گیا جبکہ علی بھی ٹینس گھاس پہ پھینک کر وہیں گھاس پر لیٹ گیا۔

"تم لوگوں میں تو مردوں والی کوئی بات ہی نہیں۔" ملائکہ کے کہنے پر وہ دونوں تڑپ کر سیدھے ہوئے تو ان کے تاثرات پر اسے اپنے لفظوں کا احساس ہوا۔

"میرا مطلب ہے لڑکیوں کی طرح نازک ہو۔ تین شارٹس کیا لگا لیے ہانپنے لگے ہو۔" اس کی وضاحت پر وہ دونوں دوبارہ اپنی پہلی والی پوزیشن میں چلے گئے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک بار پھر کھیل میں مصروف ہو چکے تھے۔

اس نے پاس بیٹھی حنا کے ہاتھ سے رسالہ جھپٹ کر میز پر پٹخ دیا۔ "میں نے یہاں تمہیں رسالہ پڑھنے کے لیے انوائٹ نہیں کیا۔"

"یار! بس اینڈ رہ گیا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" ملائکہ نے رسالہ اپنی گود میں رکھ لیا تو وہ بے چارگی سے اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

"انکل، آنٹی کب تک آئیں گے؟" کچھ دیر بعد حنا نے علی اور فراز پر سے نظریں ہٹا کر اس سے پوچھا۔

"ایک گھنٹے تک آ جائیں گے۔ انکل جو کی ڈیڈی کے دوست کی طبیعت خراب تھی۔ اس لیے انہیں جانا پڑا۔ ورنہ مما کل سے تمہارا انتظار کر رہی تھیں۔"

"ہاں کل آنٹی نے فون بھی کیا تھا۔"

ملائکہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"سنا ہے تمہارے لیے معیز کا پرپوزل آیا ہے۔" حنا کے شوخ انداز پر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

"مما بھی نا۔"

"انکار کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" حنا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے اس کی ہائیٹ پسند نہیں تھی۔"

"توبہ ملائکہ! آیا نے کا تمہارا؟" حنا ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ "پچھلی دفعہ جو پرپوزل آیا تھا اس کی آواز تمہیں پسند نہیں تھی۔ یہ کوئی وجہ ہے کسی کو ناپسند کرنے کی۔ جانتی ہو معیز کتنا لائق ہے۔ ہارٹ سرجن ہے۔ اوپر سے اتنا اچھا بیک گراؤنڈ اور تمہیں اس کی ہائیٹ پسند نہیں۔" حنا نے جیسے اس کی عقل پر افسوس کیا۔

"اب کوئی زبردستی تو نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ کامران میں کیا برائی تھی؟"

ملائکہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کامران کا یہاں کیا ذکر؟" "وہ اس لیے کہ اس کی ہائیٹ بھی اچھی تھی اور آواز بھی یونیورسٹی کی کئی لڑکیاں اس کے پیچھے تھیں جبکہ وہ تمہیں کتنا پسند کرتا تھا۔ شاید محبت کرتا تھا۔"

"محبت!" ملائکہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔ "اسے تو شاید محبت کے ہجے بھی نہیں آتے ہوں گے اور ویسے بھی مجھے اس کی محبت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

وہ نخوت سے ناک سکیڑ کر بولی تو حنا نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں دیکھ رہی ہوں ملائکہ! تم دن بہ دن مغرور ہوتی جا رہی ہو شاید بے تحاشا محبت نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس محبت کو نعمت خداوندی سمجھ کر اس کی قدر کرو۔ یہ نہ ہو کہ یہ محبت تمہارے لیے آزمائش کے بعد عذاب بن جائے۔"

ملائکہ آنکھوں میں بے تحاشا حیرت لیے اسے دیکھتی رہی "بددعا دے رہی ہو؟"

"لاحول ولا۔" حنا نے بے ساختہ ماتھا پیٹا۔ "بے وقوف سمجھا رہی ہوں جو اپنا ہوتا ہے وہی سمجھاتا ہے۔" حنا نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب تمہیں کیا کہوں۔" وہ کچھ افسردہ ہوئی تو حنا کو افسوس ہوا۔ "اچھا بابا معاف کرو اب ایسی باتیں نہیں کرتی۔"

"نہیں تم ٹھیک کہہ رہی تھیں شاید میں ہی غلط ہوں لیکن جس کامران کی محبت کا تمہیں دکھ ہے کم از کم میں اسے محبت نہیں مانتی۔ سلیپنگ پلز کھا لیں، پوری یونیورسٹی میں بدنام کر دیا۔ مجھے بھولنے میں وہ کتنے دن لے گا۔ یہ تم جلد دیکھ لو گی۔" اس کا انداز چیلنج کرتا ہوا تھا۔ "وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، چار بہنوں کی امیدوں کا مرکز ہے جسے ان کا احساس نہیں، وہ کسی سے کیا محبت کرے گا۔

جہاں تک شادی کی بات ہے۔ تم جانتی ہو میں اپنی پسند سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں لیتی چاہے مجھے جتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو یہ تو پھر میرے لائف پارٹنر کی بات ہے۔ اسے ہر لحاظ سے ویسا ہونا چاہیے جیسے مجھے پسند ہے۔" اس کے لہجے میں اپنی پسند کو حاصل کرنے کا غرور شامل تھا۔

حنا پر سوچ انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر نوشابہ کے کمرے میں آ گئی۔ وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔

"مما! مجھے پانچ ہزار کی ضرورت ہے۔" نوشابہ نے تسبیح رکھ کر حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"لیکن ابھی کل ہی تو تم نے اپنے ڈیڈی سے پندرہ ہزار لیے تھے۔"

"جی لیے تھے لیکن وہ کم ہیں۔"

"ملائکہ! تمہاری فضول خرچیاں زیادہ نہیں ہونے لگیں۔"

"پلیز مما! آپ دے رہی ہیں یا میں ڈیڈی سے بات کروں۔"

"فضول خرچ ہونے کے ساتھ بدتمیز بھی ہو گئی ہو۔" وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئیں۔

واپسی میں ان کے ہاتھ میں پانچ ہزار کا نوٹ تھا۔ "حنا کے ساتھ شاپنگ پر جا رہی ہوں جلدی آجاؤں گی۔" وہ ان کا منہ چوم کر باہر نکل گئی۔

پندرہ منٹ کا راستہ تیز رفتاری سے طے کرتے ہوئے وہ حنا کے گھر پہنچ گئی۔ اندر جانے کے بجائے اس نے میسج کر دیا تھا۔ اگلے تین منٹ میں وہ باہر تھی۔

"لبرٹی چلنا ہے یا فورٹریس؟" وہ نظریں سامنے سڑک پر جمائے حنا سے پوچھ رہی تھی۔

"پہلے لبرٹی چلتے ہیں پھر فورٹریس۔" حنا کے کہنے پر اس نے تیزی سے موڑ کاٹا تھا اور فل اسپیڈ پر کار بھگانے لگی تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے ملائکہ اسپیڈ کم کرو۔ مجھے ابھی جینا ہے شادی کرنی ہے اپنے ننھے منے بچوں کو دیکھنا ہے۔"

جب دوسری دفعہ ان کی کار دوسری کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تو حنا کو ٹوکنا پڑا۔ وہ اپنے لیے ٹی شرٹ پسند کر رہی تھی جب حنا اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میری برتھ ڈے پر یہ پہنو گی۔"

"کیوں اچھی نہیں۔" ملائکہ نے شرٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"اچھی ہے لیکن اس دفعہ میری سالگرہ پر تم میری پسند کا ڈریس پہنو گی۔ چلو میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے باہر لے آئی۔

"جانا کہاں ہے؟" اس کے مسلسل ہاتھ کھینچنے پر ملائکہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

"بس چپ چاپ چلتی جاؤ" حنا کے بولنے پر وہ غصے سے چپ کر گئی' حنا اسے لے کر ایک بوتیک میں داخل ہو گئی۔ "میری برتھ ڈے پر تم یہ کرتا اور پاجامہ پہنو گی۔"

"کیا؟" ملائکہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"تمہیں پتا ہے مجھے شلوار قمیص ٹائپ چیزوں سے کتنی چڑ ہے۔"

"پتا ہے لیکن میری خاطر۔" حنا اس کے اعتراض کو کسی خاطر میں نہیں لائی تھی اور اس کے لیے ڈریس پسند کرنے لگی۔ ملائکہ نے ناراضی کے اظہار کے طور پر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسے کھڑے تھوڑی دیر ہوئی تھی جب حنا ہاتھ میں پنک شفون کا سوٹ لیے اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"دیکھو کیسا ہے؟"

"بکواس۔" اس نے دیکھے بغیر اسے ریجیکٹ کر دیا تھا۔

"تم تو ہو ہی بدذوق۔ مجھے تو پسند ہے اور یہ بات کافی ہے۔ تمہیں یہی پہننا ہے' تمہیں پسند ہو یا نہیں چلو جیب ڈھیلی کرو' چار ہزار کا ہے۔"

"کیا؟" ملائکہ غصے سے اس کی طرف مڑی لیکن وہ سوٹ لے کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ پیر پٹختی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔

گاڑی میں بیٹھ کر بھی اس کا موڈ درست نہیں تھا لیکن حنا مسلسل گنگنا رہی تھی۔

"بھوک لگی ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔" ملائکہ نے غصے سے اسے

دیکھا تو حنا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تم کچھ نہ کرو بس گاڑی کسی کھانے پینے والی جگہ پر روک دو۔" اس نے گاڑی شیزان کے آگے روکی تھی۔

حنا کا پسند کیا ہوا ڈریس پہن کر جب وہ آئینے کے سامنے آئی تو کپڑوں کا عکس چہرے پر بھی جھلکنے لگا۔ ایک تفاخر بھری مسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی تو اس نے نظریں آئینے پر سے ہٹا لیں۔ آج کافی عرصے بعد اس نے شلوار قمیص ٹائپ کوئی چیز پہنی تھی جہاں اسے اپنا آپ اچھا لگ رہا تھا وہاں عجیب بھی لگ رہا تھا۔ ابھی اس نے دوپٹہ گلے میں ڈالا ہی تھا جب دروازے پر دستک ہوئی اور اس کے یس کہتے ہی علی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا اس پر نظر ڈالتے ہی وہ ٹھٹکا تھا۔ اگلے ہی پل وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا' ملائکہ نے ناگواری سے اسے گھورا۔

"تمہارے کیوں دانت نکل رہے ہیں؟"

"بجو! تم اور یہ مغلیہ طرز کا کرتا پاجامہ۔ کیا عجیب [illegible] ہے۔" اس کے مسلسل [illegible] پر ملائکہ [illegible] پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ وہ ایک بار پھر آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"عجیب لگ رہا ہے نا مجھے پتا تھا شلوار قمیص مجھے سوٹ نہیں کرتی۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"ویسے یہ نیک مشورہ تمہیں دیا کس نے ہے؟"

"یہ حنا کی بچی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے' لے کر مجھے کارٹون بنا دیا۔"

"حنا کی بچی بھی ہے۔ مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔"

"شٹ اپ علی! میں اس وقت بالکل بھی مذاق کے موڈ میں نہیں۔ رکو میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ جس تیزی سے مڑی تھی اسی تیزی سے علی اس کے سامنے آیا تھا "میں مذاق کر رہا تھا۔"

"بجو! بہت پیاری لگ رہی ہو قسم سے۔" ملائکہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا شکل سے وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"اب چلیں۔ مما اور ڈیڈی بالکل تیار ہیں اور ہمارا ویٹ کر رہے ہیں۔"

"تم سچ بول رہے ہو نا علی! میں بری تو نہیں لگ رہی۔"

اس سے پہلے کہ علی کچھ کہتا' ملائکہ کا موبائل بج اٹھا اس نے جلدی سے موبائل اٹھایا۔ اسکرین پر حنا کا نام جگمگا رہا تھا۔

"ہاں بس یار! نکل رہے ہیں بے فکر رہو کیک کٹنے سے پہلے پہنچ جاؤں گی' اوکے بائے۔" فون آف کر کے اس نے جلدی سے حنا کا گفٹ بیڈ سے اٹھایا اور علی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اس کے سامنے آتے ہی نوشابہ اور جعفر صاحب جس طرح حیران ہوئے تھے۔ وہ ایک بار پھر نروس ہو گئی تھی۔

"نوشابہ! تم نے اس خوب صورت لڑکی کو پہچانا۔" جعفر صاحب کے شرارتی انداز پر وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔

"پہچانا کیوں نہیں یہ میری بیٹی ہے۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"آج تو میری بیٹی شہزادی لگ رہی ہے۔" جعفر صاحب نے سو کے تین نوٹ وار کر سکینہ کو دیے تو ایک تفاخر بھری مسکان ملائکہ کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔

"چلیں ڈیڈی دیر ہو رہی ہے۔"

"چلو" وہ اسے بازو کے حلقے میں لیے ہوئے باہر نکل آئے۔ حنا کے گھر پہنچتے پہنچتے وہ نارمل ہو چکی تھی۔

حنا اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ خوش ہو گئی۔ "قسم سے آفت لگ رہی ہو۔"

"پتا ہے مجھے۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

وہ باتیں کرتے ہوئے اندر کی طرف بڑھنے لگیں۔ کیک کاٹ کر حنا اپنے مہمانوں میں مصروف ہو گئی تو وہ اپنی پلیٹ لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی فراز بھی اپنی پلیٹ لے کر اس کی ٹیبل پر آ گیا۔

"اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟"

"وہ خالہ آ گئی تھیں اسی لیے دیر ہو گئی تھی۔"

"اچھا!" ملائکہ نے اچھا کو لمبا کھینچا تھا۔

"خالہ! اسامہ کی ممی پھر تو صالحہ بھی ساتھ ہوگی۔"
"تمہارا کیا مطلب ہے؟" فراز نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر بات بدل گئی۔
"کچھ نہیں۔"
اس کی مسلسل خاموشی پر اس نے ارد گرد سے نظریں ہٹا کر فراز کو دیکھا جو بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"کیوں ایسے کیوں گھور رہے ہو؟"
"آج کس پر بجلی گرانے کا ارادہ ہے؟" ملائکہ سمجھ گئی اس کا اشارہ اس کے کپڑوں کی طرف ہے۔
"کم از کم تم پر نہیں۔"
"لیکن بجلی تو مجھ پر گری ہے۔"
"مجھے تو تم کہیں سے بھی جلے ہوئے نہیں لگ رہے۔"
"بجلی اندر گری ہے' باہر اس کے آثار نظر نہیں آئیں گے۔"
ملائکہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔
"آج پی کر تو نہیں آئے۔"
"ملائکہ! میں سیریس ہوں مذاق نہیں کر رہا مجھے سچ مچ تم سے محبت ہو گئی ہے۔"
"شٹ اپ فراز! یہ ڈائیلاگ اپنی گرل فرینڈز کے لیے سنبھال کر رکھو مجھ پر لائن مارنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے ایسا مذاق بھی پسند نہیں اگر تم نے آئندہ ایسی کوئی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ غصے سے اٹھی تھی فراز اسے آوازیں دیتا رہ گیا لیکن اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ گھر آکر بھی فراز کی باتیں سوچ کر اس کا دماغ کھولتا رہا۔

☆ ☆ ☆

وہ بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی' لاؤنج میں اس وقت صرف نوشابہ بیٹھی تھیں جن کا سارا دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی' دونوں ٹانگیں صوفے پر رکھ لیں اور لاڈ سے ان کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔ اس کی اس حرکت پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھیں۔
"آج یونیورسٹی کیوں نہیں گئیں؟"
"موڈ نہیں تھا۔" وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔
"موبائل بھی تمہارا آف تھا۔ صبح سے حنا اور فراز کے کتنے فون آچکے ہیں۔" اس نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھولیں اور سر ان کے کندھے سے اٹھا لیا۔
"سمیرا! ملائکہ کے لیے ناشتہ لگا دو۔" انہوں نے سمیرا کو کہنے کے بعد اسے دیکھا "اب تم بھی اٹھ جاؤ پوتی! لوگ اس وقت دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہے ہیں اور تم ناشتہ کر رہی ہو۔"
ان کے کہنے پر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ وہ ابھی اٹھی ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
"ہیلو!" اس کے ہیلو کے بعد دوسری طرف سے جعفر صاحب کی آواز آئی "اٹھ گئی ڈیڈی کی جان۔"
"جی ڈیڈی!" وہ ہنستے ہوئے بولی۔
وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے' اس نے محسوس کیا وہ بہت خوش ہیں آخر کار اس نے وجہ پوچھ ہی لی۔
"کیا بات ہے ڈیڈی! آج آپ بہت خوش ہیں۔"
اس کے پوچھنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
"ہاں آج میں واقعی بہت خوش ہوں' آکر بتاتا ہوں پہلے اپنی ماں کو فون دو۔"
"جی!" وہ فون نوشابہ کو پکڑا کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔
تھوڑی دیر بعد اس نے نوشابہ کو کچن میں جاتے اور سمیرا کو ہدایات دیتے ہوئے سنا' یہ تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کوئی مہمان آرہا ہے لیکن یہ پتا نہیں تھا ایسا کون سا خاص الخاص مہمان آرہا ہے' جس کی آمد سے پورے گھر میں کھلبلی مچ گئی ہے۔ جوس کا آخری سپ لے کر اس نے گلاس واپس رکھ دیا اور واپس لاؤنج میں آ گئی۔
"کوئی آرہا ہے مما؟" ملائکہ کے پوچھنے پر نوشابہ نے سر ہلایا۔

"فیروز بھائی آرہے ہیں۔"
"نام تو سنا سا لگ رہا ہے۔" ملائکہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
"ارے بابا! تمہارے ڈیڈی کا ان سے تو ایک رشتہ ہے۔ فیروز تمہارے ڈیڈی کے چچیرے بھائی ہیں۔ فیروز کے پیرنٹس کی ڈیتھ بچپن میں ہو گئی تھی تمہارے دادا دادی نے انہیں پالا تھا۔ فیروز اور تمہارے ڈیڈی میں پیار بہت تھا بالکل سگے بھائیوں کی طرح۔ تمہارے دادا کی وفات کے بعد فیروز لندن چلے گئے۔ تمہاری دادی کو ان سے بہت پیار تھا۔ ان کی جدائی کے غم میں وہ اس دنیا سے چل بسیں' شروع کے چند سال تو فیروز جعفر کے ساتھ رابطے میں رہے پھر انہوں نے وہاں کسی انگریز عورت سے شادی کر لی پھر کبھی کبھی کے بعد فون کا یہ رابطہ ختم ہو گیا۔"
"اسی لیے مجھے ان کا نام سنا سا لگ رہا تھا۔ ڈیڈی ان کا بہت ذکر کرتے ہیں۔" نوشابہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔
"مجھے اچھی طرح یاد ہے' جب اس کو تمہاری پیدائش کا پتا چلا تھا تو کتنا خوش ہوا تھا۔"
"بجو کے پیدا ہونے پر ایسا کون سا شخص تھا جو خوش نہیں ہوا تھا۔" علی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ جو ابھی کالج سے آیا تھا۔
"میرا خیال ہے' خاور انکل کے گھر میں جو طوطا ہے اس نے بھی بجو کے پیدا ہونے پر بھنگڑے ڈالے ہوں گے۔"
"آخر تم مجھ سے اتنا جلتے کیوں ہو۔" ملائکہ نے اس کی کیفیت سے مزا لیتے ہوئے کہا۔
"ہونہہ میں کیوں جلوں گا۔ میں خود اکلوتا ہوں۔" علی نے فرضی کالر اٹھائے تو ملائکہ ہنس پڑی۔
"ہاں ایسا اکلوتا جس کو کوئی لفٹ نہیں کرواتا۔"
"مما دیکھ رہی ہیں آپ۔" علی نے غصے سے شکایت لگائی۔
"ملائکہ!" نوشابہ نے تنبیہی انداز میں اسے پکارا تو وہ دوبارہ ہنسنے لگی۔
"ذرا اٹھو اپنا حلیہ صحیح کرو۔"
"کیوں کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟" اس نے خود پر نظر ڈالی جو بلیک ٹراؤزر اور بلیک شرٹ میں بالکل ٹھیک لگ رہی تھی۔
"کوئی شلوار قمیص پہن لو۔" اب کی بار علی قہقہہ لگا کر ہنسا تھا جانتا تھا وہ شلوار قمیص کے نام سے کتنا چڑتی ہے۔
"مما! میری سمجھ میں نہیں آتا جب بھی کوئی مہمان آتا ہے' آپ مجھے شلوار قمیص کا آرڈر دے دیتی ہیں۔ وہ ہم سے ملنے آتے ہیں یا میری شلوار قمیص چیک کرنے۔"
"بیٹا میں شلوار قمیص کا اس لیے کہتی ہوں کیونکہ تم شلوار قمیص میں پیاری لگتی ہو' چلو شاباش۔" ان کے چمکارنے پر وہ مزید بحث کیے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ویسے فیروز تم سے اس بے وفائی کی امید نہیں تھی' اتنے سال گزر گئے تم نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اباجی' اماں جی کے علاوہ کیا تمہارا ہم سے کوئی رشتہ نہ تھا؟" فیروز کے سلام دعا کے بعد نوشابہ نے بڑی جذباتی انداز میں شکوہ کیا۔
نوشابہ کے شکوے پر انہوں نے بڑی بے بسی سے جعفر صاحب کو دیکھا جن کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہے ہوں دو اب جواب۔
"نہیں بھابھی! ایسی کوئی بات نہیں۔" ایک خجالت بھری مسکراہٹ ان کے چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔
"پھر کیسی بات ہے؟ شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب جعفر نے تم کو یاد نہ کیا ہو۔ ہم ہی تم سے رابطہ کر لیتے لیکن تم نے تو سب رابطے ہی ختم کر دیے۔ گھر' فون نمبر بدل لیا اور خود بھی کبھی رابطہ نہیں کیا۔"
"بھابھی! آپ کا شکوہ بالکل بجا ہے۔ میں مانتا ہوں غلطی میری ہے۔ لیکن میں واقعی بہت مجبور ہو گیا تھا۔ یہاں سے جا کر پہلے میں بزنس کے سلسلے میں مصروف رہا پھر میری ملاقات جولیا سے ہوئی۔ میری

اس سے اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی۔ اس سے شادی کر کے میں بہت خوش تھا۔ دو سال بعد ہمارے گھر ابراہیم ہوا تو مجھے ایسا لگا جیسے دنیا میں ہی مجھے جنت مل گئی۔ ابراہیم کی پیدائش کے وقت کچھ ایسی کمپلیکیشن ہو گئیں کہ وہ دوبارہ ماں نہیں بن سکی لیکن ابراہیم کے بعد ہمیں کسی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں جب ابراہیم پیدا ہوا تو اس کے کان میں اذان دینے کے بعد میں کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ اس کا فیوچر کیا ہو گا۔ یہ کون سا مذہب اختیار کرے گا' یہ مسلمان ہو گا یا کرسچن۔ میری اس پریشانی کو وہ بھی بھانپ گئی تھی۔ اس کے پوچھنے پر جب میں نے اپنی پریشانی بتائی تو جانتے ہیں اس نے مسکرا کر کیا کہا؟"

نوشابہ اور جعفر خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

"اس نے کہا' وہ خود مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ گیارہ سال زندہ رہی اور میں نے اسے کبھی نماز چھوڑتے نہیں دیکھا۔ میں تو پاکستان میں عورتوں کو دیکھ کر حیران ہوں۔ دوپٹے کو جیسے غائب ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد میں نے کبھی اس کے سر کو ننگا نہیں دیکھا اس نے صحیح معنوں میں مسلمان عورت ہونے کا حق ادا کیا۔ مجھے نماز کا پابند بنایا۔ اپنے بیٹے کی بڑی اچھی پرورش کر رہی تھی۔ پتا نہیں ہمیں کس کی نظر لگ گئی سب ختم ہو گیا۔" بات کرتے کرتے ان کی آواز بھرا گئی۔

"بالکل ٹھیک تھی۔ بس معمولی بخار ہوا تھا۔ دو دن اس نے تکلیف میں گزارے اور ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ تو چلی گئی لیکن پیچھے میں اور ابراہیم بالکل اکیلے رہ گئے۔ وہ تھی جس نے ہمیں ایک لڑی میں پرو رکھا تھا۔ وہ تھی تو ایسا لگتا تھا گھر میں کوئی رہتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد ہم دو لوگ تھے لیکن ایسا لگتا تھا جیسا کوئی رہتا ہی نہیں' بس یہ تھی میری کہانی" وہ گہرا سانس لے کر بولے۔

"جمیلہ کے بعد میں زندہ لاش بن کر رہ گیا تھا اگر ابراہیم کا وجود نہ ہوتا تو شاید میں بھی مر جاتا۔"

جعفر نے تڑپ کر انہیں دیکھا "کیسی باتیں کرتے ہو فیروز! تم نے اکیلے سب برداشت کیا۔ اس لیے کیونکہ تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتے ورنہ ہمیں ضرور بتاتے۔"

"ایسی بات نہیں بھائی! میں تو ہمیشہ آپ لوگوں کو یاد کرتا تھا۔ ابراہیم سے آپ لوگوں کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ پہلے ابراہیم کی پڑھائی پھر بزنس بس اسی طرح وقت نکلتا رہا۔ اب ابراہیم بھی میری تنہائی محسوس کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ آپ کو فیملی کی ضرورت ہے۔ پھر زبردستی مجھے پاکستان بھیج دیا۔"

"تم سے اچھا تو میرا بھتیجا ہے جسے دیکھے بغیر ہم سے اتنا پیار ہے۔"

جعفر صاحب کے کہنے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"وہ خود کہاں ہے؟"

ابھی تو وہ لندن ہے۔ بزنس کی کچھ فارملٹی ہیں اسے وہاں رکنا پڑا۔ مجھے اس نے بھیج دیا۔ لیکن کچھ دنوں تک آجائے گا اور آپ بتائیں بچے کہاں ہیں؟"

اس سے پہلے وہ جواب دیتے ملائکہ اور علی اندر داخل ہوئے تھے۔ "لو تم بچوں کا پوچھ رہے تھے وہ آگئے۔" ان دونوں کو دیکھ کر فیروز صاحب بے اختیار کھڑے ہوئے تھے۔

"بھائی جی! ماشاءاللہ بچے تو جوان ہو گئے ہیں۔" انہوں نے ملائکہ کا ماتھا چوم کر علی کو گلے لگایا تھا اور اب وہ پیار بھری نظروں سے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تو اتنے سالوں بعد بچوں نے جوان ہی ہونا تھا۔ دیکھ نہیں رہے ہم بوڑھے ہو گئے ہیں۔"

"بوڑھے آپ ہوں گے بھائی جی! میں تو ابھی جوان ہوں۔ کتنی لڑکیاں اب بھی مجھے دیکھ کر آہ بھرتی ہیں۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ وہ چاروں کھکھلا کر ہنس پڑے۔

☼ ☼ ☼

فون بج بج کر بند ہو گیا تھا لیکن اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کون ہو گا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ فون پھر بج اٹھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ اسکرین پر نظر آنے والے نام کو دیکھ کر اس نے بے اختیار گہرا سانس لے کر آن کا بٹن پش کر دیا۔

"ملائکہ! فون بند مت کرنا' میری بات سن لو۔" اس کے ہیلو بولنے سے پہلے فراز تیزی سے بولا۔

"ہیلو!" اس کی مسلسل خاموشی پر زور سے بولا۔ "بولو!"

"تھینکس گاڈ! تمہاری آواز تو سننے کو ملی۔" اس کی آواز سن کر جیسے وہ چہک اٹھا تھا۔

"میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں۔"

"تم جانتے ہو۔" وہ رکھائی سے بولی تو دوسری طرف کچھ پل کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"تو اب کیوں اٹھایا ہے؟" اب کی بار وہ سنجیدہ تھا۔

"کیونکہ حنا بار بار مجھے فورس کر رہی تھی۔"

"حنا کی بات تمہارے لیے اتنی اہم ہے؟"

"ہاں کیونکہ وہ میری دوست ہے۔"

"او اچھا!" وہ ان الفاظ کو لمبا کر کے بولا۔ "تو میں کیا ہوں؟" اب کی بار خاموش رہنے کی باری ملائکہ کی تھی۔

"میں اب تک یہی سمجھتا رہا۔ حنا کی طرح میں بھی تمہارا دوست ہوں۔"

اس بات سے مجھے انکار نہیں کہ تم میرے اچھے دوست ہو' میں نے حنا کے بعد اگر کسی سے دوستی کی تو وہ تم ہو۔ لیکن جب تم نے دوستی کی پیشکش کی تھی میں نے تب ہی تم پر واضح کر دیا تھا کہ اس دوستی کی ایک لمٹ ہے۔ تین سال سے ہماری دوستی کامیابی سے چل رہی ہے تو صرف اس لیے کہ تم نے اپنی لمٹ کراس نہیں کی۔ مذاق کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن اس سے آگے کی بات ہماری دوستی توڑ دے گی۔"

"سوری۔" کچھ دیر بعد اسے فراز کی آواز سنائی دی تو اسے خود ہی اپنے سخت لہجے کا احساس ہوا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اب اتنا بھی سوری کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کے نارمل انداز میں بات کرنے پر اس نے گہرا سانس لیا۔ "شکر ہے تمہارا موڈ تو ٹھیک ہوا پھر کل یونیورسٹی آرہی ہو؟"

"تو تم کیا سمجھ رہے تھے میں تمہاری وجہ سے یونیورسٹی نہیں آرہی تھی؟"

"میں تو یہی سمجھا تھا۔" تو وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔

"تم ایسی بھی وی آئی پی چیز نہیں جس کے لیے میں اپنی نارمل روٹین ڈسٹرب کرلوں۔"

"اچھا بچو! یہ بات ہے" فراز ہنس کر بولا تو وہ بھی ہنس پڑی۔

"دراصل میرے چاچو آئے ہوئے ہیں۔ آج کل ان کے ساتھ بزی ہوں۔"

"چاچو!" وہ چاچو پر زور دے کر بولا "پہلے تو ان کے بارے میں نہیں سنا۔"

"ملوں گی تو بتاؤں گی۔ ابھی فون بند کرو' مجھے اور بھی کام ہیں۔"

"اوکے لیکن یہ بتاؤ اگر میں واقعی جو کہہ رہا تھا' وہ سچ ہوتا تو؟"

اس کے سوال پر ملائکہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہ گئی دوسری طرف سے آتی فراز کی گہری سانسوں کی آواز اس کی بے چینی کو ظاہر کر رہی تھی۔

"تو میں تمہارا سر پھاڑ دیتی۔" اس کے چلانے پر اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ملائکہ نے فون آف کر دیا اور فون آف کرنے کے بعد وہ خود بھی مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"ہوں!" ساری بات سن کر حنا نے سر ہلایا تھا "تمہارے چاچو کی اسٹوری میں تو کئی رنگ ہیں۔ ایموشنل رومانٹک ٹریجڈی واؤ ان سے تو ملنا چاہیے۔" وہ ایک دم ان سے ملنے کے لیے ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی۔

"ابھی تو وہ گھر پہ نہیں۔ مما اور ڈیڈی کے ساتھ گئے ہیں گھر دیکھنے' تم یہ بتاؤ وہ کون سی دھماکا نیوز تھی جسے سنانے کے لیے تم بے چین تھیں؟"

"ممی' پاپا میری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

ماہنامہ شعاع 169 فروری 2011

"واؤ! یہ تو واقعی دھماکے دار خبر ہے۔" ملائکہ نے بے ساختہ خوشی سے حنا کا چہرہ دیکھا جہاں کسی خوشی کے آثار نہیں تھے۔

"کیا بات ہے۔ تم خوش نہیں؟" ملائکہ نے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "دراصل میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی کم از کم ماسٹرز تو کمپلیٹ ہو اور دوسرا ایسی شادی کا کیا فائدہ جس سے گھر میں لڑائی ہو۔ ممی کو جو پسند آتا ہے وہ پاپا کو پسند نہیں آتا جو پاپا کو اچھا لگتا ہے۔ وہ ممی کو اچھا نہیں لگتا۔ اکلوتا ہونا بھی عذاب ہے۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" ملائکہ نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا "تمہیں کون پسند ہے؟"

"مجھے" حنا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ابھی یہاں تک نوبت نہیں آئی کہ مجھ سے کوئی پوچھے 'پہلے ان دونوں کو لڑنے سے فرصت تو ملے۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ ملائکہ کو ہنسی آگئی۔

"ہاں ہاں ہنس لو جب تم پر ایسا وقت آئے گا تو پوچھوں گی۔"

"ہاں ہاں پوچھ لینا۔" اول تو مما اور ڈیڈی میری مرضی کے بغیر میری شادی نہیں کرسکتے۔ دوسرا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ میں کسی ایسے شخص سے شادی کروں جس کو میں جانتی نہ ہوں اور جو مجھے پسند نہ ہو۔" اس کے لہجے میں وہی مخصوص مان تھا۔ اس سے پہلے حنا اسے کچھ کہتی سکینہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ ملائکہ اور حنا نے چونک کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"وہ چھوٹی بی بی! باہر کوئی انگریز آیا ہے۔"

"انگریز!" حنا نے حیرت سے دہرایا۔

"انگریز ہی آیا ہے نا شیر تو نہیں آیا جو تم اس قدر حواس باختہ ہو رہی ہو۔" ملائکہ نے ناگواری سے اس کی بوکھلاہٹ کو دیکھا۔

"کون ہوگا؟" حنا کے چہرے سے تجسس ظاہر ہونے لگا تھا۔

"ڈیڈی کا کوئی فارنر کلائنٹ ہوگا۔" وہ لاپروائی سے کہتی ہوئی لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ گیٹ کے آگے اچھا خاصا ہجوم لگا تھا۔ چوکیدار، مالی اس کے دو بچے نذیر، کپڑے دھونے والی صفیہ۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس کی آواز پر ایک دم سناٹا چھا گیا اور ہجوم چھٹنا شروع ہو گیا اور ہجوم کے پیچھے سے جو چہرہ نظر آیا اس نے ایک پل کے لیے اسے مبہوت کر دیا تھا۔

"واؤ ایسا لگتا ہے 'کالے بادلوں میں سے اچانک چاند نکل آیا ہو۔" اپنے بالکل پیچھے حنا کی آواز بلکہ اس کی تشبیہ سن کر وہ ایک دم ہوش میں آئی اس نے حنا کو گھورا جواب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"یس!" وہ اس نیلی آنکھوں والے سے مخاطب ہوئی جو کچھ کنفیوزڈ اور پریشان لگ رہا تھا۔

"مائی نیم از ابراہیم۔ آئی وانٹ ٹو میٹ مسٹر جعفر!"

"ابراہیم۔" اس نے زیر لب دہرایا۔ "اوہ ابراہیم فیروز! انکل فیروز کا سن" اس کے [illegible] کرنے پر جیسے اس کے چہرے پر اطمینان دکھائی دیا۔

"پلیز کم ان۔" اب کی بار اس نے مسکرا کر اسے اندر بلایا تھا اور ایک غصیلی نظر پیچھے کھڑے تماشائیوں پر ڈالی۔

"یہاں کیا میلہ لگا ہے؟" اس کے کہنے پر سب ایک ایک کر کے مڑنے لگے۔

"مائی لگیج۔" ابراہیم نے اپنے پیچھے رکھے سامان کی طرف اشارہ کیا تو اس نے چوکیدار کو سامان اندر رکھنے کا اشارہ کیا۔ سکینہ کو پانی کا کہہ کر وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔ اسے بٹھا کر اس نے حنا کو اشارہ کیا لیکن وہ تو جیسے وہاں چپک گئی تھی۔ اس کو دل میں دو چار گالیاں دے کر وہ باہر نکل آئی۔

پہلے اس نے جعفر صاحب کو فون کر کے اس انگریز کے آنے کی اطلاع دی۔ پھر نذیر کو کھانے کا کہا اور خود دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگئی جہاں حنا ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ بھی جا کر بیٹھ گئی۔

"آپ کھانے میں کیا لیں گے؟"

اس کے پوچھنے پر وہ "تھینک" کہہ کر خاموش ہو گیا۔

تب ہی سکینہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ ملائکہ نے سکینہ کا چہرہ دیکھا تو کوفت کے مارے اس کے نقوش کے زاویے بگڑ گئے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" حنا نے بے ساختہ اسے ٹوکا تھا۔

"ان لوگوں کو ہوا کیا ہے۔ کیا پہلے انہوں نے کوئی انسان نہیں دیکھا اور اس سکینہ کو دیکھو ایسے شرما رہی ہے جیسے وہ اس کے رشتے کے لیے آیا ہو۔" اس کے جلے ہوئے انداز پر حنا کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ سکینہ جو چیزیں سرو کر رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ ابراہیم نے بھی چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"اگر تم دے چکی ہو تو جاؤ اور باہر جا کر ان نمونوں سے کہو اپنے کرتب بند کریں یہ مہمان ہیں۔ چڑیا گھر سے چھوٹے بندر نہیں جس کا تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھے ہوگئے ہیں۔" اس نے قہر بھری نظروں [illegible] جو اس کی گرج چمک دیکھ کر غائب ہو گئے تھے۔ سکینہ بھی جلدی جلدی بھاگی تھی جبکہ مہمان گرامی بڑی حیرانی سے سامنے بیٹھی ہستی کے پرعب انداز دیکھ رہے تھے۔

"یار تم اس کے منہ پر ہی اسے بندر کہہ رہی ہو" حنا نے نیچی آواز میں اسے ٹوکا۔

"اسے اردو کہاں آتی ہوگی۔" ملائکہ نے اسے دیکھتے ہوئے فخر سے کہا اور مسکرا کر ابراہیم کو دیکھا جو انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"بے شک اسے اردو نہیں آتی لیکن بندر تو نہ کہو اتنے خوب صورت انسان کو بندر کہہ کر تم اس کی توہین کر رہی ہو۔" "قسم سے میں تو پہلی نظر میں اس پر فدا ہو گئی ہوں۔" حنا نے پیار بھری نظریں ابراہیم پر ٹکا دیں جبکہ ہونٹ ملائکہ کے کان میں سرگوشیاں کرنے میں مصروف تھے لیکن سرگوشیاں اتنی بھی مدھم نہ تھیں کہ سامنے بیٹھا شخص انہیں سن نہ سکے۔ لیکن وہ دونوں اس وجہ سے مطمئن تھیں کہ اس نے کون سا سمجھنا ہے۔

"مجھے تو بے چارہ تھکا تھکا لگ رہا ہے۔" حنا کے کہنے پر اس نے ایک بار پھر اسے دیکھا جو نظریں جھکائے کوک پینے میں مصروف تھا۔

"آپ ریسٹ کرنا چاہتے ہیں؟" اس کے پوچھنے پر اس نے نظریں اٹھائیں اور مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"او کے چلیں۔" اس کے اٹھتے ہی وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ جہاں فیروز صاحب ٹھہرے تھے۔ اسے اس کمرے میں چھوڑ کر وہ واپس آگئی۔ حنا اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"ہائے یار! کیا زبردست چیز ہے۔" حنا کے دل پھینک انداز پر اس نے کھینچ کر تھپڑ لگایا۔

"کیا پہلے کوئی فارنر نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے لیکن اتنا خوب صورت بندہ اتنے قریب سے نہیں دیکھا۔" حنا کے کھوئے کھوئے انداز پر وہ ہنس پڑی تھی۔

"سچ بتاؤ کیا وہ خوب صورت نہیں؟" وہ اب ملائکہ سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں خوب صورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن مجھے فارنرز کی نسبت اپنے ایشین زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ ان انگریزوں کا کیا بھروسا کوئی دین ایمان تھوڑی ہوتا ہے۔ نیلی آنکھیں تو ویسے بھی بے وفا ہونے کی نشانی ہے۔"

"خیر' اتنے وفادار بھی نہیں ہوتے اپنے ایشین' بیوی گھر میں ہوتی ہے دس سہیلیاں باہر ہوتی ہیں۔" حنا نے مکمل طور پر اس سے اختلاف کیا۔

"تمہیں اتنے اچھے لگے ہیں محترم ابراہیم فیروز صاحب تو میں انکل سے بات کرتی ہوں۔ آخر وہ میرے کزن ہیں۔ تم میری دوست ہو۔ اس طرح دوستی رشتہ داری میں بدل جائے گی۔"

"واؤ۔" حنا ایک دم جذباتی ہو کر اس کے گلے لگ گئی اور پھر ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔ ملائکہ نے حیرت سے اسے دیکھا جو سامنے دیکھ رہی تھی اس کی نظروں

کے تعاقب میں دیکھا جہاں ابراہیم کھڑا تھا۔ ان کے دیکھنے پر وہ چلتا ہوا آگے آیا۔ بیگ اٹھایا اور واپس مڑ گیا۔ ان دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا اس نے سن لیا؟" ملائکہ نے ابرو اچکا کر حنا کو دیکھا۔

"اسے اردو نہیں آتی۔" حنا نے بے ساختہ تالی بجا کر کہا اور دونوں نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼

دستک پر اس نے کمپیوٹر سے نظریں ہٹا کر دیکھا

"آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں۔ کھانا تیار ہے۔"

"تم چلو میں آتی ہوں۔" اس نے انگڑائی لے کر خود کو کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا ہاتھ دھو کر جب وہ ڈائننگ روم میں پہنچی' سب موجود تھے اور شاید اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔

"بیٹا! آپ ملی ہو ابراہیم سے۔" اس کے بیٹھتے ہی فیروز نے پوچھا تھا۔

"جی چاچو' ملی ہوں۔" اس نے مسکرا کر ابراہیم کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے مسکرانے پر وہ بھی مسکرا دیا۔

"اور ابراہیم' یہ ملائکہ ہے۔ بتایا تھا نا تمہیں۔"

"جی بابا! میں مل چکا ہوں۔" اور ابراہیم کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ دھماکے کی طرح اس کے سر پر پھٹا تھا۔ ابراہیم نے چور نظروں سے اس کے ساکت انداز کو دیکھا جس کا چاولوں والا چمچہ پلیٹ اور منہ کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا تھا۔

"اور ابراہیم! پاکستان کیسا لگا؟"

"اچھا ہے انکل! ابھی تو آیا ہوں ایئرپورٹ سے گھر تک تو ٹھیک ہی تھا۔" وہ مسکرا کر بولا۔ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ملائکہ کو دیکھا جواب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور ابراہیم بھائی! یہاں کے لوگ کیسے لگے آپ کو؟" علی کے سوال پر اس کی نظریں بڑے بے ساختہ انداز میں ملائکہ کی طرف اٹھی تھیں۔

"لوگ۔" اس نے لوگ پر زور دے کر کہا تھا۔

"ابھی تک جن سے ملا ہوں سب اچھے ہیں لیکن بعض لوگ مجھے ایسے دیکھتے ہیں کہ مجھے لگتا ہے خود پر ٹکٹ لگوا لوں۔" اس کی بات پر زبردست قہقہہ پڑا تھا اور ملائکہ جیسے ایک دم حواسوں میں آگئی تھی۔

"ماشاءاللہ بیٹا! آپ پیارے بھی تو اتنے ہو۔" نوشابہ کے فدا ہونے والے انداز پر ملائکہ نے بے ساختہ دانت پیسے تھے۔

"وہ تو آنٹی! آپ کا پیار ہے ورنہ لوگ تو بندر بھی کہہ دیتے ہیں۔" اب کی بار صرف فیروز صاحب اور وہ خود ہنسا تھا۔ باقی سب خاموش رہے تھے۔

"ایسا کس نے کہا آپ کو؟" علی کو شاید زیادہ ہی برا لگ گیا تھا۔

"یہیں کسی نے کہا تھا۔" اس نے پھر دزدیدہ نظروں سے ملائکہ کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ غصے کے مارے پھول گیا تھا۔

"کوئی آنکھوں کے ساتھ عقل کا بھی اندھا ہوگا۔" علی کے کہتے ہی ملائکہ تیزی سے اٹھی تھی۔ سب نے ایک لمحہ اسے دیکھا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اسی تیزی سے مڑی تھی جبکہ ابراہیم کی نظروں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟" حنا کی حیرت بھری "کیا" سن کر اس نے گہرا سانس لیا۔ "تمہیں سن کر اتنا جھٹکا لگا ہے تو میرا سوچو میں نے بذات خود اسے بولتے سنا ہے۔ ایسی پٹ پٹ اس کی زبان چلتی ہے۔ ایسے صاف لہجے میں اردو بولتا ہے کہ میں تم کیا بولتے ہوں گے اور ایسے نکا نکا کر طنز کرتا ہے کہ بی جمالو کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے اس نے۔" اس کی بات سن کر حنا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اور تم جو اس کے حسن کے قصیدے پڑھ پڑھ کر اسے چنے کے جھاڑ پر چڑھا رہی تھیں۔ پتا نہیں خود کو ٹام کروز ہی سمجھ رہا ہو۔"

"یار! ایسے تو نہ کہو۔ ٹام کروز سے تو اچھا ہی ہے۔"

"لعنت ہو تم پر۔ میں جس بات سے منع کر رہی ہوں تم پھر وہی کر رہی ہو۔"

"او کے۔ اب غصہ تھوک دو۔" حنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے گہرا سانس لے کر خود کو پرسکون کیا۔

"چھوڑو اسے۔ یہ بتاؤ تمہارے پرپوزل کا کیا بنا؟" اور اب کی بار ٹھنڈی آہ بھرنے کی باری حنا کی تھی۔

"ہونا کیا ہے وہی جو پہلے تھا نہ ممی کو کوئی پسند آتا ہے نہ پاپا کو۔ تم دیکھ لینا ان دونوں نے ضد میں میرے لیے کوئی نیلا پیلا پسند کر لینا ہے۔" وہ ڈھیلے انداز میں بولی پھر اچانک زور سے بولی۔

"میں نے تم سے کہا تھا' اپنے کزن سے میری شادی کی بات چلاؤ۔"

"میرا دماغ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا کہ اس سے شادی کی بات کرتی پھروں۔"

"تمہیں کون شادی کرنے کو کہہ رہا ہے۔ میں اپنی شادی کی بات کر رہی ہوں۔"

"میں بھی تمہاری بات کر رہی ہوں۔ پاکستان میں کیا سارے لڑکے ختم ہو گئے ہیں جو تم اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"اچھا موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔"

"تمہیں اتنا ہی اس پر پیار آ رہا ہے تو خود ہی بات کر لو ویسے بھی انگریز جتنے دل پھینک ہوتے ہیں۔ کبھی انکار نہیں کرے گا۔"

"تم تو اچھا خاصا اس سے خار کھائے بیٹھی ہو۔ اچھے خاصے شریف انسان کو لوفر آوارہ بنا دیا۔"

"شریف تمہارے لیے ہو گا اور تم جانتی ہو فرسٹ امپریشن لاسٹ امپریشن ہوتا ہے۔ مجھے وہ اچھا نہیں لگا۔ اور اب کچھ بھی ہو جائے۔ مجھے وہ کبھی اچھا نہیں لگ سکتا۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"بے چارہ" حنا نے افسوس سے کہا۔

ایک اور اچھا بندہ ملائکہ کے ناپسندیدہ بندوں کی لسٹ میں شامل ہو گیا تھا۔

"اوہ نو!" وہ جو ابراہیم کے بارے میں سوچ رہی تھی ملائکہ کی آواز پر چونکی۔ سامنے نظر پڑتے ہی اسے وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔ جہاں سے کامران آ رہا تھا۔

"میرا اپنا موڈ مزید خراب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں میں جا رہی ہوں تم نے چلنا ہے تو چلو۔" وہ ملائکہ کے ساتھ جانے کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اپنے پیچھے کامران کی آواز سن کر رک گئی۔

"حنا پلیز' آپ میری بات سنیں۔" "مجبوراً" اور "مروتاً" اسے کامران کی درد بھری صدا پر رکنا پڑا۔ "میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔ حنا مجھے بس آپ کی ایک فیور چاہیے تھی۔" اپنی بات کہہ کر وہ حنا کا چہرہ دیکھنے لگا جو خاموشی سے اس کے اگلے جملے کی منتظر تھی۔ اسے مسلسل خاموش دیکھ کر کامران کو خود بولنا پڑا۔

"آپ جانتی ہیں۔ ملائکہ کے لیے میں واقعی بہت سیریس ہوں۔ لیکن وہ مجھے بالکل بھی سیریس نہیں لے رہیں۔" اب کی بار حنا کو اپنی خاموشی توڑنی پڑی۔

"تو میں کیا کر سکتی ہوں' یہ تو اس کے دل کا معاملہ ہے۔"

"پلیز حنا! آپ میری مدد کر سکتی ہیں۔" اس کے ملتجی انداز پر حنا سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"دیکھیے کامران! ملائکہ سے بات کر کے آپ نے دیکھ لی۔ اس کا فائدہ بھی نہیں۔ اگر واقعی آپ ملائکہ کے لیے سیریس ہیں تو اپنے پیرنٹس کو ملائکہ کے پیرنٹس کے پاس بھیجیں۔" حنا کے مشورے پر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔" وہ ایک دم پرجوش انداز میں بولا لیکن اچانک اس کا پرجوش انداز ڈھیلا پڑ گیا۔

"اور اگر ملائکہ نے پھر انکار کر دیا؟"

"ہو سکتا ہے وہ انکار کر دے لیکن اگر انکل مان گئے تو وہ انکار نہیں کر سکے گی۔"

حنا کے کہنے پر اس نے سر ہلایا تھا "تھینک یو حنا! تھینک یو ویری مچ آپ کا یہ احسان میں ہمیشہ یاد رکھوں

گا۔"

اس کے شکریہ پر وہ مسکرا دی۔ اس کے مڑتے ہی وہ بھی مڑی تو پیچھے فراز کو کھڑے دیکھ کر ڈر گئی۔

"بدتمیز' ڈرا ہی دیا۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟" فراز کے ماتھے پر بل جبکہ نظریں جاتے کامران کی پشت پر جمی تھیں۔

"ملائکہ کا ہاتھ مانگنے آیا تھا۔"

"کیا؟" وہ حنا پر نظریں ٹکاتے ہوئے چیخا تھا۔

"کان پھاڑو گے کیا؟" حنا نے کانوں کو سہلاتے ہوئے اسے گھورا۔

"اس کی طبیعت ابھی صاف نہیں ہوئی۔"

"اچھا خاصا لڑکا ہے۔ پتا نہیں تم دونوں کو کیا مسئلہ ہے اس سے؟"

"تمہیں بڑی ہمدردی ہے اس سے؟" فراز نے رک کر اسے دیکھا۔

"تم نے کیا کہا اسے؟" اس کے گھورتے ہوئے انداز پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"بھائی میرے کیا کہنا تھا میں نے' وہ ملائکہ سے شادی کرنا چاہتا ہے میں نے کہا۔ اس کے لیے تم انکل آنٹی سے بات کرو۔"

"تم!" فراز نے دانت پیس کر کہا۔ "تم جیسے دوستوں کے لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں۔" اس کی مثال پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیوں میں نے کس کا آشیانہ جلایا ہے؟"

"میرا گھر آباد ہونے سے پہلے تم نے اجاڑنے کی تیاری کر دی۔"

"کیا پہیلیاں بجھا رہے ہو؟ سیدھی سیدھی بات کرو۔"

"تم جانتی ہو' ملائکہ کو میں پسند کرتا ہوں اگر ملائکہ کی شادی میرے علاوہ کسی اور سے ہو گئی تو تم سوچ نہیں سکتیں۔ یہ خیال ہی مجھے کتنی تکلیف دیتا ہے۔"

حنا کتنی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر بولی۔ "مذاق کی ایک حد ہوتی ہے فراز!"

"میں جو کہہ رہا ہوں' وہ تمہیں مذاق لگ رہا ہے؟" اب کے وہ غصے سے بولا تو حنا کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"چلو مان لیا۔ تم سیریس ہو لیکن وہ جو اتنی ڈھیر ساری تمہاری گرل فرینڈز ہیں۔ ان کا کیا؟"

"وہ صرف فرینڈز ہیں لیکن ملائکہ سب سے الگ ہے اگر ملائکہ کو یہ سب پسند نہیں تو میں چھوڑ دوں گا۔"

حنا نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ "مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"تم ملائکہ کو میرے لیے کنوینس کرو۔"

"مجھے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کا کوئی شوق نہیں جسے دیکھو میری گردن پتلی نظر آتی ہے۔" وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

"حنا پلیز' تم میری پیاری سی اچھی سی دوست نہیں۔" پھر اس کی مسکینوں والی شکل دیکھ کر اسے حوصلہ دینا پڑا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بات کروں گی لیکن فائنل تمہیں خود کرنا ہو گا۔"

"وہ میں کر لوں گا۔ تم پہلے بات تو کرو۔"

"اچھا بابا کر لوں گی۔" وہ ہنس کر بولی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ فیروز صاحب کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

"سو ہی رہا تھا پھر آنکھ کھل گئی" "میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا۔" ان کا اشارہ لیپ ٹاپ کی طرف تھا۔ جس پر ان کے آنے سے پہلے وہ مصروف تھا۔

"بالکل نہیں۔ بس کچھ میلز تھیں جنہیں چیک کرنا تھا۔ دراصل کافی دنوں سے میں میلز چیک نہیں کر سکا۔ پھر رچرڈ اور کیتھی بھی آن لائن تھے تو ان سے چیٹ کرنے لگا۔"

"ہوں!" اس کی بات پر وہ مسکرائے "تمہارا دل لگ گیا یہاں پر؟" اب کی بار وہ مسکرایا تھا۔

"میری چھوڑیں۔ آپ بتائیں۔ آپ خوش ہیں؟"

"ہاں بہت۔ اپنی مٹی اپنی دھرتی اپنے لوگوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ یہاں انگلینڈ کی طرح سہولتیں نہیں۔ یہاں صفائی نہیں۔ کرپشن ہے گندگی ہے۔ بجلی نہیں لوگوں کو صاف پانی نہیں ملتا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے اپنے ملک سے بہت پیار ہے کیونکہ یہاں میرے اپنے ہیں۔ میرا بھائی میری بھابھی میرے بھتیجا بھتیجی یہاں ابھی لوگوں میں خلوص باقی ہے۔" وہ بہت غور سے انہیں بولتے ہوئے سن رہا تھا۔ جوش سے بولتے بولتے اچانک وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

"مجھے بھی دیکھو' اپنی ہی کہنے لگا۔ پوچھنے تم سے آیا تھا کہ تم خوش ہو اور اپنی لے بیٹھا۔"

"آپ خوش بابا تو میں بھی خوش۔"

"یہ کیا بات ہوئی ابراہیم؟" انہوں نے کچھ ناراضی سے اسے دیکھا۔ "میرے لیے تمہاری خوشی زیادہ اہم ہے۔"

"میں خوش ہوں بابا۔ ٹھیک ہے یہاں واقعی لندن والی سہولتیں نہیں لیکن یہاں ہمارے اپنے ہیں۔ پہلی دفعہ مجھے واقعی عجیب لگا تھا۔ لیکن اب ایک ماہ گزرنے کے بعد میں ایڈجسٹ ہو گیا ہوں۔" اس کے انداز پر وہ مسکرا دیے۔

"اچھا وہ جو گھر کے لیے فرنیچر کا آرڈر دینا تھا۔"

"جی وہ میں کل علی کے ساتھ جا کر دے آیا تھا۔"

"اور وہ قرآن خوانی کا کہا تھا۔"

"وہ بھی آنٹی نوشابہ کو کہہ دیا تھا۔"

"اچھا اب تم بھی آرام کرو۔ صبح بہت سے کام کرنے ہیں۔" وہ کھڑے ہو گئے انہوں نے ایک نظر لیپ ٹاپ کو دیکھ کر اسے دیکھا تو وہ سر ہلا کر جلدی جلدی میسج کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا گیسٹ چلے گئے؟" علی کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" وہ سر نفی میں ہلاتا ہوا اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ کون؟"

"تمہارے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" علی کے جواب پر کوکیز کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا اور حیران نظریں علی پر جم گئیں۔

"تو اس میں حیرت والی کیا بات ہے جہاں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہیں اور جانتی ہو' کون ہے تمہاری یونیورسٹی کا کامران اصغر۔"

"اس کی اتنی جرات۔" ملائکہ دانت پیس کر بولی۔

"واقعی تم سے شادی کرنا بلکہ سوچنا جرات کی بات ہے اور اس کی جرات کی میں داد دیتا ہوں۔"

"شٹ اپ علی!" ملائکہ کے غصہ کرنے پر وہ ہنسنے لگا تھا۔ تب ہی نوشابہ اور جعفر صاحب اندر داخل ہوئے تھے۔

"ڈیڈی آ گیسٹ چلے گئے؟" علی نے معنی خیز انداز میں ملائکہ کو دیکھ کر جعفر صاحب سے سوال کیا' جواب میں وہ ہنکارا بھر کر علی کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ ملائکہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا جو کافی سنجیدہ لگ رہے تھے۔ اس نے ان سے نظریں ہٹا کر نوشابہ کو دیکھا جن کی کھوجتی نظریں اس پر تھیں' اسے اچانک کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"ملائکہ!" انہوں نے بھی اتنی سنجیدگی سے اس کا نام نہیں لیا تھا "تم کسی کامران کو جانتی ہو؟"

"جی ڈیڈی' وہ میرا کلاس فیلو ہے۔"

"اس کے پیرنٹس آئے تھے تمہارے لیے اس کا پرپوزل لے کر۔" بات کرتے ہوئے وہ بغور اس کے چہرے کا بھی جائزہ لے رہے تھے۔

"کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں تمہارا جواب جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ کو لگتا ہے' میرا جواب آپ کے جواب سے مختلف ہو گا۔" اس کے جواب پر جعفر صاحب کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے تھے۔

"اس کے پیرنٹس کہہ رہے تھے تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ تمہاری رضامندی سے وہ یہ رشتہ لے کر آئے ہیں۔" ملائکہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا تو ان کے بگڑے موڈ کی وجہ یہ تھی تب ہی باہر بیل ہوئی تھی تو ماحول میں ایک پل کے لیے خاموشی چھاگئی۔ علی کے باہر نکلتے ہی وہ جعفر صاحب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ڈیڈی! ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے تو کامران پسند ہی نہیں۔ اپنے پیرنٹس کو بھیجنے میں سراسر اس کا اپنا ہاتھ ہے۔ مجھے تو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں یونیورسٹی میں بھی سلیپنگ پلز کھا کر ایک ڈرامہ کرچکا ہے۔ ایسا شخص جسے اپنے والدین کا خیال نہ ہو وہ مجھے کیا دے گا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں جانتا تھا۔ میری بیٹی ایسا فیصلہ کر ہی نہیں سکتی۔" وہ بے اختیار خوش ہو کر اس کے پاس آئے تھے۔ لیکن اگلے ہی پل وہ جہاں تھے وہیں تھم گئے وہ رو رہی تھی۔

"مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے ڈیڈی! آپ نے مجھ پر شک کیا۔"

"ڈیڈی کی جان" انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں کبھی تم پر شک نہیں کر سکتا لیکن جس طرح انہوں نے بات کی میں بس۔۔۔" آگے ان سے بات نہیں ہو سکی۔

"اچھا۔ اب ڈیڈی کو معاف کردو۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولے لیکن اس نے جھکا سر نہیں اٹھایا تو انہوں نے اسے گدگدانا شروع کردیا تو وہ ضبط کرتے کرتے بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس کی نظر سامنے پڑی۔ جہاں علی کے ساتھ فیروز صاحب اور ابراہیم کھڑے تھے۔ اس کی ہنسی مدھم ہوتے ہوتے سمٹ گئی تھی، جعفر صاحب نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

"ارے فیروز! ابراہیم! آؤ رک کیوں گئے آؤ۔"

"یہ باپ بیٹی میں کیا چل رہا تھا؟" فیروز صاحب نے گلے ملتے ہوئے پوچھا تو وہ سر جھٹک کر مسکرا دیے اور انہیں کامران کے پرپوزل کے بارے میں بتانے لگے جبکہ وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ باتیں کرتے کرتے اچانک رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے یوں رکنے پر وہ بھی چونک کر اسے دیکھنے لگے "کیا بات ہے بابا! میں نوٹ کر رہا ہوں جب سے آپ جعفر انکل کے گھر سے آئے ہیں پریشان ہیں۔" انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔ "میں پریشان نہیں بس کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"مجھے بھی بتائیں۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"میں سوچ رہا تھا۔ جعفر بھائی کے گھر میں کتنی رونق ہے۔ ہمارے گھر میں سب کچھ ہے لیکن وہ رونق نہیں۔ میں سوچ رہا تھا ان کے گھر کی رونق اپنے گھر لے آؤں" وہ کہہ کر ابراہیم کا منہ دیکھنے لگے۔

"میں سمجھا نہیں بابا۔" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"میرا دل کرتا ہے ملائکہ ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آجائے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ملائکہ کی شادی تم سے ہو جائے۔" بیٹے پر جو اس کے لیے اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ بولنے کے بجائے انہیں دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہا؟" اس کی مسلسل خاموشی اور چہرے پر چھائی حیرت نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کردیا تھا تو وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

"بابا! ملائکہ کو یہاں لانے کے لیے یہ رشتہ قائم کرنے کی ضرورت تو نہیں۔ وہ آپ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ یہ رشتہ کافی ہے۔"

"کیا تم کسی اور کو پسند کرتے ہو؟" ان کے سنجیدہ انداز پر وہ مسکرادیا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

"ملائکہ تمہیں پسند نہیں؟"

"ایسا کچھ بھی نہیں بابا! صرف اتنی سی بات ہے میں نے ابھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا۔"

"تو سوچ لو۔ منع کس نے کیا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے بابا! پہلے تو کبھی آپ نے ایسی خواہش نہیں کی اور وہ بھی ملائکہ کے لیے۔"

"ہوں پہلے نہیں کہا اور اب کیوں کہہ رہا ہوں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں، پہلی تو یہ کہ ملائکہ کے پرپوزل آرہے ہیں۔ آج تم نے خود دیکھا۔ ملائکہ کی کسی اور سے شادی کی صورت میں ہمارا اس پر کوئی حق نہیں رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ملائکہ صرف شکل کی ہی خوب صورت نہیں بلکہ عادات اور سوچ کی بھی اچھی ہے تم نے سنا۔ آج وہ کیا کہہ رہی تھی۔ تیسری اور اہم وجہ ملائکہ سے رشتہ کرنے کی صورت میں جعفر بھائی کے ساتھ میرا رشتہ اور مضبوط ہو جائے گا اور چوتھی وجہ میں چاہتا ہوں میری نسل نیک عورت کے ہاتھوں پروان چڑھے۔"

وہ جو غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا بات ختم ہونے پر بھی کتنی دیر تک ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں ابراہیم؟" اس کی مسلسل خاموشی نے انہیں تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں صاف نظر آرہی تھیں۔

"ملائکہ کو اپنی بہو بنانا میری بہت بڑی خواہش ہے۔" کہہ کر انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے اب فیصلہ ان کی منشا کے مطابق ہو گا۔ اور وہی ہوا کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

"بابا! اگر یہ آپ کی خواہش ہے تو میں اس کا احترام کروں گا لیکن۔"

"لیکن کیا؟" وہ بے صبری سے بولے۔

"مجھے لگتا ہے۔ ملائکہ مجھے پسند نہیں کرتی۔" اس کی بات پر وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ تمہیں کیوں لگا؟" تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"میرا نہیں خیال ایسی کوئی بات ہے اگر ہے بھی تو سامنے آجائے گی۔ مجھے بس تمہاری رضامندی لینی تھی۔" "جعفر بھائی کی طرف سے میں مطمئن ہوں۔"

ان کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا تو وہ شرارت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"دیٹس ناٹ فیئر بابا! اپنے بھائی کی طرف سے آپ مطمئن ہیں۔ میری طرف سے کیا بے اعتباری تھی۔"

اس کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"بے اعتباری تو نہیں بس وہم سا تھا۔"

"وہم۔" اس نے حیران ہو کر دہرایا۔

"ادھر آؤ۔" ان کے اشارے پر وہ متجسس ہو کر ان کے قریب آیا تو وہ آہستہ سے اس کے کان میں بولے۔

"مجھے وہم تھا کہیں تم کیتھی میں تو انٹرسٹڈ نہیں" پہلے تو اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا۔

"سپوز بابا اگر میں سچ مچ کیتھی کو پسند کرتا اور اسی سے شادی کرنا چاہتا تو کیا آپ مان جاتے؟" وہ شرارتی انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہارا سر پھاڑ دیتا۔" وہ غصے سے بولے۔ ان کے جھنجلائے ہوئے انداز پر اسے ہنسی آرہی تھی۔ اب اس کی شرارت کو فیروز صاحب بھی سمجھ گئے تھے۔

"ہاں ایک شرط پر مان جاتا اگر وہ تمہاری خاطر اسلام قبول کرلیتی۔" ان کے کہنے پر اس کی ہنسی غائب ہوگئی تھی اور اب کی بار فیروز صاحب کھل کر مسکرائے تھے۔

"ہر کوئی تمہاری ماں کی طرح نہیں ہوتا۔" ان کے کہنے پر وہ خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا اور اب ان دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی بول رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جعفر صاحب کی فیملی کے استقبال کے لیے وہ دونوں باہر آئے تھے۔ ان تینوں کو دیکھ کر فیروز صاحب نے بے ساختہ متلاشی نظروں سے ان کے پیچھے دیکھا تھا۔

"ملائکہ نہیں آئی؟" سلام دعا کے بعد انہوں نے جعفر صاحب سے پوچھا تھا۔

"آرہی تھی لیکن نکلتے وقت اس کی دوست کا فون آگیا تو وہ ادھر چلی گئی۔"

"علی بیٹا! ملائکہ کا موبائل اس کے پاس ہے۔"

"جی!"

"ذرا ملاؤ تو۔" علی نے نمبر پریس کر کے موبائل ان کی طرف بڑھایا۔ تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے بیٹا! میں نے خاص طور پر آپ کو انوائیٹ کیا تھا۔ آج جب میں نے اللہ کے بابرکت نام کے ساتھ اپنے گھر میں رہنے کا آغاز کرنے لگا ہوں تو میری بیٹی کا یہاں ہونا لازمی تھا۔"

ان کی بات کے جواب میں اس نے پتا نہیں کیا کہا تھا کہ وہ ہنس پڑے تھے۔ "چلو ٹھیک ہے‘ میں علی کو بھیج رہا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں انتظار کر رہا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر فون علی کی طرف بڑھایا۔

"کیا کہہ رہی ہیں بجو؟"

"کہہ رہی ہے‘ اس کے پاس کار ہے وہ آ رہی ہے۔" ان کے کہنے پر وہ مسکرا کر ان کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"زہے نصیب! یہ سفیدی کی جھنکار کہاں سے آ رہی ہے؟" حنا نے ابرو اچکاتے ہوئے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا تھا۔

"گھر سے آ رہی ہوں اور کہاں سے آؤں گی۔ تم یہ بتاؤ اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلوایا ہے؟" وہ ہینڈ بیگ صوفے پر رکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"ایسے ہی تم سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔" حنا کے ہنسنے پر اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

"اچھا بابا! غصہ نہ ہو‘ بتاتی ہوں۔" اس کے سنجیدہ انداز پر حنا کو اصل بات کی طرف آنا پڑا۔

"تم نے کامران کے پرپوزل کو ریجیکٹ کر دیا۔" ملائکہ نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔

"تم نے یہ پوچھنے کے لیے مجھے بلایا تھا؟" حنا نے سر نفی میں ہلایا۔ "نہیں بات کچھ اور ہے۔ پہلے تم جواب دو۔"

"پہلی بات یہ کہ ریجیکٹ ڈیڈی نے کیا ہے اور اگر ڈیڈی نہ کرتے تو میں کر دیتی۔ وجہ تم جانتی ہو۔"

"چچ۔" حنا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہاری فیوچر پلاننگ میں شادی نام کی بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے آسمان سے کوئی الگ ہی چیز تمہارے لیے اترے گی۔" حنا کے جلے ہوئے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اب ایسی بھی کوئی خاص ڈیمانڈ نہیں میری۔ بس وہ جو بھی جیسا بھی مجھے اچھا لگنا چاہیے‘ بلکہ یوں کہنا چاہیے مجھے اس سے محبت ہونا چاہیے۔"

"چاہے اسے تم سے محبت نہ ہو۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے تو محبت ہو گی۔"

"ہوں!" حنا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو مسکراتے ہوئے شاید اپنی ہی بات کو انجوائے کر رہی تھی۔

"فراز کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" اب کے ملائکہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"فراز کا یہاں کیا ذکر؟"

"کیونکہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"واٹ؟" پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی تو حنا اتنی سنجیدہ بات پر غیر سنجیدہ ردِ عمل دیکھ کر ناگواری سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہیں کوئی لطیفہ سنایا ہے۔"

"بالکل‘" وہ بمشکل اپنی ہنسی قابو پاتے ہوئے بولی۔ "یہ لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے فراز اور شادی اور وہ بھی مجھ سے۔"

"میں سیریس ہوں ملائکہ۔" اسے سیریس دیکھ کر ملائکہ کو بھی اپنی ہنسی کنٹرول کرنی پڑی۔

"تم فراز کی عادت جانتی ہو حنا! اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔ وہ پہلے بھی مجھے ایسا کہہ چکا ہے اور میرا جواب بھی وہ بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔ فراز کو مذاق کی عادت ہے لیکن اس بار وہ سنجیدہ ہے۔ تم جانتی ہو اگر مجھے اس کی باتوں میں سچائی محسوس نہ ہوتی تو میں کبھی رسما‘ بھی تم سے بات نہ کرتی۔" حنا بات کرتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کیا فراز نے تم سے ایسا کہا ہے؟"

"ہاں۔ وہ تم سے یہ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کا خیال تھا تم اسے سیریس نہیں لو گی۔"

اب کی بار ملائکہ کچھ نہیں بولی بلکہ پرسوچ انداز میں اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ حنا اٹھ کر اس کے قریب آگئی اور اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما تو ملائکہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں یہ نہیں کہتی تم فراز کے ساتھ شادی کے لیے فوراً "ہاں" کہہ دو لیکن میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ تم اس کے بارے میں سوچو ضرور کیونکہ مجھے لگتا ہے۔ تم دونوں ایک ساتھ خوش رہ سکتے ہو۔" وہ کتنی دیر تک حنا کو دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لے کر نظریں ہٹا لیں۔

"میں نے کبھی فراز کے بارے میں ایسا نہیں سوچا۔"

"میں جانتی ہوں اس لیے تو کہہ رہی ہوں‘ سوچو اور اسے دوسرے لوگوں کی طرح بلاوجہ ریجیکٹ نہ کرنا کیونکہ دنیا میں چاہنے والے بہت کم ملتے ہیں۔ تم خوش قسمت میں آتی ہوں۔" اسے سوچنے کا وقت دے کر وہ اٹھ گئی تھی۔ جبکہ وہ اب تک حیران تھی۔ فراز نے کئی بار اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن پہلی ملاقات میں اس کا جو امیج بنا تھا‘ اس کی وجہ سے اس نے کبھی اسے سیریس نہیں لیا۔ اس نے اضطرابی انداز میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں چلانا شروع کر دیں۔ آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا اور اپنے پیچھے دروازے سے اندر داخل ہوتے فراز کو دیکھ کر وہ کچھ سیکنڈ کے لیے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ وہ بھی بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جیسے کچھ جانچ رہا ہو۔ تب ہی حنا ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"تم کیا اسٹیچو بنے دروازے میں کھڑے ہو‘ اندر آؤ۔" حنا کی آواز پر فراز مسکرا دیا تھا۔ جبکہ ملائکہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں نے فراز کو بلایا ہے۔" حنا کہہ کر سامنے بیٹھ گئی تو ملائکہ نے سامنے کھڑے فراز کو دیکھا۔

"جو حنا نے مجھ سے کہا‘ وہ تم نے اسے کہنے کو کہا تھا۔" اس نے صرف سر ہلایا تھا۔

"ویسے تو تم بڑی باتیں کرتے ہو‘ خود نہیں کہہ سکتے تھے۔"

"میں ڈر رہا تھا کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ اور میں تو ابھی بھی ڈر رہا تھا کہ ــــ اندر داخل ہوتے ہی کہیں سے کوئی گملا کوئی جوتا میرا استقبال نہ کر رہا ہو۔" اس کی بات پر وہ مسکرا دی تھی اور اس کی مسکراہٹ نے جیسے اسے حوصلہ دیا تھا۔

"کیوں اب ڈر نہیں لگ رہا؟ یہ سب کچھ ابھی بھی ہو سکتا ہے۔" اس کی بات پر وہ ایک دم آگے بڑھا اور دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی اس حرکت پر وہ حیران ہوئی پھر گھبرا کر پہلے حنا کو اور پھر اسے دیکھا۔

"زمین سے اٹھو فراز! یہ کیا حرکت ہے۔" اب کے وہ ناگواری سے بولی۔

"پہلے میری بات سنو میں تمہیں اب سے پسند نہیں کرتا بلکہ تب سے کرتا ہوں جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ مجھے تمہاری شکل ہی نہیں تمہاری ہر بات اچھی لگتی ہے۔ میں نے کئی بار اپنے دل کی بات تمہیں بتانا چاہی لیکن تم نے اسے مذاق سمجھا۔ میں نے بھی تمہاری ناراضی کی وجہ سے کھل کر اظہار نہیں کیا لیکن اس دن جب مجھے پتا چلا کہ کامران تمہارے لیے پرپوزل بھیج رہا ہے تو مجھے ایک دم یہ احساس ہوا کہ میں تمہیں کھو دوں گا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا ملائکہ۔"

اس کا لہجہ اور آنکھیں دونوں اس کے لفظوں کی ترجمانی کر رہی تھیں‘ حنا اور فراز دونوں منتظر نظروں سے اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی سنجیدہ صورت دونوں کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ اچانک وہ کھل کر مسکرا دی اور فراز کی جیسے اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی "یاہو" وہ ایک دم خوشی سے نعرہ لگاتا ہوا اٹھا تھا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے

"ابھی ہاں نہیں کی۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو فراز کے جھگڑے کو اسٹاپ لگ گیا تھا۔

"ملائکہ، بس یار! اب ہاں کردو۔" اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر حنا کو ترس آگیا تھا۔

رضامند تو وہ ہو ہی گئی تھی۔ فراز کو وہ پچھلے تین سالوں سے جانتی تھی اتنا تو سمجھتی تھی کہ فراز برا انسان نہیں تھا لیکن تنگ کرنے کا اپنا مزہ ہے۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی اس کے ہینڈ بیگ میں رکھا موبائل بجنے لگا تھا۔

"علی کا فون ہے۔" اس نے اسکرین دیکھ کر کہا تھا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے آتی آواز سن کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"آئم سوری چاچو! میں آتی ہوں۔" وہ شرمندہ شرمندہ بولی تھی۔

"نہیں علی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں، میرے پاس کار ہے میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" فون بند کرکے وہ کھڑی ہوگئی۔ ان دونوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"چاچو کا فون تھا۔ ان کے گھر قرآن خوانی ہے۔ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ لیکن تمہارے چکر میں، میں گئی ہی نہیں سو اب مجھے جانا ہے۔" وہ ہینڈ بیگ کندھے سے لٹکا کر باہر کی طرف مڑی اور وہ دونوں اس کے پیچھے بھاگے تھے۔

"ملائکہ! مجھے زندگی کی نوید تو دیتی جاؤ۔" فراز کی آواز پر وہ ایک دم رکی اور پھر پلٹی تھی وہ صرف مسکرائی تھی اور فراز کو اس کا جواب مل گیا تھا حنا نے مسکرا کر فراز کا کندھا تھپتھپا کر اسے شاباش دی تھی۔

"ملائکہ اپنے کزن کو میرا خاص سلام دینا۔" حنا کی بات پر وہ مسکرا کر سر ہلاتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

خوب صورت براؤن گیٹ کے سامنے گاڑی لاک کرکے اس نے سر اٹھا کر پرشکوہ عمارت کو دیکھا اور پھر نیم پلیٹ کو جہاں "ابراہیم پیلس" لکھا تھا۔ بیل دینے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ گیٹ کھلا تھا۔ وہ گیٹ کو تھوڑا سا دھکیل کر اندر آگئی۔ سامنے دور دور پھیلے سبزہ اور چار دیواری میں لہلہاتے گلاب کے پھولوں کی کیاریاں عجیب بہار دکھا رہی تھیں۔

دو اسٹیپس کے بعد چھوٹا سا کوریڈور تھا جس کے دونوں اطراف پوائنٹس تھے اور منقش لکڑی کا خوب صورت دروازہ تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اے سی کی ٹھنڈی ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اندر کی آرائش باہر سے بھی زیادہ خوب صورت تھی۔ اس کی سب سے پہلی نظر فیروز صاحب پر پڑی تھی جو شاید اس کے استقبال کے لیے ہی آرہے تھے۔

"السلام علیکم چاچو!"

"جیتی رہو بیٹا! لیکن میں تم سے ناراض ہوں۔"

"سوری چاچو۔" اس نے ایک دم معصوم سا چہرہ بنا کر اپنے دونوں کان چھوئے۔ اس کی یہ ادا اتنی پیاری تھی کہ ساری ناراضی جو تھی بھی مصنوعی وہ ختم ہوگئی۔ انہوں نے بے ساختہ اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں اپنی بیٹی سے کبھی بھی ناراض نہیں ہو سکتا۔"

"تھینکس گاڈ!" وہ مسکرا کر بولی۔

"سب سے پہلے تو نیا گھر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ دوسرا آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔"

"تمہیں پسند آیا؟" انہوں نے اشتیاق سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"بہت اتنا پسند آیا ہے کہ دل چاہتا ہے یہیں رہ جاؤں۔" اس کی بات پر انہوں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو ان کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ بلکہ لاؤنج کی سیٹنگ کا جائزہ لے رہی تھی۔

"باقی سب کہاں ہیں چاچو؟" اس کے پوچھنے پر وہ اسے بازو کے حلقے میں لے کر اندر لے آئے۔

"ڈرائنگ روم میں قرآن خوانی ہو رہی ہے حافظ قرآن بلائے ہیں۔ پڑوس سے لیڈیز بھی آئی ہیں۔ وہ تو جا چکی ہیں علی، جعفر بھائی، نوشابہ بھابھی ابراہیم اندر ہیں لیکن تم آؤ پہلے ہم گھر دیکھتے ہیں۔"

وہ اسے لے کر گھر دکھانے لگے اور وہ گھر اور اس کی آرائش دیکھ کر حقیقتاً متاثر ہوئی تھی۔

"چاچو! سب بہت خوب صورت ہے۔" وہ صوفے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی تو مسکرا دیے۔

"تمہیں پسند آرہا ہے نا!"

"بہت۔" وہ اب سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

ملائکہ نے بغور دیوار پر لگی مختلف تصویروں کو دیکھا، ہر سیڑھی کے ساتھ دیوار پر ایک تصویر تھی۔ سارے گھر کی چیزوں اور سجاوٹ سے پسند کرنے والے کی خوش ذوقی کا اندازہ ہو رہا تھا اور اس نے اپنی سوچ کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"یہ سب ابراہیم کی چوائس اور آئیڈیا ہے حالانکہ میں اس گھر کی ہر چیز تمہاری پسند سے لینا چاہتا تھا لیکن میں نے جب بھی تمہیں بلوایا، تم آئی ہی نہیں۔" وہ ایک بار پھر نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئے تھے۔

"میں نے سوچا ضروری تو نہیں جیسے میں ملائکہ کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں، وہ بھی مجھے ویسے پیار کرے۔" اب کے وہ تیزی سے ان کی طرف مڑی۔

"ایسا کیوں کہا آپ نے چاچو! میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں۔" وہ یہ سچ تھا۔ اس کو ماں باپ کی طرف سے صرف یہی تو ایک رشتہ ملا تھا اور خون تو پھر خون کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کی اتنی سنجیدہ شکل دیکھ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"تو پھر کیا تم مجھ سے ناراض تھیں؟ ابراہیم سے تو کوئی ناراض ہو نہیں سکتا۔"

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ ابراہیم سے کوئی ناراض نہیں ہو سکتا۔" اس کے سوال پر وہ یکدم چونکے۔

اس سے پہلے وہ اس سے مزید کچھ پوچھتے۔ دائیں طرف بنے کمپیوٹر روم کا دروازہ کھلا تھا۔ ان دونوں نے ایک ساتھ اس طرف دیکھا تھا جہاں سے ابراہیم نکل رہا تھا۔ ان دونوں کو وہاں دیکھ کر پہلے وہ حیران ہوا تھا پھر فیروز صاحب سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں ملائکہ تک گئیں اور کچھ دیر کے لیے اس کے چہرے پر ٹھہری گئیں اور پھر وہ سنبھل کر مسکرایا تھا۔

"ہیلو!" اس کے ہیلو کے جواب میں اس نے بھی ہیلو کہا تھا لیکن بہت دھیمی آواز میں۔ ابراہیم کو صرف اس کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ ہوا تھا۔

"آپ بہت لیٹ آئی ہیں، بابا کب سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" وہ مسکراتا ہوا دو قدم آگے آیا تو ملائکہ کو محسوس ہوا اس کا قد کافی لمبا ہے۔

"ملائکہ تمہاری وجہ سے نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ تم سے ناراض تھی۔" فیروز صاحب کے کہنے پر جہاں ابراہیم حیران ہوا تھا وہیں ملائکہ کنفیوز ہوگئی۔ اسے فیروز صاحب سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اس کے سامنے ابراہیم کے منہ پر یہ سب کہہ دیں گے۔

"مجھ سے؟" اس نے اپنے سینے پر انگلی دکھا کر فیروز صاحب کو دیکھا۔

"لیکن کیوں؟" اب وہ ملائکہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو تم ملائکہ سے پوچھو اور اسے باقی کا گھر بھی دکھا دو۔ میں ذرا نیچے مہمانوں کو دیکھ کر آتا ہوں۔"

وہ ان دونوں کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر نیچے اتر گئے جبکہ وہ دونوں خاموشی سے کھڑے رہے اور اس خاموشی کو ابراہیم نے توڑا تھا۔

"آپ کیوں ناراض ہیں مجھ سے؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔ کچھ تو بات ہے۔ میں نے بھی محسوس کیا تھا آپ مجھے اگنور کرتی ہیں میں سمجھا شاید ہم پہلی بار ملے ہیں اس لیے لیکن آپ تو ناراض ہیں؟"

ملائکہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا "کتنا بھولا بن رہا ہے۔" وہ دل ہی دل میں تلملائی تھی۔

"آپ کو نہیں پتا میں کیوں ناراض ہوں۔"

"مجھے کیسے پتا ہوگا؟ ناراض تو آپ ہیں۔"

"جب آپ اردو سمجھ سکتے ہیں اور بول بھی سکتے ہیں تو آپ نے اس دن بتایا کیوں نہیں۔" اس کی ناراضی کی وجہ سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"آپ اتنی سی بات کے لیے ناراض ہیں؟"

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ کسی کو دھوکا دے کر اس کی پرسنل باتیں سننا میری ایتھکس میں نہیں آتا۔"
ابراہیم نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ جو ناراضی سے منہ پھلائے دیوار پر لگے کلاک کو دیکھ رہی تھی۔ برا لگنے کے باوجود وہ مسکرا دیا تھا۔
"پہلی بات تو یہ کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا کیا آپ نے مجھ سے اردو میں سوال کیا تھا؟ کیا آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے اردو آتی ہے؟"
اس کا سوال ہی ایسا تھا کہ وہ جواب نہیں دے سکی۔
"اور میں نے جان بوجھ کر آپ کی باتیں نہیں سنیں اور میں جانتا ہوں کہ آپ کی فرینڈ مذاق کر رہی تھی۔ میرا مقصد آپ کی فیلنگز ہرٹ کرنے کا نہیں تھا۔ لیکن اگر پھر بھی آپ ہرٹ ہوگئی ہیں تو سوری۔ میں آئندہ کبھی آپ سے انگلش میں بات نہیں کروں گا۔"
آخری بات کہتے ہوئے اس کی آواز مسکرانے لگی تھی۔ لاکھ ناراضی ہونے کے باوجود ملائکہ کو دل میں ماننا پڑا کہ یہ بندہ کافی مہذب ہے۔ اسے شرمندہ دیکھ کر ابراہیم نے خود ہی بات بدل دی۔
"چلیں آپ کو گھر دکھاؤں۔"
وہ چلتے ہوئے ٹیرس پر نکل آئے۔ باہر شام کی ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا تھا۔ تیز ہوا نے اس کے کھلے بالوں کے ساتھ اٹکھیلیاں شروع کر دی تھیں۔ اس نے چہرے پر آئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے ابراہیم کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر اس نے سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔
"آپ کا لان بھی بہت خوب صورت ہے۔" اس نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔
"میرے ساتھ بابا کو بھی گارڈننگ کا بہت شوق ہے یہ سب اسی وجہ سے ہے۔"
"آپ دونوں ادھر ہیں میں کب سے آپ لوگوں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" اچانک علی بولتا ہوا ان کے قریب آیا تھا۔
"کھانا تیار ہے۔ چاچو بلا رہے ہیں۔" سب سے پہلے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ جبکہ علی اور وہ باتیں کرتے ہوئے پیچھے آرہے تھے۔
جعفر صاحب کی فیملی کو سی آف کر کے وہ لاؤنج میں آگیا جبکہ فیروز صاحب کپڑے تبدیل کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے جب وہ واپس آئے تو وہ ٹی وی پر نیوز دیکھنے میں مصروف تھا۔ ان کے قریب بیٹھنے پر اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ "عاصمہ اندر ہے؟" ان کے پوچھنے پر اس نے کچن کی طرف دیکھا۔ لاؤنج سے کچن کے اندر کا منظر بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔ صاف ستھرا کچن اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ کام ختم کر کے اپنے کوارٹر میں جا چکی ہے۔
"میرا خیال ہے، وہ اپنے کوارٹر میں جا چکی ہے۔ آپ کو کوئی کام تھا؟"
"ہاں۔ تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی تھی، سوچ رہا تھا۔ تھوڑی چائے پی لوں۔"
"میں بنا دیتا ہوں۔" اس کے اٹھنے سے پہلے انہوں نے اس کا بازو تھام کر اسے روک لیا۔
"سارے دن کے مصروف ہو، تھکے ہوئے ہو گے۔ رہنے دو۔" ان کی بات پر وہ مسکرا دیا۔
"کوئی بات نہیں بابا! میرا خود بھی چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے اور ویسے بھی لندن میں آپ کو چائے یا کافی بنا کر میں ہی دیتا تھا وہاں تو کوئی میڈ نہیں تھی۔"
اس کی بات پر انہوں نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ جب وہ چائے لے کر آیا تو وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ اس نے بہت آہستگی سے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"
"میں ٹھیک ہوں یار! مجھے لے کر تم اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہو۔" ان کے کہنے پر اس نے قدرے ناراضی سے ان کو دیکھا۔
"آپ کو شاید مجھ سے اتنا پیار نہیں لیکن میری زندگی کا دائرہ آپ کے گرد ہی گھومتا ہے۔ آپ کو کچھ ہو، یہ خیال ہی میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہے آپ کو شاید اندازہ بھی نہیں۔" اور اس بات کا تو انہیں بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ ابراہیم ان سے کتنا پیار کرتا ہے اور ابراہیم بھی جانتا تھا کہ ان کی جان اسی میں بسی ہے۔

"ایک تو تم فوراً" چھوٹے بچوں کی طرح ناراض ہو جاتے ہو۔ کرو اب یار! اب تو تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ تمہاری بیوی کہاں برداشت کرے گی کہ تم باپ سے رومیو جولیٹ والی محبت کرو۔" ان کا لہجہ شرارت لیے ہوئے تھا۔ لیکن وہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔
"اس لیے میں چاہتا ہوں تمہاری شادی ہو جائے تاکہ مجھے تو کچھ ریلیف ملے۔"
ابراہیم نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔ "اگر ایسی بات ہے تو مجھے شادی ہی نہیں کرنی۔" اس نے کہہ کر اپنا کپ اٹھایا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔ یہ اس کی ناراضی کا اظہار تھا اور وہ جو چائے پیتے ہوئے الفاظ ترتیب دے رہا تھا کس طرح ملائکہ کی بات کرے وہ کہیں درمیان میں ہی رہ گئی۔
"ٹھیک ہے تمہاری مرضی ہے۔ میں جعفر بھائی سے تمہاری اور ملائکہ کی شادی کی بات کرنے والا تھا اب اگر تمہاری مرضی نہیں تو ٹھیک ہے۔" اب کی بار انہوں نے کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ ابراہیم نے تیزی سے ان کی طرف دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ اپنی چائے ختم کر کے وہ کھڑے ہو گئے۔
"او کے میں چلتا ہوں۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔" اور وہ جو انتظار کر رہا تھا کہ وہ مزید کچھ کہیں انہیں جاتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔
"بابا!" اس کی آواز پر وہ رک گئے۔
"آپ نے تو کہا تھا آپ چاہتے ہیں کہ میری شادی ملائکہ سے ہو۔" اس کی بات پر ان کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ آئی تھی جیسے کہہ رہے ہوں۔ اب آیا اونٹ پہاڑ تلے۔
"لیکن ابھی تو تم نے کہا تھا کہ تم شادی نہیں کرنا چاہتے۔"
"لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ملائکہ سے نہیں کرنا چاہتا۔" وہ جلدی جلدی بولا۔
"تو کیا تمہیں ملائکہ پسند ہے!"
"جی!" وہ تیزی سے بولا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
"میں بھی تمہارا باپ ہوں بیٹا! اگر سیدھی طرح پوچھتا تو تم نے آئیں بائیں شائیں کرنا تھا۔ پھر کیا خیال ہے کل جعفر بھائی کے گھر نہ چلیں۔"
"مرضی ہے آپ کی۔" وہ کہتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اپنے کمرے تک آتے آتے اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔
"آج سے پہلے زندگی بڑی سیدھی ڈگر پر چل رہی تھی۔ لندن کی مصروف بھاگتی زندگی میں کبھی اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ پیار، شادی کے بارے میں سوچا جائے۔ چھوٹی عمر میں ماں کے بعد زندگی بہت مشکل اور تنہا ہو گئی تھی اور اسی خلا نے اسے تنہائی پسند بھی بنا دیا تھا لیکن باپ کے وجود میں اسے تحفظ، دوست، پیار، بھائی، باپ ہر رشتہ ملا تھا۔ انہوں نے اس کی خاطر دوسری شادی نہیں کی اور ان کی اس قربانی کا وہ دل سے احترام کرتا تھا۔ احترام کے ساتھ وہ ان سے بے حد پیار بھی کرتا تھا۔ ان کا رشتہ باپ بیٹے سے زیادہ دوستی پر بنی تھا۔ اسکول کالج لائف میں وہ ذہین اسٹوڈنٹ تھا۔ اسکول میں اس کی دوستی لڑکوں اور لڑکیوں دونوں سے تھی لیکن کالج لائف میں آکر لڑکیوں کی دوستی کا انداز ہی بدل گیا۔ وہ آزاد معاشرہ تھا جہاں حدود و قیود کا کوئی خیال نہ تھا۔ پہلے اس کی ماں اور پھر باپ نے ایسی تربیت کی کہ وہ اپنی تربیت کی وجہ سے اپنے انداز کی وجہ سے اور اپنی شکل کی وجہ سے سب سے نمایاں نظر آتا تھا اور یہی بات صنف مخالف کو اس کی طرف کھینچتی تھی۔ لیکن اس ماحول میں رہ کر بھی اس نے اپنی حد پار نہیں کی اگر کسی لڑکی سے دوستی کی تو وہ کیتھی تھی۔ اس کی بچپن کی دوست اور یہ دوستی بھی اس لیے قائم تھی کہ وہ وہاں کی عام لڑکیوں کی طرح نائٹ کلب، ڈرنک، اسموکنگ کی لت میں مبتلا نہیں تھی، جس طرح وہ مختلف تھا اسی طرح وہ بھی مختلف تھی اور جہاں تک ملائکہ کی بات تھی، جب وہ پہلی بار پاکستان آیا تھا تب نہ اس نے شادی کے بارے میں سوچا، نہ ایسا ارادہ تھا۔ وہ صرف اپنے باپ کی خوشی کے لیے یہاں آیا تھا۔ جب اچانک فیروز صاحب نے اپنی خواہش اس کے

سامنے رکھ دی تو پہلے وہ ان کی خواہش سن کر حیران رہ گیا پھر اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ لیکن آج جب وہ نہیں آئی تو فیروز صاحب کو پریشان ہوتا دیکھ کر اسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ ملائکہ اس کے باپ کے لیے کتنی اہم حیثیت اختیار کر چکی ہے اور جب وہ آئی تو پہلی بار اس نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ سفید لانگ شرٹ کے ساتھ سفید ٹراؤزر' بڑا سا دوپٹہ' کھلے بالوں کے ساتھ وہ پہلی بار اسے بہت خاص لگی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ شادی تو اسے کرنی ہے تو کیوں نہ اپنے باپ کی پسند کو اولیت دی جائے۔ جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو آنکھ بند کرتے ہی جو چہرہ نظر آیا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا جب کوئی لڑکی یوں رات کو اس کی بند آنکھوں کے پیچھے آ کر مسکرائی تھی۔ اس نے دوبارہ سے آنکھیں بند کر لیں اب بھی وہی چہرہ تھا' تھوڑا سا ناراض' اپنے خوب صورت ہاتھوں سے بالوں کو چہرے سے ہٹاتے ہوئے اور اب کی بار وہ بند آنکھوں کے ساتھ مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

"سب سے زیادہ بور سر نصیر کرتے ہیں۔ وہ جو بھی لیکچر دیتے ہیں۔ میرے سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے۔"

"ویسے بھی عقل کی ساری باتیں تمہارے سر سے ہی گزر جاتی ہیں۔" فراز کی دہائی پر ملائکہ نے طنزیہ انداز سے کہا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

اگلی کلاس ان تینوں کی فری تھی۔ اس لیے وہ باہر لان میں ہی بیٹھ گئے۔ وسیع گراؤنڈ میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اسٹوڈنٹس کے گروپ بیٹھے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" حنا کو مسلسل خاموش دیکھ کر ملائکہ کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"کچھ نہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"کچھ تو ہے۔ میں بھی صبح سے نوٹ کر رہا ہوں تم چپ چپ ہو۔" فراز کے کہنے پر اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"میں دراصل کامران کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"کیوں؟" اس کے کہنے پر ان دونوں نے ایک ساتھ اسے گھورا تھا۔

"یار! جب سے اس کے پیرنٹس تمہارے گھر سے ہو کے گئے ہیں تب سے وہ یونیورسٹی نہیں آ رہا' یہ نہ ہو اس نے خود کو کچھ کر نہ لیا ہو۔"

"دیکھو حنا! اس شخص کے بارے میں بات کر کے ماحول میں تلخی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو پسند کرنا یا کسی سے شادی کرنا آپ کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔ آپ کسی کو اس کے لیے مجبور نہیں کر سکتے ایک بات۔ دوسری بات کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا اور خاص طور پر کامران جیسے لوگ۔" غصے کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا' بات کے اختتام پر اس کی نظر فراز پر پڑی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"دیکھ رہا ہوں کہ غصے میں تم کتنی خوب صورت لگتی ہو۔" وہ جو غصے میں اسے دیکھ رہی تھی ایک دم مسکرا دی۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ امی ابا کو تمہاری طرف کب بھیجوں؟" فراز کے سوال پر وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟"

"مجھے جلدی نہیں ڈر لگتا ہے۔ یہ نہ ہو کوئی اور تمہیں مجھ سے چھین کر لے جائے۔" اس کی بات پر وہ مسکرا دی تھی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ڈیڈی میری مرضی کے بغیر تو یہ فیصلہ نہیں کر سکتے نا اور ابھی نہ تمہاری ایجوکیشن کمپلیٹ ہے اور نہ میری' نہ تمہارے ڈیڈی مانیں گے اور نہ میرے۔ سو اس بات کو ابھی یہیں رہنے دو۔"

"بے شک تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں یہ نہیں کہہ رہا فوراً شادی ہو جائے لیکن منگنی تو ہو سکتی ہے نا! کم از کم کوئی ڈر یا اندیشہ تو نہیں رہے گا۔" اپنی بات کہہ کر

وہ تائیدی نظروں سے ملائکہ کو دیکھنے لگا۔

"اچھا بابا! تم تو پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔ پہلے میں مما سے بات کروں گی پھر اور جب تک میں نہ کہوں تم اپنے ممی ڈیڈی سے کوئی بات نہ کرنا۔"

"اوکے۔" وہ ایک دم خوش ہو گیا۔ تب ہی اس کے موبائل کی بیل بجی تھی۔ نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آف کر دیا۔ وہ تینوں آج کے لیکچر کو ڈسکس کرنے لگے۔ تب ہی بیل دوبارہ بجی تھی۔ ملائکہ اور حنا دونوں نے اسے گھورا تو اس نے دوبارہ فون آف کر دیا۔

"کون ہے؟"

"کوئی نہیں۔" حنا کے پوچھنے پر اس نے جواب دیا۔ ٹھیک تین منٹ بعد پھر بیل ہوئی تھی اور اب کی بار ملائکہ نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ اسکرین پر صالحہ کا نام تھا۔

"صالحہ!" ملائکہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری کزن ہے نا تو بات کرو' فون کیوں کاٹ رہے ہو؟" ملائکہ نے فون آن کر کے اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے بغیر [illegible] فون آف کر دیا۔

"فون کیوں بند کر دیا؟"

"تمہاری وجہ سے۔"

"کیوں؟" ملائکہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھا تم جیلس ہو گی۔"

"کیوں میرا کیا دماغ خراب ہے۔" اس نے ماتھے پر بل ڈال کر دیکھا۔ حنا نے اس کا موڈ خراب ہوتے دیکھا تو بات ہی پلٹ دی۔ کچھ دیر بعد فراز اپنے دوست کے ساتھ چلا گیا۔ تو وہ اور حنا بھی اپنی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"ایک بات پوچھوں ملائکہ؟"

"کیا واقعی فراز کی گرل فرینڈز سے تمہیں جیلسی نہیں ہوتی۔"

"نہیں۔" اس نے بالکل سیدھا جواب دیا تھا۔ حنا نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر دوبارہ ایک سوال کیا۔

"کیا صالحہ سے بھی نہیں؟"

"کیوں صالحہ سے مجھے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"بات دشمنی کی نہیں بات یہ ہے کہ صالحہ فراز کی کزن ہے اور دوسرا فراز کی امی فراز کی شادی صالحہ سے کروانا چاہتی ہیں اور سب سے بڑی بات صالحہ' فراز کو اس رشتے سے پسند بھی کرتی ہے۔ اور یہ بات ہمارے علاوہ فراز بھی بہت اچھی طرح جانتا ہے۔" حنا کی بات پر ملائکہ کتنی دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ جبکہ اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

"مائی ڈیئر فرینڈ! اپنی ذات پر بھروسہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے' فراز کی گرل فرینڈز آج کی نہیں پہلے کی ہیں' اس نے خود تمہارے سامنے کہا تھا کہ وہ میرے کہنے پر سب دوستیاں ختم کر دے گا اور جہاں تک صالحہ کی بات ہے۔ فراز یہ جانتا ہے کہ صالحہ اسے پسند کرتی ہے اس کی ممی کی کیا خواہش ہے لیکن ان سب کے باوجود اس نے مجھے پروپوز کیا تو اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

حنا نے گہرا سانس لے کر جیسے اس کی تائید کی تھی۔

آج فراز نے اس سے جو کہا' اس وقت تو سرسری انداز میں کہہ کر اس نے بات ختم کر دی۔ لیکن اب وہ سنجیدگی سے فراز کی کہی ہوئی بات کو سوچ رہی تھی۔ اس نے فراز کو اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کامران کی طرح ڈیڈی' فراز کے لیے بھی انکار کر دیں فراز کی پسند اس کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہمیت اس کی زندگی میں اپنے باپ کی تھی۔ اسی لیے چاہتی تھی کہ اپنی نئی زندگی کی شروعات ڈیڈی کی خوشی اور دعاؤں کے ساتھ کرے۔ اب اسے مناسب وقت کا انتظار تھا جب وہ مناسب الفاظ کے ساتھ اپنی بات انہیں سمجھا سکے۔

☼ ☼ ☼

وہ بڑی پریشانی کے عالم میں آفس سے نکلے تھے اور اسی حالت میں گھر میں داخل ہوئے۔ لیکن ڈرائنگ روم سے آتی قہقہوں کی آوازوں پر ان کی پریشانی حیرت میں بدلی۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی فیروز

صاحب کے مسکراتے پرسکون چہرے کو دیکھ کر ان کے چہرے کے تاثرات پل میں بدلے تھے۔ ان پر پہلی نظر نوشابہ کی پڑی تھی۔

"لیں آپ کے بھائی صاحب بھی آگئے۔" فیروز صاحب نے گردن گھما کر دیکھا تب تک وہ کمرے کے اندر آچکے تھے۔

"فیروز! مجھے تم سے اس بچپنے کی امید نہیں تھی۔ جانتے ہو میں تمہارا فون سن کر کتنا پریشان ہو گیا تھا۔" وہ غصے سے انہیں گھورتے ہوئے نوشابہ کے ساتھ بیٹھ گئے جبکہ ان کی بات پر فیروز صاحب مسکرا دیے تھے۔

"معذرت چاہتا ہوں بھائی صاحب! مجھے جو بات کرنی تھی۔ اس کے لیے میں شام کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے آپ کو ایسے فون کر کے بلانا پڑا۔ مجھے نہیں پتا تھا آپ اتنا پریشان ہو جائیں گے۔" ان کی آنکھوں اور آواز دونوں میں شرارت تھی۔

"یہ گدھا شروع سے ہی ایسے شرارتیں کر کے اماں ابا کو پریشان کیا کرتا تھا۔" وہ ساتھ بیٹھی نوشابہ کو بتا رہے تھے جو ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"بیگم! ذرا چائے تو پلوائیں۔" جعفر صاحب نے نوشابہ سے کہا اس سے پہلے کہ وہ اٹھتیں فیروز صاحب نے انہیں روک دیا۔

"بھابھی! ایک منٹ مجھے جو بات کرنی ہے۔ اس میں آپ کی موجودگی ضروری ہے۔"

"بھائی صاحب! آپ سے کچھ مانگنا تھا لیکن اس سے پہلے میں ایک اور سوال کرنا چاہتا ہوں۔ ابراہیم آپ کو کیسا لگتا ہے؟"

"ابراہیم بہت اچھا، بہت نائس بچہ ہے۔ آج کل کے لڑکوں سے بالکل ہٹ کر۔ آئی ریئلی لائک ہم۔" جعفر صاحب کی بات سن کر وہ بے ساختہ خوش ہو گئے تھے۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ابراہیم واقعی آج کل کے لڑکوں سے بہت مختلف ہے۔ لندن کے اتنے آزاد ماحول میں رہنے کے باوجود شراب تو دور کی بات، اس نے کبھی سگریٹ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کی صاف ستھری زندگی کا میں گواہ ہوں۔ اس میں ہر وہ خوبی ہے جو نیک شریف مسلمان میں ہونی چاہیے۔"

ان کی اتنی تفصیل پر وہ دونوں میاں بیوی کافی حیران ہوئے تھے۔ جعفر صاحب ہنس پڑے تھے۔

"فیروز! کسی کو جاننے کے لیے ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے جبکہ ابراہیم تو پھر میرا ہی خون ہے۔"

ان کی بات پر فیروز صاحب کے چہرے پر واضح طور پر اطمینان نظر آیا تھا۔

"میں بہت سال اپنے وطن سے اور اپنوں سے دور رہا ہوں اب میری خواہش نہ صرف اپنوں میں رہنے کی بلکہ اسی زمین میں دفن ہونے کی بھی ہے۔ میں ابراہیم کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کی بیوی کے لیے میں آپ سے ملائکہ کو مانگتا ہوں۔" انہوں نے کہنے کے ساتھ بغور دونوں کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ وہ دونوں ہی حیران تھے۔ اگلے ہی پل جعفر صاحب ہنستے ہوئے ان کے گلے لگ گئے تھے۔

"اتنی سی بات کہنے کے لیے تم نے اتنی دیر لگا دی۔ یہ تو ایک ہو کر رہے۔"

"پاگل! مجھے اور کیا چاہیے کہ میری بیٹی کسی ایسے گھر میں ایسے لوگوں کے درمیان جائے جو اسے مجھ سے زیادہ پیار کریں۔ ملائکہ میری جان ہے لیکن ایک بات میں جانتا ہوں۔ تم میری جان کو مجھ سے زیادہ پیار کرو گے۔" شدت جذبات سے ان کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا جبکہ اپنی اتنی بڑی خواہش کی تکمیل پر فیروز صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"بھائی صاحب! میں کبھی آپ کو ناامید نہیں کروں گا۔ میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں ہمیں اور ابراہیم ملائکہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔"

"مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے فیروز!" پھر انہوں نے نوشابہ کی طرف دیکھا۔

"او بھابھی! اپنی خوشی میں میں بھول ہی گیا۔ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں؟" فیروز صاحب کے پوچھنے پر جعفر صاحب نے بھی مڑ کر نوشابہ کو دیکھا جو مسکرا رہی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ! بھلا میں کیوں اعتراض کروں گی؟ ابراہیم سے اچھا بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔" ان کی بات پر وہ دونوں کھل کر مسکرائے تھے۔

"چلیں بیگم! اسی خوشی میں چائے کے ساتھ کچھ میٹھا بھی کھلا دیں۔"

ٹرالی میں لوازمات سجاتے ہوئے وہ ملائکہ اور ابراہیم کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ ملائکہ کے رشتے اب سے نہیں بلکہ پچھلے کئی سالوں سے آ رہے تھے اور شاید کئی ابراہیم سے بہتر بھی تھے لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے کوئی نہ کوئی بہانا کر کے وہ ٹال دیتے۔ جعفر کو ہمیشہ یہی لگتا تھا، ملائکہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ لیکن آج صرف بات ہوئی تھی اور جعفر نے ہاں کر دی۔ نہ سوچنے کا وقت لیا نہ کچھ اور دیکھا صرف یہی کہ وہ فیروز کا بیٹا ہے۔ "شاید قسمت اسے ہی کہتے ہیں۔" انہوں نے بے اختیار گہرا سانس لیا اور اچانک ان کی سوچ ملائکہ کی طرف گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھیں اس کا ردعمل کیا ہو گا۔ جعفر چھوٹی سے چھوٹی چیز اس کی مرضی سے لیتے تھے اور آج اتنا بڑا فیصلہ جس کا تعلق اس کی پوری زندگی سے تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھے بغیر کر دیا تھا۔ بظاہر تو اس فیصلے میں کوئی خامی نہیں تھی لیکن ملائکہ کا کوئی بھروسہ بھی نہیں تھا۔

"مما! آپ کو سوچوں سے باہر علی کی آواز نے نکالا تھا۔ "ڈیڈی بلا رہے ہیں آپ کو۔" وہ ٹرالی سے کیک کا پیس اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تمہیں پتا ہے فیروز کیوں آئے ہیں؟" نوشابہ مسکرائی تھیں۔

وہ کچھ کہے بغیر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"وہ ابراہیم کے لیے ملائکہ کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں۔" اور علی کو زبردست اچھو لگا تھا حتیٰ کہ نوشابہ کو گھبرا کر اس کی پشت کو ملنا پڑا۔ وہ تیزی سے فریج کی طرف بڑھا اور بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ حواس بحال کر کے اس نے دوبارہ ماں کی شکل دیکھی۔

"اور تمہارے ڈیڈی نے ہاں کر دی۔" انہوں نے اگلی خبر سنائی لیکن اب کی بار اسے پہلے کی طرح دھچکا نہیں لگا تھا بلکہ بے حد خوشی ہوئی تھی۔ لیکن اپنے تاثرات ظاہر کرنے سے پہلے اس نے ان کے تاثرات جاننے کی کوشش کی تھی۔

"کیا آپ کو ڈیڈی کا فیصلہ صحیح نہیں لگا؟"

"تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے جواب دینے کے بجائے اس سے سوال کیا تھا۔ "I think Ibraheem bhai is best choice for bajo"

(میرے خیال میں ابراہیم بھائی بجو کے لیے بہترین انتخاب ہیں) نوشابہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں اور پھر کھل کر مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

وہ نوٹس سامنے پھیلائے پین کا کونا دانتوں میں دبائے پرسوچ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ جب دستک دے کر علی اندر داخل ہوا تھا۔

"بزی ہو؟"

"ہوں تو لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایک بات کرنا تھی۔"

"ہاں کہو۔" فائل پر لکھتے ہوئے وہ گویا ہوئی تو علی کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تمہارا ایک پرپوزل آیا ہے۔" علی کے کہنے پر وہ مسکرا دی۔

"یہ کون سی نئی بات ہے۔" اس کی بے نیازی پر علی کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا۔ اس کی اگلی بات اس کی بے نیازی توڑنے کے لیے کافی ہے۔

"جانتی ہو کس کا ہے؟"

"او نہہ!" اس نے اسی بے نیازی سے سر نفی میں ہلایا۔

"ابراہیم بھائی کا پرپوزل آیا ہے۔" اب کی بار اس کا نہ صرف قلم تھما تھا بلکہ اس نے سر اٹھا کر علی کا چہرہ دیکھا جہاں مذاق کی رمق تک نہیں تھی بلکہ دبی دبی خوشی کے ساتھ شرارت بھی تھی۔ جب کتنی دیر تک

ملائکہ نے کوئی رسپانس نہ دیا تو علی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"کیا ہوا بجو! خوشی کے مارے تمہیں تو سکتہ ہی ہو گیا ہے۔" اس کے کہنے پر ملائکہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ اسے واقعی سکتہ ہو گیا تھا لیکن خوشی کے مارے نہیں بلکہ حیرت کی وجہ سے جبکہ علی اپنی ہی دھن میں تھا۔

"ویسے مجھے ابراہیم بھائی جیسے سینس ایبل شخص سے یہ امید نہیں تھی۔ لیکن وہ بھی اوروں کی طرح تمہاری صورت سے دھوکا کھا گئے۔ یہ تو خیر جب ان کا تم سے واسطہ پڑے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔ مجھے تو ابھی سے ان کا مستقبل صاف نظر آ رہا ہے۔ تم سے شادی کرنے کے بعد ان کے خوب صورت گولڈن چاکلیٹی بال جھڑ کر صاف میدان کی صورت اختیار کر لیں گے۔ خوب صورت نیلی آنکھوں پر رونے کی وجہ سے موٹا چشمہ چڑھ جائے گا۔" اس نے ہاتھ سے موٹائی بھی بتائی "اور گورا رنگ کڑھ کڑھ کر کالا ہو جائے گا اور ان کا لمبا قد تمہاری فرمائشوں بلکہ ضدوں کی وجہ سے گھس گھس کر چھوٹا ہو جائے گا۔ چچ چچ مجھے ابراہیم بھائی سے پوری ہمدردی ہے۔"

بات کے آخر میں علی نے ملائکہ کا چہرہ دیکھا۔ اس کا خیال تھا وہاں سے ضرور میزائل چھوٹے جائیں گے۔ لیکن وہاں پر جامد خاموشی تھی جو اس کے لیے تشویش کا باعث تھی۔

"بجو! تم کچھ کہو گی نہیں؟" آخر کار علی کو سنجیدگی سے اس سے پوچھنا پڑا۔ ملائکہ نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔

"جو بات ہونی ہی نہیں، اس کو سوچنا یا اس پر کوئی رائے دینا فضول ہے۔"

"کیا مطلب؟" علی نے اب چونک کر اسے دیکھا۔

"تم سے کس نے کہا میں ابراہیم سے شادی کروں گی۔" اس نے ابرو اچکا کر علی کو دیکھا تو وہ کتنی دیر بول ہی نہ سکا۔ جبکہ وہ خود سر جھٹک کر نوٹس پر نظریں دوڑانے لگی۔

"لیکن ڈیڈی نے تو فیوز چاچو کو ہاں کر دی ہے؟" کیا علی کی الجھی ہوئی آواز پر وہ چیخ اٹھی تھی۔

"ڈیڈی ایسا کیسے کر سکتے ہیں مجھ سے پوچھے بغیر۔" غصے کے مارے وہ کرسی سے کھڑی ہو گئی تھی اور علی پریشانی کے مارے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملائکہ اس طرح ری ایکٹ کرے گی کیونکہ اس کے نزدیک ابراہیم کو ریجیکٹ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔

"لیکن بجو! ابراہیم بھائی میں کیا برائی ہے؟"

"یہ مجھے نہیں پتا لیکن مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔" غصے کے مارے اس کی انگلیاں مٹھیوں کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔

"مجھے ابھی ڈیڈی سے بات کرنی ہے۔"

"بجو!" علی نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما تھا "رات کے دو بج رہے ہیں مما اور ڈیڈی سو رہے ہیں۔" علی کے کہنے پر اس نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا تھا۔

"بجو!"

"پلیز علی!" ملائکہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا تھا۔ "ابھی تم جاؤ۔ میرا مزید بات کرنے کا کوئی موڈ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی بلکہ باتھ روم میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ علی کچھ دیر بند دروازے کو دیکھتا رہا اور پھر باہر نکل آیا کیونکہ جانتا تھا اب بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

☼ ☼ ☼

جب وہ باتھ روم سے باہر آئی علی جا چکا تھا۔ اس نے ڈور لاک کرنے کے بعد فراز کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ کافی دیر کے بعد اس کی سوئی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"سو رہے تھے؟" پوچھنے کے بعد اسے اپنے سوال کی بے وقوفی کا اندازہ ہوا تھا۔

"یار! رات کے ڈھائی بجے لوگ سوتے ہی ہیں۔ خیر تم سناؤ ابھی تک جاگ رہی ہو۔" وہ شاید اب اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"فراز! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو میں تمہاری باتیں سننے ہی کے لیے تو اس دنیا میں آیا ہوں۔"

"میں اس وقت بالکل بھی مذاق کے موڈ میں نہیں۔" اس کے لہجے میں شرارت محسوس کر کے وہ غصے سے بولی تو اسے بھی اس کی آواز کی سنجیدگی کا اندازہ ہوا۔

"اس دن تم اپنے امی ابا کو ہمارے گھر بھیجنے کی بات کر رہے تھے نا؟"

"ہاں!"

"تو انہیں بھیج دو۔" دوسری طرف ایک پل کے لیے گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

"سم تھنگ سیریس۔"

"یہی سمجھ لو۔ ایک دو دن میں بھیج سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ" ایک پل کا توقف ہوا تھا "آگے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" اس کے لہجے میں گہری سنجیدگی محسوس ہو رہی تھی۔

اپنی بات کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور فراز نے بھی مزید کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا یہ کہنے کا نہیں کچھ کرنے کا وقت ہے۔

☼ ☼ ☼

اس کی بات مکمل ہونے کے بعد بھی وہاں محسوس کی جانے والی خاموشی تھی جو اسے کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ اس نے جھکی ہوئی نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے اپنے باپ کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں جو اس کے چہرے پر گڑی تھیں۔ ان میں وہ ایک جھلک میں بھی صاف ناراضی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ چپ ٹوٹ چکی تھی۔ لیکن ان کا مخاطب وہ نہیں بلکہ اس کی ماں تھیں۔

"سن رہی ہو اپنے لاڈلے کی باتیں۔ محترم شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی دودھ کے دانت ٹوٹے نہیں اور باتیں شادی کی۔" ان کے طنزیہ لہجے میں غصہ بھی شامل تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا اگر وہ اب نہ بولا تو پھر کبھی بھی ہمت نہیں کر سکے گا۔

"ابو! میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ میری ابھی شادی کر دیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں آپ ان سے صرف بات کر لیں۔"

بڑی ہمت کر کے اس نے یہ دو جملے مکمل کیے تھے۔

"برخوردار! تم نے شادی کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ کوئی مذاق، جانتے ہو شادی ایک مکمل ذمہ داری کا نام ہے۔ اپنی تو تم ذمہ داری اٹھا نہیں سکتے کسی اور کی کیا اٹھاؤ گے۔ اور بات بھی تم کس کی کر رہے ہو۔ ملائکہ کی جعفر حسین کی بیٹی کی۔ ہماری تو ان سے جان پہچان ہے تو ہم ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو صرف کسی دور کے حوالے سے بھی جعفر صاحب کو جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے وہ اپنی بیٹی کے بارے میں کتنا ٹچی ہے۔ میں تمہارا رشتہ لے کر جاؤں تو کس منہ سے؟ کیا وہ یہ نہیں پوچھے گا کیا کرتے ہو تم۔ کیا فیوچر ہے تمہارا۔ کیا دے سکتے ہو اس کی بیٹی کو تم؟ جبکہ تم اب تک مجھ پر ڈیپینڈ کرتے ہو۔ اتنے اچھے اچھے رشتے وہ ٹھکرا چکے ہیں تمہارا کیا خیال ہے وہ تمہارے لیے ہاں کر دیں گے۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مجھے اپنی بے عزتی کروانے کا کوئی شوق نہیں۔ تم صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ جب اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ گے تب شادی کی بات کرنا۔"

"اونہہ! آٹے دال کا بھاؤ معلوم نہیں، چلے ہیں شادی کرنے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے تو اس نے فوراً ماں کی طرف دیکھا جو اس پر ایک غصیلی نظر ڈال کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"امی پلیز آپ تو میری بات سمجھیں۔" اس کے ملتجی انداز پر وہ رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"فراز! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ لڑکیوں سے تمہاری دوستی تھی چلو یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن اب شادی۔ کم از کم یہ تو سوچ لیتا تھا۔ تم سے بڑی بہن ہے اور جو چھوٹی ہے۔ میرا تو ارادہ اس کی شادی کا بھی تم سے پہلے تھا۔"

امی پلیز آپ تو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں شادی

ابھی آکر نے کا نہیں کہہ رہا‘ صرف بات کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ ملائکہ کے پرپوزل آرہے ہیں اور جہاں تک ابو کو انکار کی فکر ہے تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ملائکہ اپنے پیرنٹس سے بات کرے گی۔“

”اوہ!“ رضوانہ بیگم کی اوہ بڑی معنی خیز تھی ”تو یہ ساری پٹی اس کی پڑھائی ہوئی ہے۔“ فراز نے قدرے ناگواری سے انہیں دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

”پھر امی! آپ کب چلیں گی ملائکہ کی طرف؟“ اس کے سوال پر انہوں نے غصے سے اسے گھورا۔

”تم نے سنا نہیں تمہارے ابو نے کیا کہا ہے اور دوسرا میں صالحہ کے لیے آپا سے بات کرچکی ہوں۔“

”کس سے پوچھ کر آپ نے خالہ سے بات کی؟“

”میں تمہاری ماں ہوں۔“

”اس کا مطلب یہ نہیں آپ میری زندگی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کریں۔ مجھے شادی ملائکہ سے کرنی ہے بس۔“

”تو ٹھیک ہے خود کرلو۔“ ان کی بے مروتی پر اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

”تو آپ نہیں چلیں گی؟“

”نہیں۔“ وہ دوٹوک انداز میں بولیں۔

”ٹھیک ہے۔ نتائج کے ذمہ دار آپ لوگ خود ہوں گے۔ یہ بات آپ ابو کو بھی بتا دینا۔“ وہ دھمکی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی شمسہ اندر داخل ہوئی۔

”سنا تم نے کیا کہہ کر گیا ہے۔ اس لڑکی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے کہ باپ کے غصے کی بھی اسے پروا نہیں رہی۔ مجھے اس کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔“

بیٹے کے سامنے تو وہ کمزور نہیں پڑیں لیکن بیٹی کے سامنے انہوں نے اپنی پریشانی ظاہر کردی۔

”امی اگر فراز ملائکہ کو پسند کرتا ہے تو آخر حرج کیا ہے۔ وہ خاندانی ہے۔ امیر باپ کی اکلوتی اولاد ہے‘ پڑھی لکھی ہے اور سب سے بڑھ کر خوب صورت ہے۔ لوگ تو ایسے رشتوں کے لیے منتیں مانگتے ہیں۔“

رضوانہ نے بیٹی کو ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

”یہ جو ساری کوالٹیز تم نے بتائی ہیں‘ وہ واقعی قابل غور ہیں لیکن ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔ وہ امیر باپ کی بیٹی ہے اور اس کا اسے احساس بھی ہے‘ تم نے شاید غور نہیں کیا۔ لیکن میں نے ایک دو دفعہ کی ملاقات سے اندازہ لگالیا ہے‘ وہ بہت خود پسند اور ضدی ہے۔ فراز میرا اکلوتا بیٹا ہے اور تم دو بہنوں کی امیدوں کا مرکز۔ اس کی خوب صورتی نے ہی تمہارے بھائی کو پاگل کر رکھا ہے۔ ابھی وہ آئی نہیں تو تمہارے بھائی نے بغاوت کردی ہے اور جو اس کی بیوی بن کر آگئی تو اس نے تم لوگوں کو پوچھنا بھی نہیں۔ وہ نازوں میں پلی ہے اور ہم متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں اس کے مطالبے پورے نہ ہوئے تو وہ فراز کو گھر داماد بننے پر مجبور کرسکتی ہے۔ پھر بولو ہم کیا کریں گے؟“

ان کے سوالیہ انداز پر وہ اتفاق کرتے ہوئے چپ کر گئی۔

”اور پھر میں آپا سے صالحہ کے لیے بھی بات کرچکی ہوں۔“ ان کی پریشانی محسوس کرکے وہ کتنی دیر سر جھکائے سوچتی رہی پھر اچانک کسی سوچ سے اس کی نظریں چمک اٹھی تھیں۔

”امی! میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔“

اس کی آواز میں ایسا کچھ تھا کہ وہ پریشانی بھول کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں اور جو کچھ اس نے کہا اسے سن کر ان کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

”کیا ایسا کرنا ٹھیک ہوگا؟“ وہ سوالیہ نظروں سے بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

”اس کے سوا مجھے اور کوئی حل بھی نظر نہیں آرہا۔“ اس کے کہنے پر انہوں نے جیسے سمجھ کر سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

واش روم سے باہر نکلتے ہی اس کی پہلی نظر حنا پر پڑی۔

”تم!“ ملائکہ کی حیرت بھری آواز پر وہ جو میگزین دیکھ رہی تھی مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

”تم یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں اور وہ فراز بھی نہیں آیا۔ اگر تم دونوں نے نہیں آنا تھا تو کم از کم مجھے انفارم تو کرسکتے تھے۔“ حنا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا ”طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟“

”ہوں!“ وہ الجھے لہجے میں بولی اور اسی الجھے انداز میں اس نے حنا کو دیکھا۔

”میں نے کل فراز کو فون کیا تھا۔“ حنا ابرو اچکا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی ”میں نے اس سے کہا اپنے پیرنٹس کو بھیج دے۔“

حنا اب بھی خاموش تھی جبکہ ملائکہ کی جانچتی نظریں حنا کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

”لیکن تم نے تو کہا تھا‘ تم ماسٹرز کے کمپلیٹ ہونے سے پہلے ایسا کچھ نہیں چاہتیں۔“

”کیونکہ تب تک اس کا پرپوزل نہیں آیا تھا۔“

”کس کا؟“ حنا کا انداز سرسری تھا۔

”ابراہیم کا۔“

”کیا؟“ حنا کو لگنے والا جھٹکا بہت شدید تھا کہ اس کیا کے بعد کافی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکی۔

”مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تمہارے لیے خوشی کا اظہار کرنا چاہیے یا اپنے لیے افسوس۔“ حنا نے پتا نہیں اس سے سوال کیا تھا یا خود سے۔

”تمہیں مجھ پر افسوس کرنا چاہیے۔“ ملائکہ نے کچھ برا مانتے ہوئے کہا۔

”غلط۔ اتنے شان دار شخص کے ساتھ پر افسوس نہیں خوشی کرنی چاہیے۔“

”مجھے یہ خوشی نہیں چاہیے اگر تمہیں وہ اتنا ہی شان دار لگتا ہے تو تم کرلو۔“

”ویسے یہ ہوا کیسے؟“

”مجھے کیا پتا۔“ وہ بیزاری سے بولی۔ ”ابھی تک مجھ سے مما یا ڈیڈی نے کوئی بات نہیں کی‘ علی نے بتایا تھا‘ فیروز چاچو نے بات کی ہے۔“

”اوہ۔“ حنا نے سر ہلایا ”پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ حنا کے سوال پر اس نے گہرا سانس لیا۔

”بات یہ ہے کہ شاید ڈیڈی ہاں کرچکے ہیں اور مجھے پہلے اس بات پر غصہ آیا تھا کہ اس کی ہمت کیسے ہوئی میرے لیے پرپوزل بھیجنے کی اور پھر مجھے اس بات پر غصہ آیا ڈیڈی نے مجھ سے پوچھے بغیر ہاں کیسے کردی۔“ اب غصہ اس کے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔

”دیکھو یار! اس میں پریشان ہونے والی تو کوئی بات نہیں۔ پرپوزل تمہارے پہلے بھی آتے تھے۔ چلو یہ بھی سہی اور ہوسکتا ہے علی کو غلطی لگی ہو کیونکہ انکل یا آنٹی نے تو تم سے کوئی بات نہیں کی ہے نا!“ اس کے پوچھنے پر اس نے سر ہلایا ”تو بس پھر فکر نہ کرو اور فراز سے بھی تم نے کہہ دیا ہے۔ ویسے کیا کہہ رہا تھا کب تک بھیجے گا؟“

”پتا نہیں۔ رات کو مجھے غصہ بہت تھا‘ میں صرف کہہ کر فون بند کردیا۔“ حنا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

”ایک تو میں تمہارے غصے سے بہت پریشان ہوں۔ اتنا بھی کیا غصہ کہ بندے کی عقل کام کرنا بند کردے۔“

اور ساری گفتگو کے دوران پہلی بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

”شکر ہے چہرے پر کوئی رونق تو آئی۔ اب اٹھو کچھ کھاؤ اور کچھ مجھے بھی کھلاؤ۔“

حنا اسے اٹھا کر خود لیٹ گئی۔ اس سے پہلے وہ کمرے سے نکلتی اس کا موبائل بج اٹھا۔

”فون تو سن لو۔“ اس کو باہر نکلتا دیکھ کر حنا نے آواز دی تو مجبوراً اسے مڑنا پڑا۔ اسکرین پر نامعلوم نمبر تھا۔

”ہیلو!“

”ملائکہ بات کررہی ہو؟“ اس کے ہیلو کہنے پر دوسری طرف سے تصدیق کی گئی تھی۔

”جی آپ کون؟“

”میں فراز کی امی بات کررہی ہوں۔“

”جی آنٹی! کیسی ہیں آپ؟“ اس کی آواز ایک دم کھل اٹھی تھی۔ اس کی آواز میں کچھ تھا کہ حنا بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے اشارے سے پوچھنے پر اس نے فون کا اسپیکر آن کردیا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس کی آواز میں جتنی خوشی تھی دوسری طرف اتنا ہی روکھا پن تھا۔

"جی!" وہ خود بخود سنجیدہ ہو گئی۔

"آج فراز نے گھر میں بات کی کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

ملائکہ بات سنتے ہوئے حنا کو اور حنا اسے دیکھ رہی تھی۔

"جبکہ اس شادی کے لیے نہ اس کے ابو راضی ہیں اور نہ ہی میں۔ اس کے ابو اس لیے راضی نہیں کیونکہ فراز ابھی تک کچھ کرتا نہیں اور وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اور دوسری بات اس سے بڑی ابھی ایک بہن ہے۔ جو چھوٹی ہے اس کی شادی بھی ہم نے فراز سے پہلے کرنے کا سوچا تھا۔ مزید چار پانچ سال تک ہمارا ارادہ فراز کی شادی کا نہیں اور جب بھی یہ ارادہ ہے گا تو وہ لڑکی کم از کم تم نہیں ہو گی۔ کیونکہ میں اپنی بہو پسند کر چکی ہوں جو میری بھانجی صالحہ ہے اور اگر صالحہ نہ بھی ہوتی تو بھی تم نہیں۔ تم اپنے ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد جس طرح کی تمہاری عادتیں ہیں۔ اپنے باپ سے کہو کوئی کاٹھ کا الو تمہارے لیے تلاش کرے جو تمہارے نخرے سہہ سکے۔"

ملائکہ کے ہونٹ بے ساختہ بھنچ گئے تھے۔ حنا نے اس کے ہاتھ سے موبائل لینا چاہا لیکن ملائکہ نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم جیسی خود سر اور گھمنڈی لڑکیاں گھر بساتی نہیں بلکہ اجاڑتی ہیں اور ہم نے گھر بسانا ہے۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے اور میں جانتی ہوں تم جہاں بھی شادی کرو گی زیادہ عرصہ نہیں گزار سکو گی۔"

اس کی مسلسل خاموشی کو شاید انہوں نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

"خیر تم سمجھتی ہو یا نہیں مجھے کیا۔ میں نے صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے۔ میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو۔"

فون بند ہو چکا تھا۔ اس نے بڑے تھکے ہوئے انداز میں فون اپنی گود میں رکھا تھا۔ اسے تو جو جھٹکا لگا تھا لگا تھا حنا ابھی تک حیران تھی۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ یہ رضوانہ آنٹی تھیں۔ اتنی تھرڈ کلاس لینگویج اور اتنی تھرڈ کلاس سوچ۔"

حنا کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے ملائکہ کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھی وہ اس کے چہرے سے کوئی اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔ اس کے خیال میں اسے اس وقت شدید غصہ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن اتنی بڑی بات ہونے کے باوجود وہ خاموش تھی۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے فراز کی طبیعت صاف کر دوں۔ میں کرتی ہوں اس کو فون۔" ملائکہ نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ملائکہ!" حنا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"فراز کو یہ سب پتا ہونا چاہیے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" اس کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" حنا نے کچھ پریشانی سے اس کے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"پتا نہیں۔" لگتا تھا وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ حنا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ملائکہ کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اپنی مرضی کے خلاف چھوٹی سی بات برداشت کرنا اس کی عادت نہیں تھی یہاں تو پھر کسی نے اس کی ذات پر کیچڑ اچھالا تھا۔ وہ تو تب ہی حیران ہو رہی تھی کہ ملائکہ نے جواب کیوں نہیں دیا لیکن اب اس کا اتنا ٹھنڈا رویہ اس کے لیے باعث تشویش تھا۔

"وہ کیا کرنے والی ہے؟" وہ اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر سوچ ہی سکی۔ پوچھ نہیں سکی۔

حنا کے جاتے ہی خود پر طاری کیا ہوا سکون کا لبادہ پل میں اترا تھا۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور رونا بھی اور اس کا اظہار وہ اکیلے میں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس کے قدم تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن لاؤنج کے آگے سے گزرتے ہوئے جعفر حسین

کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔ اس نے کچھ حیران ہو کر اندر دیکھا جہاں جعفر صاحب کے ساتھ نوشابہ اور علی بھی تھے۔ اس کے خیال کے مطابق وہ دونوں گھر پر نہیں تھے۔

"جی ڈیڈی!" وہ چند قدم چل کر اندر تو آ گئی لیکن انداز بھاگنے والا تھا۔

"یہاں آؤ بیٹا! ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے اپنے قریب صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ چلتی ہوئی ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی انہوں نے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" اس کا سر جھکا تھا جبکہ نظریں اپنے دونوں ہاتھوں پر جمی تھیں جو اس کے گود میں رکھے تھے۔

"کل فیروز آیا تھا۔" اور وہ گھڑی آ گئی۔ جس کا اسے ڈر تھا وہ جانتی تھی وہ اس سے کیا کہنے والے ہیں۔ کل تک وہ اس پل کے لیے کتنی پریشان تھی۔ ان کو انکار کرنے کے لیے اور فراز کے حق میں ہموار کرنے کے لیے اس نے کتنے ہی جملے ترتیب دیے تھے۔ لیکن وقت نے ایسا پلٹا کھایا تھا سب سوچے ہوئے جملے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئی تھیں۔ علی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ آنے والے لمحوں کے بارے میں سوچ رہا تھا ابھی وہ سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں دیکھ کر انکار کرے گی اور ڈیڈی کا ہنستا مسکراتا پرسکون چہرہ کیا رنگ لینے والا ہے۔

"فیروز تم کو اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہے۔ جب فیروز نے مجھ سے بات کی تو میں نے اسے ہاں کر دی۔ اصولاً تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے تھا لیکن میں جانتا ہوں میرا جواب، میری پسند، میری بیٹی سے الگ تو نہیں ہو سکتے۔ میں نے ٹھیک کیا نا بیٹی؟"

ان کے لہجے میں کتنا مان تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

"ملائکہ!" اس کی خاموشی پر انہوں نے اسے پکارا۔ علی کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھی۔

"میری طرف دیکھو بیٹا!" انہوں نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر ان کا پریشان ہونا لازمی تھا۔

"کیا ہوا ملائکہ! کیا میں نے غلط کیا؟" اس نے کچھ نہیں کہا تھا بس ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔ لیکن اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی۔

"ملائکہ!" جعفر حسین بہت پریشان ہو گئے تھے۔

ملائکہ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا جو اس کے آنسوؤں سے پریشان ہو گئے تھے۔ اپنے جان چھڑکنے والے باپ کو کیا تکلیف دینے جا رہی تھی۔ اس شخص کے لیے جس کی ماں نے اس کے لیے وہ الفاظ استعمال کیے تھے جو اس کے لیے بڑی گالی سے بھی زیادہ تھے۔ اسے یونہی روتا دیکھ کر انہوں نے بے چینی سے نوشابہ اور علی کو دیکھا جو خود بھی پریشان نظر آ رہے تھے۔

"ملائکہ! کچھ تو بولو بیٹا! میں پریشان ہو رہا ہوں۔ کیا میں نے ہاں کہہ کر غلط کیا؟" اور اب کی بار اسے بولنا پڑا تھا۔

"نہیں ڈیڈی! آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔" بڑی مشکل سے یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔

"تو میری جان! ایسے کیوں رو رہی ہو؟" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

"ڈیڈی! میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔" وہ ایک بار پھر روتے ہوئے ان کے سینے سے لگ گئی تو اب کی بار وہ پرسکون ہو کر مسکرائے تھے۔

"تم تو میری جان ہو ملائکہ! میں کبھی بھی تم کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا اور کروں گا بھی نہیں۔ لیکن لڑکی کا اصل گھر تو اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔ بیٹی کو اچھا جیون ساتھی مل جائے یہ تو ہر باپ کی دعا ہوتی ہے۔ ابراہیم کو دیکھ کر مجھے لگا میری ساری دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔ ابراہیم مجھے بہت پسند ہے اور مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

ان کے بازو اس کے گرد پھیلے تھے جبکہ اب اس کے آنسو تھم گئے تھے۔

علی نے روتی ہوئی نوشابہ کو ساتھ لگا کر دلاسا دیا۔ وہ

مسکرا رہا تھا جبکہ نظریں ملائکہ پر جمی تھیں۔ کل اس کا جارحانہ انداز اور آج اتنی فرماں برداری یہ بھی شعلہ اور کبھی شبنم وہ ابھی تک حیران تھا لیکن جو بھی تھا اس کی ایک ہاں نے سب ٹھیک کر دیا تھا۔

"میں اور تمہاری مما ابھی فیروز کی طرف سے ہی آ رہے ہیں۔ ہم منگنی کی ڈیٹ فکس کرنے گئے تھے لیکن وہ دونوں باپ بیٹا کچھ اور ہی سوچے بیٹھے تھے۔ وہ لوگ نکاح کرنا چاہتے ہیں۔"

ان کی تفصیل پر اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"لیکن ڈیڈی!" وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ "میرا ماسٹرز؟ میں اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔"

"آف کورس بیٹا! میں جانتا ہوں۔ ابھی صرف نکاح ہی ہو گا۔ رخصتی تو ہم تمہارے ایگزام کے بعد ہی کریں گے۔ چلو اب ڈیڈی کو مسکرا کر دکھاؤ۔"

ان کے کہنے پر وہ بڑی دقت سے مسکرائی۔ اس وقت وہ اتنی پریشان تھی کہ مزید کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔

☼ ☼ ☼

اسے نوشابہ آنٹی کا فون آیا تھا کہ سوموار کو ملائکہ کا نکاح ہے۔ یہ بات تھی تو بہت خوشی کی لیکن خوشی سے زیادہ اسے حیرت تھی۔ ملائکہ ابراہیم کے ساتھ نکاح کے لیے مان کیسے گئی وہ ملائکہ کو بچپن سے جانتی تھی اور شادی کے لیے اس کی جو لاجک تھی اس سے بھی وہ واقف تھی۔ اس کے نزدیک شادی اس سے کرنی چاہیے، جس سے آپ محبت کرتے ہوں اور ابراہیم سے محبت تو دور کی بات وہ تو اسے پسند بھی نہیں کرتی تھی۔ پھر اس نے یہ فیصلہ کیسے کیا؟ وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اسی سوال کا جواب سوچ رہی تھی اور پھر جیسے اس کے دماغ میں کلک ہوا تھا۔ اس دن فراز کی امی سے بات کرنے کے بعد اس کے چہرے پر جو گمبھیرتا تھی "یقیناً" یہ اس کا ردعمل تھا۔ اس نے ٹرن لیتے ہوئے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔ "انسان ہمیشہ جو چاہتا ہے ویسا نہیں ہوتا لیکن انسان ہمیشہ اس غرور میں مبتلا رہتا ہے

کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔" اس کو دیکھتے ہی گیٹ کیپر نے گیٹ وا کر دیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اسے غیر معمولی ہلچل کا احساس ہوا تھا۔ اس کا سب سے پہلا سامنا نوشابہ سے ہوا تھا۔

"سب ٹھیک تو ہے نا آنٹی؟"

"ہاں بیٹا! سب ٹھیک ہے۔ بس نکاح کی وجہ سے مصروفیت بڑھ گئی ہے اور اپنی دوست کو تم جانتی ہو۔ کتنی ضدی ہے۔ کب سے کہہ رہی ہوں بیوٹی پارلر کا چکر لگا لو۔ اب تم اسے پارلر لے جاؤ۔ میں بازار جا رہی ہوں۔"

وہ جس عجلت میں بول رہی تھیں اسی عجلت میں اس کا شانہ تھپک کر باہر نکل گئیں تو وہ ملائکہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازہ کھولتے ہی وہ اسے نظر آ گئی جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے یقیناً "اس کی ہی منتظر تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس کی سرخ آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔

"اچھی دوست ہو۔ تمہارے نکاح کی خبر مجھے تمہارے بجائے آنٹی نے دی ہے۔" وہ بیڈ پر اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"جلے پر نمک چھڑکنے آئی ہو؟" ملائکہ کی بھرائی ہوئی آواز پر اس نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"خود کو اذیت دینے سے بہتر یہ تھا کہ تم انکل کو صاف صاف بتا دیتیں۔" حنا کے مشورے پر وہ جیسے تڑپ ہی اٹھی تھی۔

"کیا بات کرتی میں ڈیڈی سے کہ مجھ سے پوچھے بغیر وہ کیوں ہاں کر آئے؟ اور فراز اس نے تو میرے لیے کوئی راستہ ہی نہیں چھوڑا۔ اس کے لیے میں اپنے ڈیڈی سے آرگیو کرتی۔ جس کی امی نے میری اتنی انسلٹ کی۔"

"لیکن ملائکہ! اس میں فراز کا تو کوئی قصور نہیں۔ وہ تو تمہیں چاہتا ہے اور اس سے بڑی بات تم بھی اسے پسند کرتی ہو۔"

"تم نے شاید ٹھیک سے سنا نہیں تھا۔ اس کی امی نے کیا کہا تھا کہ وہ مجھ جیسی مغرور خود سر لڑکی کو کبھی اپنی بہو نہیں بنائیں گی اور فراز کہاں گیا۔ اس کی محبت کہاں ہے؟ اس بات کو تین دن گزر گئے ہیں۔ اس نے ایک بار بھی مجھ سے رابطہ نہیں کیا اور تم جانتی ہو وہ اپنے ابو سے کتنا ڈرتا ہے۔ ابھی تو میں اپنے گھر ہوں تو اس کی امی نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا اور اگر جو میں...."

غصے کے مارے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"اور اس فراز کی خاطر جو میری عزت نہیں کروا سکتا۔ میں اس کے لیے اپنے ڈیڈی کے مان کو توڑتی۔ امپاسبل! اس دنیا میں سب سے پہلے میرے لیے میرے ڈیڈی ہیں پھر کوئی اور...." اس کے جذباتی انداز پر حنا مسکرا دی۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر یہ غصہ کیوں؟ انکل سے زیادہ کوئی بھی تمہارے لیے بہتر فیصلہ نہیں کر سکتا اگر انہوں نے ابراہیم کو تمہارے لیے پسند کیا ہے تو کوئی تو بات ہو گی۔"

"مجھے نہیں پتا۔ مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ مجھے وہ پسند نہیں۔"

"اچھا بابا! جہاں تم نے انکل کی خاطر اتنا کیا ہے وہاں تھوڑا اور کر لو اور اسے قسمت کہتے ہیں میری جان!" حنا نے بہت پیار سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

"اپنے دل سے ہر بری بات کو ہٹا دو اور اپنی نئی زندگی کا آغاز خوشی سے" مسکراتے ہوئے کر دو ویسے بھی نکاح کے بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے" تمہیں خود بخود ابراہیم سے محبت ہو جائے گی۔"

"امپاسبل۔ تم جانتی ہو حنا ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" ملائکہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"چلو اب اٹھو" میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" حنا نے سرسری لہجے میں کہہ کر بات ختم کر دی۔ کیونکہ بحث کرنے کا فائدہ بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

خود کو جتنا بے بس وہ اس وقت محسوس کر رہی تھی۔ اتنا تو اس نے زندگی کے کسی لمحے میں محسوس نہیں کیا۔ اس نے زندگی کا ہر فیصلہ حتیٰ کہ معمولی سے معمولی چیز اپنی پسند سے لی تھی۔ اس کے کمرے کا پینٹ بیڈ شیٹ حتیٰ کہ گلدان میں سجائے جانے والے پھول بھی اس کی مرضی کے ہوتے تھے۔ لیکن اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی سے نہیں ہوا تھا۔ اسے ڈیڈی کی پسند پر اعتراض نہیں تھا لیکن اسے اس شخص پر اعتراض تھا جسے اس کے لیے پسند کیا گیا تھا۔ وہ اسے ناپسند کرتی تھی لیکن اس کے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر اس کی زندگی میں اس کی پسند فراز نہیں تھا تو ابراہیم کو بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ بے چین ہو کر کھڑی ہو گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے نوشابہ اس سے کہہ کر گئی تھیں، ابراہیم آنے والا ہے تاکہ نکاح کا جوڑا اس کی مرضی سے خریدا جا سکے۔ وہ نوشابہ کو انکار کرنا چاہتی تھی لیکن ان کے بالکل پیچھے اندر داخل ہوتے جعفر حسین کو دیکھ کر اس کے کھلے ہونٹ پھر بند ہو گئے تھے۔

اسے حنا کا خیال آیا تھا۔ وہ حنا کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی تب ہی نوشابہ کے ساتھ ابراہیم اندر داخل ہوا تھا اور اس کا ریسیور کو تھامتا ہوا ہاتھ وہی ساکت ہو گیا تھا۔

اسے یونہی ساکت کھڑا دیکھ کر ابراہیم نے سلام کرنے میں پہل کی تھی لیکن وہ جواب دینے کے بجائے رخ موڑ گئی۔ نوشابہ نے شرمندگی سے ابراہیم کو دیکھا۔

"آپ بیٹھو بیٹا!"

"نہیں آنٹی! دیر ہو جائے گی۔" اس نے ہاتھ پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا جہاں سات بج رہے تھے اور نو بجے تک دکانیں بند ہو جاتی تھیں۔

"ملائکہ! تم تیار ہو جاؤ۔" نوشابہ نے غصے سے اس کا حلیہ دیکھا۔ کل جو اس نے پارلر جانے کے لیے کپڑے پہنے تھے۔ وہ اس نے تبدیل نہیں کیے تھے حالانکہ وہ اسے بتا چکی تھیں "ابراہیم آنے والا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں مما!" وہ اب سیدھی کھڑی ہو گئی

تھی۔

"اچھا آپی!" وہ ان سے جانے کی اجازت لے رہا تھا۔ وہ مسکرا دیں تو وہ ایک نظر ملائکہ کو دیکھ کر باہر نکل گیا۔

نوشابہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔ "تمہیں ہوا کیا ہے؟" وہ اس کے رویے کو سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"اب جاؤ بھی۔" اسے یونہی کھڑا دیکھ کر انہوں نے کہا تو وہ ہونٹ بھینچتے باہر نکل گئی۔

"کیا ہوگا اس لڑکی کا۔" انہوں نے پریشانی سے اسے جاتا دیکھا۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ کار مین روڈ پر ڈال کر اس نے گردن گھما کر ملائکہ کی طرف دیکھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس کے سوال پر وہ جو سامنے شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ تب ہی ابراہیم نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا اس کی نظروں میں جو سوال تھا وہ اس نے پڑھ لیا تھا۔

"میرا مطلب ہے۔ میں یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ صرف کچھ ہی راستے جانتا ہوں۔ آپ نے شاپنگ کہاں سے کرنی ہے۔ آپ کو مجھے گائیڈ کرنا ہوگا۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ بالکل خاموش رہا۔ گاڑی میں کچھ وقفوں کے بعد جو آواز آتی تھی وہ اس کی تھی وہ بھی صرف ان الفاظ پر مشتمل تھی "لیفٹ" "رائٹ اسٹریٹ۔" وہ فورٹریس میں داخل ہوگئے تھے۔ گاڑی میکڈونلڈ کے آگے پارک کر کے وہ شاپس کی طرف مڑے تھے۔ اس کے ساتھ سے پہلے ہی اسے الجھن ہو رہی تھی اور اب اس کے ساتھ چلنے سے بھی اسے الجھن ہو رہی تھی۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی اسے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔

اس نے بڑے سرسری انداز میں گردن گھما کر اس کا چہرہ دیکھا لیکن وہ اردگرد فدا ہوتی لڑکیوں کی نظروں سے بے نیاز سیدھا چلتا جا رہا تھا۔ شاید اسے اس طرح کی نظروں کی عادت تھی۔ اس کا خیال تھا' وہ اس سے اس کے حوالے سے نکاح کے حوالے سے یا ایک آدھ کوئی رومانٹک جملہ بولے گا تو وہ اس کی طبیعت صاف کر دے گی۔ لیکن یہاں تو بالکل الٹ تھا۔

اپنی سوچ کے اختتام پر اسے جو شاپ نظر آئی وہ اس میں گھس گئی۔ اور اس کی تقلید میں وہ بھی۔ وہ ریک میں لٹکے کپڑوں کو ادھر ادھر کر رہی تھی جب اچانک وہ اس کے پیچھے آکر بولا۔

"کچھ پسند آیا؟" وہ ایک دم گھبرا کر پلٹی تھی۔ اس کی خوف زدہ نظریں دیکھ کر پہلی بار وہ محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرایا۔

"کیا میں نے آپ کو ڈرا دیا؟" اس کے ہونٹوں کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"ابھی مجھے ڈرانے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔" وہ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئی۔ لیکن بظاہر خاموشی سے پلٹ گئی۔

"میں آپ کی کچھ مدد کروں؟" وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے تھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کے پیچھے سیلز مین بھی تھا جو ابراہیم کے بولنے پر اسے گھور رہا تھا جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ یقیناً وہ بھی اس کے منہ سے اتنی صاف اردو سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ وہ جس ریک کے آگے کھڑی تھی وہاں سے سائیڈ پر ہو گئی جس کا مطلب تھا۔

"تم دیکھ لو۔" وہ سب فینسی سوٹ تھے۔ وہ اب ایک ایک کر کے سب سوٹ دیکھ رہا تھا پھر کچھ کنفیوژ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں آپ کو صرف گائیڈ کر سکتا ہوں۔ سلیکٹ تو آپ کو کرنا ہوگا۔ کیونکہ پاکستانی ویڈنگ اور اسپیشلی برائیڈل ڈریس کا مجھے کوئی ایکسپیرینس نہیں۔"

"آپ کس فنکشن کے لیے ڈریس لینا چاہ رہے ہیں؟" آخر کار سیلز مین کو اپنی خدمات پیش کرنی پڑیں۔

"ہمارا نکاح ہے۔"

ابراہیم نے اس کی اور اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔ سیلز مین نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا جبکہ ملائکہ کا منہ

بن گیا تھا۔ سیلز مین انہیں لہنگے دکھا رہا تھا۔

"پلیز یہ رہنے دیں۔" اتنے بھاری لہنگے دیکھ کر اسے ویسے ہی اختلاج ہونے لگا تھا۔

"اس میں کیا پرابلم ہے؟" ابراہیم کو شاید وہ پسند آ رہے تھے جو اس کے ریجیکٹ کرنے کی وجہ پوچھنے لگا۔ اس سے پہلے وہ جواب دیتی سیلز مین بول پڑا۔

"شادی اور ولیمے دونوں فنکشن میں لہنگے پہنے جاتے ہیں۔ شاید اس لیے میم منع کر رہی ہیں۔" ابراہیم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ساڑھی دکھاؤں۔"

"نہیں۔" سیلز مین نے پہلے ابراہیم اور پھر ملائکہ کو دیکھا تو ابراہیم کندھے اچکا کر رہ گیا۔

بڑی مشکل سے اسے گلابی کلیوں والا لمبا فراک اور پاجامہ پسند آیا تھا۔ اٹھارہ ہزار ادا کر کے وہ باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر ملائکہ کو مخاطب کیا تھا۔

"تو کل ہمارا نکاح ہے؟" ملائکہ نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

"سب لڑکیاں اتنی ہی ڈریس کر شاپنگ کرتی ہیں یا یہ صرف آپ کی کوالٹی ہے؟" اس کی سوالیہ نظریں محسوس کر کے وہ مزید بولا۔

"اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ فیوچر پلاننگ میں میں یہ بات انکلوڈ کر لوں۔" تو وہ سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی۔

اس کی بے زاری اور گریز کو ابراہیم نے اس کی حیا سمجھا تھا اور یہی حیا اس کے لیے اٹریکشن کا باعث تھی۔

وہ دونوں اب جیولر کی شاپ میں داخل ہو رہے تھے۔ سیٹ لینے کے بعد وہ عجلت میں باہر نکلی تھی۔ اب پتا نہیں پاؤں مڑا تھا یا کوئی چیز پاؤں کے نیچے آئی تھی وہ ایک دم لڑکھڑائی تھی۔ اسے لڑکھڑاتے دیکھ کر ابراہیم نے ایک دم آگے بڑھ کر اسے بازوؤں سے تھاما تھا۔ پاؤں میں تکلیف اتنی شدید تھی کہ اپنے بوجھ پر کھڑا ہونا اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔

"ملائکہ! آر یو اوکے؟" ابراہیم اس پر جھکا پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ اسے ایک دم اپنے بازوؤں پر اس کے لمس کا احساس ہوا تو وہ ساری تکلیف پس پشت ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے غیر محسوس طریقے سے خود کو اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکالا۔ اس کے گریز پر وہ جو پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا بے ساختہ مسکرا دیا۔

"آپ یہیں ٹھہریں میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" وہ اس سے کہتا ہوا بھاگنے کے انداز میں پارکنگ کی طرف گیا تھا وہ جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بڑی مشکل سے کھڑی سامنے سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس کی نظر سامنے سے آتے فراز پر پڑی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

"ملائکہ!" پکارنے کے ساتھ اس نے غور سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے اور یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہو؟" کہنے کے ساتھ اس نے اردگرد کسی کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟" اس کے الفاظ سے زیادہ اس کا لہجہ اجنبی تھا۔ فراز نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں واقعی پہچان کی کوئی رمق نہیں تھی۔

"میں فراز!" اپنی پہچان کرواتے ہوئے وہ خود ہکلا کر رہ گیا۔

"سوری۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا اور میں اجنبیوں سے بات نہیں کرتی۔ راستہ چھوڑو۔"

ابراہیم کی گاڑی دیکھ کر اس نے اپنے دکھتے پاؤں کو حرکت دی۔ درد کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی تھی لیکن وہ ضبط کرتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ فراز نہ سمجھنے والے انداز میں اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے پیچھے جا کر اس کی بے رخی کی وجہ معلوم کرتا۔ اس نے فٹ پاتھ کے کنارے پر ایک گاڑی رکتے اور اس میں سے ایک فارنر کو نکلتے دیکھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ملائکہ کا ہاتھ تھاما اور بڑی احتیاط کے ساتھ اسے فرنٹ ڈور کھول کر اندر

بٹھایا تھا۔ فراز کے ماتھے پر پڑنے والے بل بے ساختہ تھے۔ گاڑی چلتے ہی ملائکہ نے ایک انجانی لیکن جتاتی ہوئی نظر اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر ڈالی تھی۔ گاڑی میں اس وقت مکمل خاموشی تھی۔ وہ پوری طرح چہرہ شیشے کی طرف موڑے ہوئے تھی۔ جبکہ آنسوؤں سے اس کا سارا چہرہ گیلا ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنے چہرے کو صاف کیا تھا لیکن ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کی نظریں بے شک سامنے سڑک پر تھیں لیکن سارے محسوسات اس کی طرف متوجہ تھے۔

"ملائکہ! اگر آپ کو زیادہ چوٹ لگی ہے تو میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔" وہ گردن گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تو آپ رو کیوں رہی ہیں؟" اب وہ اسے کیا بتاتی کیوں رو رہی ہے۔ فراز کو دیکھ کر اس کے زخم پھر ہرے ہو گئے ہیں اور وہ کیسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کچھ پتا ہی نہ ہو اور تب اسے اپنے نکاح کا فیصلہ بالکل ٹھیک لگا تھا۔ گاڑی رکتے ہی اس نے اترنے کے لیے دروازہ کھولا تھا اس سے پہلے ابراہیم دروازہ کھول کر اس کی طرف آیا تھا۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے وہ بمشکل کھڑی ہوئی تھی۔

"میں چل سکتی ہوں۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔ وہ اس کا مطلب سمجھ رہی تھی۔ وہ اسے سہارا دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ایک بار بے اختیاری میں جو اس کا ہاتھ تھام چکی تھی۔ دوبارہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر آہستہ آہستہ اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ جبکہ وہ شاپنگ بیگز لیے اس کے پیچھے تھا۔ ان دونوں کو آتا دیکھ کر وہ تینوں جو لاؤنج میں بیٹھے تھے مسکرائے لیکن ملائکہ کا چہرہ دیکھ کر جعفر بے اختیار کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ملائکہ؟" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ جبکہ وہ ان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔

ابراہیم نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا جبکہ جعفر حسین کی سوالیہ نظریں دیکھ کر اسے بولنا پڑا۔

"وہاں روڈ پر ان کا پاؤں سلپ کر گیا تھا شاید ان کو چین زیادہ ہو رہا ہے۔" وہ کہنے کے ساتھ ملائکہ کو بھی دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ اس کے بالوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ جعفر تو اس کے آنسو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح سب بھول گئے تھے۔ لیکن نوشابہ بغور ابراہیم کا الجھا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"آپ بیٹھو بیٹا!" وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھیں۔

"نہیں آنٹی! I have to go! بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے شاپنگ بیگ صوفے پر رکھ دیے۔

"ابراہیم! بیٹھو بیٹا!" اسے مڑتا دیکھ کر جعفر حسین کو ہوش آیا۔

"اٹس او کے انکل! کل ملاقات ہو گی۔" وہ ملائکہ پر ایک نظر ڈال کر واپس مڑا تھا۔ جبکہ ملائکہ نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نوشابہ کے اشارے پر علی اس کے پیچھے آیا تھا۔

"ابراہیم بھائی!" وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا جب علی کی آواز سن کر رک گیا۔ وہ گیٹ سے نکل کر اس کی طرف آ رہا تھا۔

"سوری ابراہیم بھائی!"

"فار واٹ؟" ابراہیم نے مسکرا کر علی کو دیکھا۔

"وہ بجو..." وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"نیور مائنڈ۔"

"وہ دراصل بجو ڈیڈی سے بہت پیار کرتی ہیں ان کو چھوڑنے کے خیال سے وہ اپ سیٹ ہیں۔ اس لیے تھوڑی روڈ ہو گئی ہیں۔"

"آئی کین انڈر سٹینڈ۔" ابراہیم نے مسکرا کر علی کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ابراہیم کے گلے لگ گیا۔

"پھر کل آپ آ رہے ہیں؟" علی کے سوال پر وہ کھل کر مسکرایا۔

"میرے بغیر تو یہ فنکشن نہیں ہو سکتا۔" اس کے

جواب پر علی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

گھر سے باہر نکلتے وقت وہ الجھا ہوا تھا لیکن علی سے بات کر کے اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس نے ذہن سے ہر الجھن کو جھٹک دیا۔ اب وہ کل کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے ہونٹ خود بخود شوخ دھن بجانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

حنا کل کے فنکشن کے لیے کپڑے سلیکٹ کر رہی تھی جب ثریا نے فراز کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ کچھ دیر تو یونہی کھڑی اس کے آنے کی وجہ سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر باہر نکل آئی۔ فراز کا ان کے گھر آنا اس لیے حیران کن نہیں تھا کیونکہ وہ نہ صرف اس کا پڑوسی بلکہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔ لیکن حیران کن بات رات کے اس وقت آنا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ وہ بالکل سامنے بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

"خیریت تم اس وقت؟" حنا نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا تھا۔

"ہوں۔" وہ سیدھا ہو گیا۔

"ملائکہ کو کیا ہوا ہے؟"

"کیا ہوا ہے؟" فراز کے سوال پر وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"میں ابھی ابھی اس سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ کوئی تھا۔ کوئی فارز۔" وہ بہت الجھے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"وہ ملائکہ کا کزن ہے۔" حنا کے کہنے پر اس کے چہرے پر کچھ رونق آئی تھی۔

"اور اس کا ہونے والا شوہر بھی۔" اس کے سر پر دھماکا ہوا تھا۔ "کل ان کا نکاح ہے۔" وہ اب فراز کو دیکھنے کے بجائے اپنی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ ملائکہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بولا۔ حنا نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔

"کیوں ملائکہ ایسا کیوں نہیں کر سکتی۔ تم اس کی بے عزتی کرواؤ اور وہ تمہارے لیے اپنی اور اپنے گھر والوں کی نظروں میں ذلیل ہو جائے۔"

"بے عزتی میں نے؟" اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تم نے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم تمہاری امی نے ملائکہ کی کتنی انسلٹ کی ہے میں بھی وہیں تھی۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور میں حیران تھی۔ آنٹی رضوانہ اتنی چیپ لینگویج بھی یوز کر سکتی ہیں۔ ملائکہ کو تم جانتے ہو بہت اچھی طرح۔ پتا نہیں کیا چیز اسے تمہارا لحاظ کرنے پر مجبور کر گئی اس نے تو صرف تمہیں پہچاننے سے انکار کیا ہے۔ میں ہوتی تو تمہارا منہ توڑ دیتی۔" غصے کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو ملائکہ کو کنونس کرنے کے لیے تمہیں کتنی مشکل پیش آئی تھی اگر تمہاری امی تمہاری شادی ملائکہ کے ساتھ کرنے کو تیار نہیں تھیں تو تمہیں ملائکہ سے محبت 'میں ابل' چاہیے تھی اور تمہیں شادی نہیں کرنی تھی تو آنٹی سے فون کروانے کی کیا ضرورت تھی۔" اسے اتنا اشتعال تھا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔

"کیا کہا تھا امی نے؟"

فراز کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ حنا اس کا چہرہ دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ غلط بات کر چکی ہے۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں حنا؟" اسے مسلسل خاموش دیکھ کر وہ غصے سے بولا۔

"اس بات کو چھوڑو جو بات ختم ہو گئی اس کو دہرانے کا کیا فائدہ؟"

"یہاں بات فائدہ اور نقصان کی نہیں میری زندگی کی ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتیں میں اس وقت کیسا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ خیال کہ وہ کسی اور کی ہو جائے گی۔"

اس کی آواز بھرائی تھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اور حنا جانتی تھی وہ رو رہا ہے۔ اسے فراز پر بہت ترس آیا تھا۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے تمہارے اور ملائکہ دونوں کے لیے بہت افسوس ہے لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم بھول جاؤ اسے۔" فراز نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

"یہ ناممکن ہے کہ میں اسے بھول جاؤں۔" وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"تم کیا کرنے والے ہو؟" حنا نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"یہ مجھے بھی نہیں پتا، صرف یہ بتاؤ امی نے ملائکہ سے کیا کہا؟"

"فراز! میں نے کہا نا چھوڑو اس بات کو۔"

"حنا پلیز! تمہیں ہماری دوستی کی قسم۔" حنا نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا اور جو اس نے سنا تھا، اس نے فراز کو بتا دیا اور وہ کتنی دیر تک افسوس کے مارے بول ہی نہیں سکا۔

"حنا پلیز۔ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ملائکہ کو اتنا تو مجھ پر ٹرسٹ کرنا چاہیے تھا۔ تم پلیز میری اس سے بات کروا دو۔ اسے روکو ایسا مت کرے۔" اس کے ملتجی انداز پر وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"فراز! تم ملائکہ کو جانتے ہو۔ وہ اب میری بھی نہیں سنے گی اور دوسری بات کل اس کا نکاح ہے۔ سب کو پتا ہے اور یہ نکاح اب اس کی مجبوری ہی نہیں عزت کا بھی سوال ہے۔" وہ اسے تسلی دینے کے ساتھ سمجھانا بھی چاہتی تھی لیکن وہ مزید کچھ کہے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ فریج میں سامان رکھ کر جونہی مڑیں ممی کی نظر دروازے میں کھڑے فراز پر پڑی۔ اس کی نظروں اور آنکھوں کے تاثرات اتنے اجنبی تھے کہ ایک پل کے لیے وہ خوف زدہ ہو کر رہ گئیں۔ اپنے تاثرات چھپانے کے لیے وہ سنک کی طرف مڑ گئیں۔

"آپ نے ملائکہ سے کیا کہا؟"

"اوہ۔" انہوں نے گہرا سانس لیا تو اس کے چہرے کے تاثرات کی وجہ یہ تھی۔

"تو مل گئی تمہیں اطلاع؟" وہ مڑ کر طنزیہ انداز میں بولیں۔ وہ غصے میں چلتا ہوا ان کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"کیا سوچ کر آپ نے اس سے اتنی گھٹیا باتیں کیں؟"

"تو دے دی اس نے تمہیں ساری رپورٹ۔ جو مجھے ڈر تھا وہی ہو رہا ہے ابھی وہ آئی نہیں اور گھر میں فساد کھڑا ہو گیا۔ اس نے تمہیں حکم دیا اور تم اپنی ماں کے مقابل آ کر کھڑے ہو گئے جواب طلبی کے لیے۔"

"اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"تو تمہیں الہام ہوا ہے؟"

"امی! میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دیں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتی۔ تمہاری شادی اس سے ہو۔" اب کی بار وہ کچھ نہیں بولا۔ ابرو اچکا کر دیکھتا رہا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے۔ آپ کی اس حرکت سے میں باز آ جاؤں گا۔ میں پہلے بھی ملائکہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اب بھی میرا فیصلہ یہی ہے۔"

"اچھا۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کل ملائکہ کا نکاح ہے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں بتاتے ہوئے جیسے اس کا مذاق اڑایا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔

"علی کا فون آیا تھا تمہارے لیے" اس نے بتایا۔ انہوں نے کہنے کے ساتھ غور سے اس کا چہرہ دیکھا جہاں اشتعال کی جگہ دکھ نے لے لی تھی۔ انہیں بے اختیار تکلیف کا احساس ہوا۔

"فراز میری جان! بھول جاؤ اسے، میرا یقین کرو صالحہ سے شادی کر کے تم بہت خوش رہو گے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا چہرہ چھونا چاہا جسے اس نے جھٹک دیا تھا۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں اس طرح آپ نے ملائکہ کو مجھ سے دور کر دیا تو میں صالحہ سے شادی کر لوں گا۔ کبھی نہیں۔ اب آپ دیکھیں میں کیا کرتا ہوں۔"

وہ تیزی سے پلٹا اور اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔ جبکہ ان کی پُرسوچ اور پریشان نظریں ابھی تک دروازے پر ٹکی تھیں جہاں سے وہ نکلا تھا۔

☼ ☼ ☼

نکاح نامے پر سائن کرنے کے بعد ایک احساس تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ لیکن اپنی اس الجھن کے برعکس وہ مسکراتا ہوا سب سے گلے مل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ علی اور حنا کی ہمراہی میں اندر داخل ہوئی تھی۔ اس پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ اپنی نظریں اس پر سے ہٹا لینا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا کر نہیں سکا۔ [illegible] پوری رات [illegible] ملائکہ [illegible] کی بھول کا گمان ہو رہا تھا۔

وہ جھکی نگاہوں لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آ رہی تھی۔ اس کا ہر قدم اپنے دل میں دستک دیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی قریب آنے پر اس نے نظریں اس پر سے ہٹائیں۔ اس نے دل کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ چکی تھی مووی میکر اور فوٹو گرافر مستعدی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے فیروز صاحب اسٹیج پر آئے تھے۔ انہوں نے ملائکہ کا ماتھا چوم کر اسے ایک ڈبہ پکڑا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اس کی طرف آئے تھے۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس سے گلے ملنے کے بعد انہوں نے اس کا ماتھا چوما تھا۔ اسے بے اختیار اپنے باپ پر پیار آیا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے ملائکہ کا انتخاب کیا تھا اگر وہ اس کے لیے نہ سوچتے تو خود تو وہ اتنا خوب صورت فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسٹیج پر مبارک باد کے ساتھ تحائف کا تبادلہ بھی ہو رہا تھا۔ مخصوص وقت پر انہیں ہال خالی کرنا تھا اس لیے جلد ہی ریفریشمنٹ کا انتظام کروا دیا گیا۔ ویٹران کے سامنے رکھی ٹیبل پر کھانا سرو کر رہا تھا تب ہی حنا اور علی اسٹیج پر آئے تھے۔

"تم کیا لو گی؟" وہ اپنی پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا جب اس نے حنا کو کہتے سنا۔ اس نے گردن گھما کر ملائکہ کو دیکھا جس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس کو یوں دیکھتے ہوئے حنا نے دیکھ لیا تھا اور بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"ملائکہ! کچھ کھا لو ورنہ ابراہیم بھائی بہانے بہانے سے تمہیں دیکھتے رہیں گے۔"

حنا کے شرارتی انداز پر علی کا قہقہہ سنائی دیا تو اس نے جھینپتے ہوئے چہرہ سیدھا کر لیا۔ ملائکہ نے کھا جانے والی نظروں سے حنا کو دیکھا لیکن وہ اسے نظرانداز کرتی ہوئی ابراہیم کی طرف متوجہ تھی۔

"ویسے ابراہیم بھائی! مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی، میری فیلنگز جاننے کے باوجود آپ نے ملائکہ سے نکاح کر لیا اور مجھے آپ کو بھائی بنانا پڑا۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ ہنسی تو ابراہیم بھی کھل کر مسکرایا تھا۔

"اسے کہتے ہیں بلائنڈ لو۔" علی کے کہنے پر وہ تینوں ہنسنے لگے تھے جبکہ ملائکہ نے دانتوں پر دانت مضبوطی پر جما لیے تھے۔

"ابراہیم بھائی! آپ صرف مسکراتے رہیں گے یا ملائکہ سے کوئی بات بھی کریں گے۔"

حنا کے کہنے پر اس نے پھر مسکرا کر ملائکہ کے جھکے سر کو دیکھا۔

"کہیں آپ ہم دونوں کی وجہ سے تو چپ نہیں؟" اس نے اپنے اور علی کی طرف اشارہ کیا۔

"ساری عمر باتیں ہی تو کرنی ہیں۔" ابراہیم کے کہنے پر ان دونوں کی "اوہ!" بڑی لمبی تھی اس کے بعد بھی جب تک وہ بیٹھے رہے ابراہیم کو تنگ ہی کرتے رہے۔

آخر کار ایک خوب صورت تقریب کا اختتام ہوا۔ ابراہیم کے لیے سب کچھ خوب صورت تھا۔ لیکن

دوسری طرف اس کے بالکل برعکس تھا۔

٭ ٭ ٭

"لو مس حنا کی سواری آج پھر موجود ہے۔" علی نے اندر داخل ہوتے ہی کہا تھا۔ "یار! تم اپنے گھر کب ہوتی ہو؟"

"اپنی چونچ بند کرو اور تمہیں ملائکہ کی نکاح کی البم لانے کو کہا تھا۔" اس کے پوچھنے پر اس نے ساتھ لایا ہوا بیگ اس کے سامنے کر دیا۔

"واؤ کیا زبردست تصویر آئی ہے۔ دیکھو ملائکہ!" حنا نے توصیفی انداز میں ابراہیم اور ملائکہ کی تصویر دیکھ کر اسے پکارا جس نے بے زاری سے ایک نظر تصویر پر ڈال کر دوبارہ کتاب پر نظریں دوڑانی شروع کر دیں۔ علی حنا کی طرف جھکا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"تمہاری دوست کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ شادی کے بعد لڑکیاں کھل اٹھتی ہیں اور یہاں بیزاری کا یہ عالم ہے جیسے انہیں عمر قید سنا دی ہو۔"

ملائکہ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔ "علی تم جاؤ یہاں سے، تمہیں نظر نہیں آرہا۔ ہم پڑھ رہے ہیں۔" علی برا سا منہ بنا کر اٹھ گیا۔

"علی! امیرا سے کہنا، چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی بھیج دے۔" علی کو آواز دے کر وہ پھر البم پر جھک گئی۔

"تم نے اپنے تھوبڑے پر جو بارہ بجائے ہوئے ہیں، اسے ٹھیک کرو۔ علی بھی تمہیں دیکھ کر پریشان ہوتا ہے۔"

ملائکہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ "انہوں نے جو کرنا تھا وہ کر چکے اب جو میرا دل کرے گا میں کروں گی۔"

اس کے ضدی انداز پر حنا نے افسوس سے سر ہلایا۔ "تمہاری فراز سے بات ہوئی؟" ملائکہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تمہارے نکاح سے ایک دن پہلے فراز آیا تھا۔ میں نے اسے رضوانہ آنٹی کے فون کے بارے میں بتایا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ تمہارے نکاح کا سن کر وہ بہت ڈپریس ہو گیا تھا۔" حنا بات کرنے کے دوران غور سے اس کا چہرہ بھی دیکھ رہی تھی جو بغیر رکے مسلسل لکھنے میں مصروف تھی۔

"فراز کے گھر والے بہت پریشان ہیں کیونکہ۔۔۔" وہ رکی تھی۔ "کیونکہ تمہارے نکاح والے دن سے وہ غائب ہے۔"

اس نے ملائکہ کا قلم رکتے ہوئے دیکھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کا قلم پھر رواں تھا۔ امیرا چائے لے آئی تھی اس کے بعد حنا نے دوبارہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔

٭ ٭ ٭

"ابراہیم! کیا کر رہے ہو؟" فیروز صاحب نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا تو وہ جو بیگ پر جھکا تھا ایک دم سیدھا ہوا۔

"پیکنگ۔"

"کتنے بجے نکلو گے؟"

"چار بجے کی فلائٹ ہے۔ دو بجے نکلوں گا۔"

"جاؤ گے کیسے؟"

"میں نے علی سے کہا ہے وہ مجھے پک کرلے گا۔"

"ملائکہ بھی آئے گی؟" اس نے بے اختیار انہیں دیکھا جو مسکرا رہے تھے وہ بھی مسکرا دیا۔

"پتا نہیں۔"

"تم نے کہا تو تھا۔" ان کے کہنے پر وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"میں کہہ دوں۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں بولے۔

"اس کی ضرورت نہیں بابا! میں ان سے مل آیا ہوں۔"

"واہ کیا بات ہے اتنی راز ورانہ ملاقاتیں۔" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولے تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"بابا! آپ بھی نا! اس میں سیکرٹ کیا ہے۔ انکل آنٹی علی سب وہیں تھے اور اگر اکیلے مل بھی لیتا تو کیا۔ شی از مائی وائف۔"

"صدقے میں۔" فیروز صاحب نے اس کی بات اور چہرے کے تاثرات دونوں کو انجوائے کیا تھا۔

"بابا! آپ میرے ساتھ چلتے تو اچھا تھا۔ مجھے وہاں آپ کی فکر رہے گی۔"

"تم تین چار ہفتوں کے لیے جا رہے ہو، دو ہفتے تو سیٹ ہونے میں لگ جاتے ہیں۔ اس لیے میں نہیں جا رہا تم ریلیکس ہو کر جاؤ یہاں میری فکر کرنے کے لیے میری بہو ہے۔"

"بابا! آپ کی بہو ابھی گھر نہیں آئی۔"

"تو کوئی بات نہیں۔ ابھی نہیں آئی تو آجائے گی۔ تم لندن سے ہو کر آجاؤ۔ تب تک ملائکہ کے ایگزامز بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس کے ایگزامز ختم ہوتے ہی ہم رخصتی کروالیں گے۔ ٹھیک ہے۔"

"جی!" اس کی جی پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

٭ ٭ ٭

میٹنگ ختم ہونے کے بعد وہ بلڈنگ سے باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت لندن میں شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اسے یہاں آئے تین دن ہو گئے تھے لیکن وہ ابھی تک رچرڈ اور کیتھی سے مل نہیں سکا تھا۔ پہلے دن تھکن کی وجہ سے اور باقی دو دن کام کی وجہ سے۔ لیکن آج اس کا ارادہ کیتھی سے ملنے کا تھا۔ اس نے پاس سے گزرتی ٹیکسی کو روکا تھا جس وقت وہ کیتھی کے گھر پہنچا شام کے سائے رات میں ڈھل رہے تھے۔ اس نے مسکرا کر بیل دی تھی۔ وہ ہول کے آگے سے ہٹ گیا تھا جہاں سے اسے دیکھے جانے کی امید تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کیتھی کی آواز سنی۔ اس کے پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا تو اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر ایک چیخ کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا اور اس کے گلے لگ گئی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا، یہ تم ہو۔"

"نہیں یہ میرا بھوت ہے۔" ابراہیم کے کہنے پر اس نے ایک مکا اس کے کندھے پر مارا۔ وہ اس کا بازو تھام کر اسے اندر لے آئی۔

"مام! ہیری! دیکھو کون آیا ہے۔"

اس کے زور سے پکارنے پر وہ دونوں گھبرا کر باہر نکلے اور اسے دیکھ کر وہ دونوں بھی کیتھی جتنا حیران ہوئے تھے۔ وہ سب اس سے پاکستان کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور وہ "سب پرفیکٹ ہے" ظاہر کر رہا تھا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد کیتھی کی مام اپنی جاب پر چلی گئیں اور ہیری اپنے فرینڈ کے ساتھ۔ اس کا ارادہ بھی ان کے ساتھ نکلنے کا تھا لیکن کیتھی نے زبردستی اسے روک لیا۔ وہ رچرڈ کو فون کر رہا تھا جب کیتھی کافی کے مگ اور اسنیکس لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ رچرڈ سے بات کے دوران وہ کیتھی کی نظریں خود پر محسوس کر رہا تھا۔ فون بند کر کے اس نے کیتھی کی طرف دیکھا جو اس کے دیکھنے پر مسکرا دی۔

"کیا تمہیں ابھی بھی یقین نہیں آیا کہ میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"نہیں۔ میں یہ دیکھ رہی ہوں تم پہلے کی نسبت ہینڈسم ہو گئے ہو اور خوش بھی لگ رہے ہو۔" اس کی بات پر وہ مسکرایا تھا۔

"ہاں میں بہت خوش ہوں میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز بھی ہے۔"

"اوہ رئیلی کیا؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"میں نے شادی کر لی ہے۔"

"واٹ۔" کیتھی کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ "میں سمجھی نہیں۔" اسے اپنے اردگرد کی ہر چیز دھندلی ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"یار! میری شادی ہو گئی ہے۔ میری کزن ہے ملائکہ۔" وہ بہت خوشی سے اسے بتا رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ جسے سرپرائز کہہ رہا ہے وہ کسی کے لیے شاک ہو سکتا ہے۔ وہ مسکراتا ہوا اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھ کر اسے بتا رہا تھا۔ لیکن مسلسل خاموشی پر اسے نظریں اٹھا کر اسے دیکھنا پڑا اور اسے

جیسے گلا گھٹ رہا تھا وہ رو رہی تھی۔ وہ اس کی شادی کا سن کر رو رہی تھی اور وہ یہ پوچھتا' وہ کیوں رو رہی ہے؟ وہ اتنا بے وقوف تو نہیں تھا۔ "لیکن یہ سب ہوا کیسے؟" وہ کوشش کے باوجود ایک لمحہ بھی یاد نہ کرسکا۔ اس کے دل پر جیسے کوئی بوجھ سا پڑنے لگا تھا۔

"کیا یہ تمہاری لو میرج ہے؟" اس کی نم آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"تم کہہ سکتی ہو۔ بابا نے اسے میرے لیے پسند کیا تھا۔ لیکن اب وہ میری بھی پسند ہے۔"

"ابراہام! کیا تم نے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا؟"

یہ کہتے ہوئے اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی تھی۔ وہ مزید پریشان ہو گیا۔

"دیکھو کیتھی! میں بالکل بھی تمہاری فیلنگز کے بارے میں نہیں جانتا تھا اور اگر جانتا بھی ہوتا تو بھی میں ہیلپ لیس تھا۔ کیونکہ ہمارے درمیان بہت ڈفرنس ہیں۔"

"ایسا کیا ڈیفرنس ہے؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

ابراہیم کچھ دیر بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

"وہ فرق مذہب کا ہے۔ تم جانتی ہو' میں مسلمان ہوں۔" اس نے ایک دم ابراہیم کے ہاتھ تھام لیے تھے اور جب بولی تو اس کی آواز بہت بے بس اور التجا لیے ہوئے تھی۔

"میں تمہاری خاطر مذہب بدل سکتی تھی۔ ابراہام! بلکہ ابھی بھی میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ تم مجھ سے شادی کرلو۔"

ابراہیم کو کرنٹ لگا تھا اور اس نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ کھینچے تھے۔ کیتھی نے دکھ سے اس کی حرکت کو دیکھا۔ لیکن یہ اس کی بالکل غیر ارادی حرکت تھی۔ وہ ایک دم کھڑا ہوا تھا۔

"یہ ممکن نہیں کیتھی! پہلی بات تو یہ کہ تمہارا اس طرح اسلام قبول کرنے کا فائدہ نہیں کیونکہ تم مجھے حاصل کرنے کے لیے ایسا کرو گی جبکہ اسلام اصل میں ہے کیا؟ تم جانتی ہی نہیں' دوسرا میری شادی ہو چکی ہے اور میں ملائکہ سے محبت کرتا ہوں۔"

اس نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی اور تیزی سے وہاں سے نکل آیا۔ باہر یخ ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔ لیکن اس کا دماغ اتنا گرم ہو چکا تھا کہ اسے ٹھنڈ محسوس ہی نہیں ہوئی۔ وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔

اسے کیتھی پر غصہ نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا دل پر زور نہیں لیکن اسے افسوس تھا' شاید اس نے ایک اچھا دوست کھو دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے چار دنوں میں وہ کافی ڈپریس رہا تھا۔ کچھ کام کی زیادتی کی وجہ سے۔ کچھ کیتھی کی وجہ سے' دو دن تو کیتھی نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا لیکن تیسرے دن صبح اس کی کال آئی تھی جو اس نے ریسیو نہیں کی تھی اور پھر سارا دن وقتاً "فوقتاً" وہ اسے کال کرتی رہی لیکن اس نے کوئی کال ریسیو نہیں کی۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا' وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ کیتھی سے اپنا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنا سارا دھیان ملائکہ کی طرف منتقل کر دیا۔ وہ اسے پچھلے تین دن سے فون کر رہا تھا لیکن وہ اس کا فون ریسیو نہیں کر رہی تھی اس نے میسج بھی کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے تھک کر فیروز صاحب سے ملائکہ کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے ایگزام ہو رہے ہیں اور اس نے خود کو تسلی دی کہ شاید مصروفیت کی وجہ سے اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی اور آج اسے لندن آئے دوسرا ہفتہ تھا وہ اداس ہو رہا تھا۔ لیکن کیوں؟ وہ نہیں جانتا تھا وہ پاکستان کیوں جانا چاہ رہا تھا۔

کافی پیتے ہوئے وہ شیشے کے پار سڑک پر آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کا ذہن متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ تب ہی اس کے موبائل پر بیل بجی تھی۔ اس نے قدرے چونک کر اسکرین کی طرف دیکھا۔

رچرڈ کا نمبر تھا۔ وہ اس سے ملنا چاہ رہا تھا۔ وہ خود بھی اپنی اس کیفیت سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ اس نے اس کافی

شاپ میں جہاں وہ بیٹھا تھا اس کا پتا بتا کر پھر اپنی نظریں شیشے کے پار ٹکا دیں۔ ٹھیک بیس منٹ بعد جب وہ کافی ختم کر چکا تھا اس نے رچرڈ کے ساتھ کیتھی کو آتے دیکھا۔ ایک پل کے لیے اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا وہ کیا کرے۔ اس سے پہلے وہ یہاں سے غائب ہونے کے بارے میں سوچتا' رچرڈ اور کیتھی اس کے سامنے تھے۔ اس سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ کیتھی نے رچرڈ کو اس کی شادی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اب وہ اس پر ناراض ہو رہا تھا۔ اس دوران کیتھی بالکل خاموش تھی اور اس نے بھی اسے نہیں بلایا تھا۔ رچرڈ کا فون آیا تھا اور وہ معذرت کر کے باہر نکلا تھا۔ وہ ایک بار پھر شیشے کے پار دیکھنے لگا۔ جب اس نے کیتھی کو پہلی بار اسے مخاطب کرتے ہوئے سنا تھا۔

"ابراہام!" اس نے شیشے پر سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تو تم میرا فون کیوں نہیں ریسیو کر رہے تھے۔" اس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا جو میز پر رکھے تھے۔ اگلے ہی پل اس کے دائیں ہاتھ پر کیتھی کا ہاتھ ٹھہرا تھا۔

ابراہیم نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں نمی ٹھہری تھی۔

"آئی ایم سوری ابراہیم! میں نے تمہیں ہرٹ کیا۔ لیکن اس وقت میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ تم پلیز مجھ سے ناراض نہ ہو۔"

ابراہیم نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"میں تم سے ناراض نہیں کیتھی! بلکہ میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں بے شک انجانے میں سہی میں نے تمہیں تکلیف دی ہے۔ لیکن یہ سب میرے اختیار میں نہیں تھا اور جہاں تک تمہیں اگنور کرنے کی بات ہے تو صرف اس لیے کہ تمہیں تکلیف نہ ہو۔"

"نہیں ابراہام! میں نے جتنا رونا تھا میں رو چکی ہوں اور حقیقت کو قبول بھی کر چکی ہوں۔ میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا ہے۔ میں اپنے پیار کے لیے اپنے اتنے پیارے دوست کو کھونا نہیں چاہتی۔" وہ آخر میں مسکرائی تو ابراہیم کے دل سے بہت بڑا بوجھ ہٹا تھا۔

"شادی کی ڈیٹ فکس ہو جائے تو میں تمہیں کارڈ بھیجوں گا۔ تم آؤ گی نا!"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"ویسے تو مجھے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ ملائکہ کیسی ہے۔ ظاہر ہے تم نے اسے پسند کیا ہے تو وہ خوب صورت ہی ہوگی۔ لیکن پھر بھی۔ کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ خوب صورت ہے؟" اور ابراہیم کی نظریں بے ساختہ اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت خوب صورت تھی لیکن وہ کیا کرتا اسے ہر چہرے میں ملائکہ ہی نظر آتی تھی۔ چہرے سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں اس کی سبز آنکھوں پر ٹک گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سبز آنکھیں بڑی بڑی کالی آنکھوں میں بدل گئیں۔ بولتی ہوئی ساحر آنکھیں' جنہوں نے پہلی بار اس کی دل کی دنیا میں ہلچل مچائی تھی۔ کیتھی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی اور محسوس بھی کر رہی تھی کہ اس کی نظریں بے شک اس پر ہیں لیکن وہ اس کے چہرے میں کسی اور کا چہرہ دیکھ رہا ہے۔

"مجھے میرا جواب مل گیا ہے۔" اس کے بولنے پر وہ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا' رچرڈ واپس آگیا تھا پھر ان تینوں کے درمیان بالکل عام سی باتیں ہونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"ابراہیم بھائی کب آرہے ہیں؟"

"مجھے کیا پتا' میں کیا سیکریٹری لگی ہوں۔" اس نے برا مانتے ہوئے کہا تھا۔

"انہوں نے بھی جا کر تمہیں کوئی فون نہیں کیا؟"

حنا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دیا تھا بلکہ کئی بار دیا تھا میں نے اٹھایا ہی نہیں۔" ملائکہ نے بڑے فخر سے اپنا کارنامہ بیان کیا۔ حنا نے بڑے افسوس سے اسے دیکھا۔

"اگلے پیپر کی تیاری کیسی ہے؟"

"کچھ اتنی خاص نہیں اور ہاں یاد آیا' مجھے نوٹس دے دینا۔"

"میرے نوٹس فراز کے پاس ہیں بے چارے نے پیپر بھی نہیں دیے۔" حنا نے افسوس بھرے انداز پر بھی وہ سیدھا دیکھتے ہوئے کار چلاتی رہی۔ لیکن جانے کے باوجود وہ حنا سے فراز کے امتحان نہ دینے کی وجہ نہ پوچھ سکی۔ حنا نے کن انکھیوں سے کار چلاتی ملائکہ کی طرف دیکھا۔

"فراز کتنے دن سے گھر سے غائب تھا اور اس نے ایگزام بھی نہیں دیا جانتی ہو کیوں۔ کیونکہ وہ ہسپتال میں ہے۔"

ملائکہ کا پاؤں ایک دم بریک پر پڑا تھا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ وہ بھونچکے تغیر حنا کی شکل دیکھتی رہی اور اس کے چہرے پر نظر آنے والی فکر مندی وہ صاف دیکھ سکتی تھی۔ ان دونوں کی نظریں سامنے نظر آتی عمارت پر تھیں۔

"میں کیا ٹھیک کر رہی ہوں؟" اس نے سامنے سے نظریں ہٹا کر حنا کو دیکھا۔

"کسی بیمار کی عیادت کرنا ثواب کا کام ہے اور فراز سے جو بھی اختلاف ہو بہر حال وہ ہمارا دوست ہے اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" "یقیناً" اس کا اشارہ اس کے نکاح کی طرف تھا۔

ملائکہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ باہر نکل کر اس نے اپنے پیچھے دیکھا۔ حنا گاڑی میں ہی تھی۔

"تم نہیں آؤ گی؟" وہ کھڑکی پر جھکی پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تم جاؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گی۔"

ملائکہ نے اس سے اصرار نہیں کیا تھا۔ وہ اب ہسپتال کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اسے فراز پر جتنا غصہ تھا اس کا رد عمل تو یہ ہونا چاہیے تھا' وہ کبھی اس سے نہ ملتی لیکن اس کے محض اس کے بیمار ہونے کا سن کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے اس چیز کی بھی پروا نہیں کی تھی وہاں اس کے گھر والے بھی ہو سکتے ہیں خاص کر اس کی امی۔ وہ سب کیا سوچیں گے۔ وہ اب پرائیویٹ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مطلوبہ کمرے کے آگے رک کر اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کیا تھا۔ دروازہ کھلا تھا' اس نے ذرا سا جھانک کر دیکھا' اندر ایک نرس موجود تھی جو شاید میڈیسن دینے آئی تھی۔

اس پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں فراز پر ٹھہر گئیں تب ہی فراز نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے اس کی بجھی ہوئی آنکھوں کو روشن ہوتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"ملائکہ!" اس کے پکارنے پر نرس نے مڑ کر دیکھا تو وہ کمرے میں آ گئی۔ اس نے طائرانہ نظر کمرے میں ڈالی۔ کمرہ خالی تھا' اس کے گھر کا کوئی فرد موجود نہیں تھا۔

وہ ایک ہاتھ میں موبائل تھامے دوسرے ہاتھ سے شولڈر بیگ کے اسٹریپس کو اضطرابی انداز میں کھینچ رہی تھی۔ وہ جان بوجھ کر فراز کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی لیکن جب کافی دیر تک وہ کچھ نہیں بولا تو اس کو دیکھنا ہی پڑا۔ وہ رو رہا تھا۔ اس کا اضطراب اور بڑھ گیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا ملائکہ؟ میری محبت کا جواب یہ تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اگر امی نے کچھ الٹا سیدھا کہا تھا تم مجھ سے تو کہتیں۔ میں سب ٹھیک کر لیتا۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

ملائکہ نے اس کی طرف دیکھا۔ غصہ' محبت اور بے بسی۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔

"کیا ٹھیک کرتے تم جب ٹھیک کرنا تھا تب تو تم نے کیا نہیں اور جس گھر میں میرے لیے عزت نہ ہو' وہاں میں نہیں رہ سکتی۔"

"میں تمہیں وہاں رکھتا بھی نہیں۔ میں نے آج بھی تمہارے لیے گھر چھوڑا ہے۔ تب بھی تمہارے لیے میں سب چھوڑ دیتا۔"

ملائکہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے ایک دم بہت سارا رونا آیا تھا۔

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں فراز اب سب ختم ہو چکا ہے۔" وہ سر جھکا کر اپنے جوتے کی نوک ماربل فرش پر مارنے لگی۔

"کچھ ختم نہیں ہوا ملائکہ!" وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ "اگر سب ختم ہوا ہوتا تو تم آج یہاں نہ آتیں۔"

"میں صرف ہماری دوستی کی وجہ سے یہاں ہوں۔" اسے اپنی ہی آواز بہت کمزور لگی تھی۔

"جھوٹ۔ یہ دوستی نہیں پیار ہے۔ اس لیے میری تکلیف کا سن کر تم یہاں ہو۔" ملائکہ نے نظریں اٹھا کر اس کا زرد چہرہ دیکھا۔

"جو بھی ہو فراز اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم جانتے ہو میرا نکاح ہو چکا ہے۔" فراز نے تیزی سے اس کا موبائل والا ہاتھ تھاما تھا۔ ملائکہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں یہ بھی نہیں جاننا چاہتا کہ کس سے نکاح ہوا ہے۔ میں صرف یہ جانتا ہوں میں تم سے پیار کرتا ہوں اور تم مجھ سے بس۔"

وہ ضدی انداز میں بولا تو ملائکہ نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارا مطلب کیا ہے فراز؟" فراز نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا تھا۔

"یہ نکاح ختم کر دو ملائکہ! ہم شادی کر لیں گے۔ یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ جبکہ وہ اتنی حیران ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھوں میں دیے اپنے ہاتھ کھینچنا ہی بھول گئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم فراز؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ملائکہ! سچ بتاؤ تم اس نکاح سے خوش ہو؟" اس کی کھوجتی نظریں اپنے

چہرے پر محسوس کرکے اس نے نظریں جھکالیں۔

"میں جانتا تھا۔ تم خوش نہیں ہو اور یہ نکاح بھی تمہاری مرضی سے نہیں ہوا۔ تم اس وقت غصے میں تھیں بس ورنہ پسند تو تم مجھے ہی کرتی ہو۔"

وہ اپنی بات پورے یقین سے کہہ رہا تھا اور وہ چاہنے کے باوجود اس کی بات کو رد بھی نہیں کرپا رہی تھی' وہ باہر نکلی تو وہ فیصلہ کرچکی تھی۔

"کتنی دیر لگادی' سب ٹھیک تو تھا۔" اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی حنا نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

"ہاں!" اس کا جواب مختصر تھا' اس لیے حنا کی تسلی نہیں ہوئی۔

"آنٹی رضوانہ تھیں وہاں؟"

"نہیں۔" اب بھی ایک لفظ کا جواب آیا تھا۔ حنا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے مزید پوچھنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اب گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے اچانک آکر انہیں سرپرائز دیا تھا اسے دیکھ کر فیروز صاحب جتنے حیران ہوئے تھے اس سے زیادہ خوش ہوئے تھے۔ کمرے میں ایک سرپرائز اس کے لیے بھی تیار تھا۔ اس کے سائیڈ ٹیبل اور بیڈ کے سامنے ملائکہ کی خوب صورت تصویر تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔ فیروز صاحب اسے اکثر ملائکہ کے حوالے سے چھیڑتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے ان کا فون پر ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل رابطہ ہے۔ اس نے ان کی تردید نہیں کی تھی۔ ان کی باتیں سن کر مسکرادیتا تھا۔ پہلے وہ صرف اس کی کزن تھی سو ان کا ایک دوسرے سے بات کرنا اتنا ضروری نہیں تھا لیکن اب تو وہ اس کی بیوی تھی۔ لیکن پھر بھی وہی پہلے دن والا گریز تھا ان کے درمیان۔ لندن سے آنے کے بعد بھی وہ دو دفعہ ان کی طرف گیا تھا لیکن صرف سلام کے بعد حال احوال کے دوسری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ اس سے شرماتی ہے۔ اس لیے اس نے خود بھی کبھی زیادہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر میں داخل ہوئے تو عاصمہ نے کھانا لگادیا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے جب فیروز صاحب نے اسے مخاطب کیا۔

"آج میں جعفر بھائی کی طرف گیا تھا تمہاری اور ملائکہ کی رخصتی کی بات کرنے۔" چپاتی کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ ایک پل کے لیے رکا تھا پھر وہ نارمل انداز میں کھانے لگا۔

"ملائکہ کے ایگزام تو ختم ہوگئے ہیں لیکن جعفر بھائی کہہ رہے ہیں ابھی دو تین ماہ ٹھہر جاتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بابا! جب انہوں نے کہہ دیا ہے' رخصتی ابھی نہیں ہوگی تو میرے کہنے سے کیا ہوگا۔" فیروز صاحب کو بڑے زور سے ہنسی آئی تھی۔ ابراہیم نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا۔

"اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟"

"تم اتنی مایوسی سے کیوں بات کررہے ہو؟"

"فار گاڈ سیک بابا! آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ میں کوئی مایوس نہیں۔"

"ہاں وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ اب بھی مسکرا رہے تھے تو وہ مزید کچھ کہے بغیر خاموشی سے پلیٹ پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر ٹی وی دیکھنے کے بعد فیروز صاحب کمرے میں چلے گئے تو وہ بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ باتھ لے کر باہر آیا تو اس کا فون بج رہا تھا۔ اس نے بالوں پر تولیہ رگڑتے ہوئے موبائل اٹھایا۔ اس پر نظر آنے والا نمبر اسے حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے بے ساختہ گھڑی کی طرف دیکھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔

"ہیلو! السلام علیکم۔"

دوسری طرف سلام کے جواب میں وہ حیرانی سے وعلیکم السلام کہہ رہا تھا۔

"ملائکہ بات کررہی ہوں۔"

"جانتا ہوں۔" اب کی بار وہ مسکرا کر بولا۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی!" وہ حیران ہونے کے باوجود ہمہ تن گوش ہوا۔

"ابھی نہیں۔ کل آپ دوپہر میں گھر آسکتے ہیں۔"

"سم تھنگ سیریس؟"

"نو تھنگ سیریس۔ جسٹ ٹاک ٹو یو۔"

"اوکے۔ میں آجاؤں گا اور کچھ؟"

"نہیں۔ اللہ حافظ!" فون کے بند ہوتے ہی اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"تو مسز ابراہیم کو مجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ اس کی تصویر سے مخاطب تھا۔ صبح تک اسے بے چینی سے انتظار تھا۔

پورے ایک بجے وہ ان کے گھر میں تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔ جب پورے سات منٹ بعد وہ اندر آئی تھی اسے دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے سلام کرنے کے بعد اس کا حال احوال پوچھا وہ ٹھیک ہوں کہہ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے بالکل سامنے سر جھکائے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ جب کافی لمحے یونہی گزر گئے تو اسے ہی پہل کرنی پڑی اس کے کھنکھارنے پر ملائکہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے کچھ بات کرنی تھی؟"

"جی میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں رخصتی نہیں چاہتی۔"

"میں جانتا ہوں۔" ملائکہ نے کچھ چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"بابا نے کل بتایا تھا کہ انکل دو تین ماہ بعد رخصتی کرنا چاہتے ہیں۔"

ملائکہ نے اضطرابی انداز میں اپنی انگلیاں مروڑیں۔ اپنی بات کرنے کے لیے اسے اپنی پوری ہمت جمع کرنی پڑی تھی۔

"بات رخصتی کی نہیں اس نکاح کی ہے۔ میں یہ نکاح ہی ختم کرنا چاہتی ہوں۔" اسے لگا وہ مجھ سے کچھ خفا ہو کر غصے سے بولی تو حیرت کے مارے وہ اس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی بے یقینی تھی کہ ملائکہ نے بے ساختہ نظریں جھکالیں۔

"کیوں؟" بڑی مشکل سے اس کے منہ سے یہ لفظ نکلا تھا۔

"کیونکہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔"

اس کو صحیح معنوں میں جھٹکا لگا تھا۔ لگنے والا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ کچھ دیر تک وہ بول ہی نہیں سکا اور جب بولا تو اس کی آواز ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔

"تو پھر آپ نے نکاح کیوں کیا؟"

"میں اس وقت مجبور تھی اور اگر مجبوری نہ ہوتی تو بھی میں آپ سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ آپ مجھے پسند نہیں۔"

ابراہیم نے بے اختیار گہرا سانس لیا' اس کا سر جھکا تھا اس لیے وہ اندازہ نہیں کرسکی کہ اس کے تاثرات کیا ہیں۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

"آپ پلیز میری بات کو مائنڈ مت کرنا۔ یہ میری اپنی رائے ہے۔ آپ کو یہاں بلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ مجھے ڈائیورس دے دیں کیونکہ زبردستی اس رشتے کو نبھانے کا کوئی فائدہ نہیں نہ آپ خوش رہیں گے اور نہ ہی میں۔ اس فیصلے سے مما' ڈیڈی اور انکل کو تکلیف تو ہوگی لیکن اس دکھ سے بہتر ہے جو ہماری شادی کے بعد ہوسکتا ہے۔"

وہ اب منتظر نظروں سے اس کے جواب کی منتظر تھی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر کھڑا ہوگیا تھا سو وہ جانے کے لیے مڑا تھا جب اس نے اپنے پیچھے اس کی آواز سنی۔

"آپ مجھے ڈائیورس (طلاق) دے دیں گے نا؟"

ابراہیم نے ایک پل مڑ کر گہری نظروں سے اسے دیکھا اور سر اثبات میں ہلادیا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

رخسانہ نگار عدنان

کوئی دیپک ہو

ناولٹ

روحیل کے لیے باپ کی اچانک موت کسی حادثے سے کم نہیں ہے۔ وہ دنیاداری کے لیے باپ کے جنازے میں شریک ہوتا ہے۔ نصرت (سوتیلی ماں) کا بدلا ہوا رویہ اسے حیران کرتا ہے۔ جب وہ باپ کی دکان سنبھالنے کی ذمہ داری روحیل کو سونپتی ہے تو وہ ششدر رہ جاتا ہے۔ اسے نصرت کی کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ تاہم پھوپھو خدیجہ کے سمجھانے پر وہ چھوٹے بہن بھائی اور نصرت کی سرپرستی اور دکان چلانے کی ذمہ داری اٹھالیتا ہے۔

بلال کی اچانک آمد زونیرا کے سارے پلان پر پانی پھیر دیتی ہے۔ وہ میڈم فضیلہ کے سامنے ثانیہ اور روحیل کو رنگے ہاتھوں پکڑوانا چاہتی تھی تاکہ سب کا شک یقین میں بدل جائے لیکن [illegible] ہے۔ ثانیہ اور بلال دوبارہ ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں۔ بلال، ثانیہ کو ایک ماہ کے اندر اپنے ساتھ لے کر جانے کا کہہ کر روانہ ہوجاتا ہے تو وہ سکون کا سانس لیتی ہے۔ اس کی یہ غلط فہمی بھی دور ہوجاتی ہے کہ غصے میں بلال ثانیہ کے متعلق کچھ کہہ گزرا تھا۔ زونیرا کے لیے یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔

١٤

چودھویں قسط

چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا، گاڑی بہت تیز رفتاری سے اندر آئی تھی۔

فضیلہ بیرونی سیج میں بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔

انھیں تو ثانیہ اور زونیرا کا ایک ساتھ یوں جانا ہی ہضم نہیں ہو رہا تھا پھر زونیرا ان کی کال بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی، ان کی پریشانی بجا تھی۔

مگر جب گاڑی کا دروازہ کھول کر بلال اور زونی نکلے تو وہ اور بھی متفکر سی ہو گئیں۔ بلال تو صبح ہی ان سے مل کر اسلام آباد گیا تھا، یہ زونی کے ساتھ کیسے؟

"بلال..... بیٹا خیریت تم..... تو صبح ہی اسلام آباد گئے تھے اور زونی کے ساتھ سب خیر تو ہے نا پلیز! مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔"

وہ باری باری دونوں کے پتھرائے ہوئے چہرے دیکھتے ہوئے ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئیں۔

بلال نے انھیں کیسی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اپنا سوال دہرانا بھول گئیں۔

دوسرے لمحے بلال کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے ان کے پاس سے گزر کر اندر چلا گیا۔

"بلال..... بلال بیٹا کیا ہو گیا؟" انھوں نے اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی کوشش کی اور سیڑھیوں کے پاس ہی ہانپ کر رک گئیں۔

زونیرا خاموشی سے ان کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

"یہ بلال کو کیا ہوا ہے اور تم..... تم کہاں تھیں۔ میری کال کیوں ریسیو کر رہی تھیں؟ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" وہ حواس باختہ سی ہو کر چلائیں۔

زونی بھی خاموش کھڑی تھی۔

"کوئی مجھے کچھ بتائے گا یا نہیں؟" وہ دہشت زدہ سی ہو کر چیخیں۔

"ثانیہ، ثانیہ کہاں ہے؟" یکدم انھیں خیال آیا ادھر ادھر سب طرف متوحش نظریں دوڑا کر بولیں۔

"وہ چلی گئی ماما!" زونی کمال اطمینان سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صاف آواز میں بولی۔ تو وہ اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"چلی گئی، کہاں چلی گئی، کہاں جانا تھا اس کو، وہ تو تمہارے ساتھ گئی تھی نا؟" وہ اٹک اٹک کر بے ربط سی ہو کر بول رہی تھیں۔

"ماما! اس کو چلے تو جانا ہی تھا، سو چلی گئی آپ اتنے ٹینس کیوں ہو رہی ہیں، آپ کا بی پی پرابلم کرنے لگے گا اندر چلیں۔"

وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگی۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ تندی سے بولیں۔

"کہاں ہے ثانیہ..... جھگڑا ہوا ہے ثانیہ اور بلال کا؟" وہ ان چند منٹوں میں یہی اخذ کر سکی تھیں۔

"جھگڑا تو ماما ختم ہو گیا آج۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اسی اطمینان سے بولی۔

"مطلب؟" وہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔

"اور یہ بلال تو صبح اسلام آباد کے لیے نکلا تھا تمہارے ساتھ کیسے.....؟"

"نہیں میں نے ہی منع کیا تھا اسلام آباد جانے سے۔" فضیلہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"میں نے ثانیہ اور اس کے کزن روحیل کی فون کال سن لی تھی، جس میں وہ دونوں بھائی کے شہر سے باہر جانے کے بعد ملنے کا پلان بنا رہے تھے اور یہ تو آپ کو بھی پتا تھا۔ وہ پہلے بھی آپس میں ملتے رہتے تھے۔" اس نے ایک اور گواہ کو ذہنی طور پر گواہی کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔

فضیلہ انہی نا سمجھ الجھی نظروں سے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے بہت غصہ آیا سچ ماما! میرا بھائی اس لڑکی کے لیے پاگل ہوا جا رہا ہے، اس نے ہم سب سے حتیٰ کہ اس سوسائٹی کے مروجہ اصولوں سے بھی ٹکر لی اور یہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ماما!"

اور فضیلہ کو لگا کچھ بہت برا ہو چکا ہے ان کی بے خبری کے دوران۔

"بھائی کو روکا وہ دونوں ہوٹل میں مل رہے تھے۔"

"تم ساتھ کیوں گئی تھیں اس کے..... ان دونوں کو

ملوانے؟"

وہ تیز لہجے میں بولیں۔

"میں اس کے ساتھ تو گئی تھی مگر وہ مجھ سے بہانہ کر کے راستے میں اتر گئی کہ اسے اپنے کسی رشتے دار کے گھر جانا ہے۔ وہ جگہ ہوٹل سے قریب تھی۔ وہ پیدل ہی وہاں چلی گئی اور میں نے بھائی کو فون کر کے بلوا لیا۔ انھوں نے دونوں کو اپنی آنکھوں سے ملتے دیکھ لیا اور....."

"اور کیا..... کیا ہوا؟" وہ کانپتی آواز میں بولیں۔ انھوں نے ہر حال ایسا تو کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔

"بھائی نے اسے طلاق دے دی وہیں۔" وہ یوں پُرجوش ہو کر بولی جیسے کوئی سرپرائزنگ تحفہ تھا جو کہ یوں سر راہ دیا گیا۔

"طلاق!" انھوں نے پیچھے پلر کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر وہاں ایسا کچھ نہیں تھا وہ گر جانے کو تھیں زونی نے انھیں لپک کر سہارا دیا۔

"پلیز ماما! آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں۔ وہ دفع ہو گئی بلا سے۔ وہ بھائی کے ساتھ ہمارے ساتھ خوش ہی کب تھی اتنی نعمتوں اور آسائشوں کے باوجود اس کے منہ پر ہمیشہ بارہ بجے رہتے تھے۔ یہ کمین لوگ صرف ذات کے ہی نیچ نہیں ہوتے سوچ کے بھی گھٹیا ہوتے ہیں۔"

وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ انھیں زونیرا کی کوئی بات سنائی نہیں دے رہی تھی اور وہ لگاتار بولے جا رہی تھی۔

"اب اس نیچ کا کمینہ پن دیکھیں۔ اس گھٹیا روحیل کے ساتھ شکل سے ہی نشئی چرسی لگتا ہے، اس کے لیے مری جا رہی تھی اور میرا ہیرو جیسا بھائی ناشکری احسان فراموش کیسے ہم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھایا اور اس نے کیا کیا؟"

وہ بولے جا رہی تھی۔ فضیلہ مبشر اس کو ٹوکے بغیر بمشکل خود کو سنبھالتی آہستہ آہستہ اندر چلی گئیں۔

ابھی اس ساری سچویشن کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے ان کا دماغ بالکل بھی تیار نہیں تھا۔

"سروری! مجھے ایک گلاس پانی دو۔" وہ نڈھال سی صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔ سروری تیزی سے پانی کا گلاس لے آئی۔

وہ ایک ہی سانس میں سارا چڑھا گئیں، آنکھوں کے آگے چھائے اندھیرے کچھ کم سے ہو گئے۔

"کیا یہ سب زونیرا نے پلان کیا تھا؟" اندھیرا چھٹتے ہی پہلا خیال انھیں یہی سوجھا۔

"مائی گاڈ! اگر یہ سب اس نے یوں کیا، سوچا اور عمل کروا لیا تو....." وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

انھیں ثانیہ کے ساتھ بیت جانے والے سانحے سے زیادہ زونیرا کے ساتھ کچھ بھی غلط ہو جانے کا پیش خیمہ لگا تھا یہ خیال!

"زونی! تم نے یہ اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ بہت برا بہت خراب کر ڈالا ثانیہ کے ساتھ نہیں اپنے ساتھ۔"

"اور بلال..... بلال نے ایسا کیوں کیا اتنا جذباتی پن.....؟"

ان کی نظروں کے سامنے پھر اندھیرا چھانے لگا۔

"طلاق دے دی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں اب کیا کروں اس نے مجھے میرا کردار ادا کرنے کی گنجائش نہ پہلے دی نہ اب میرے منع کرنے کے باوجود بھی کیسے ضدی پن سے اس نے یہ فیصلہ کیا تھا اور اب جذبات کے ایک ہی ریلے میں سب ختم بھی کر آیا۔

کتنا کچا پن ہے اس نئی نسل میں، نہ کسی کی سنتا نہ کسی کی پروا کرتا، کسی کے تجربے کی تو ان کی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں۔" انھیں اب بلال پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے انھیں کچھ سمجھا ہی نہیں تھا۔

"تو ثانیہ گئی کہاں، اس شہر میں تو اس کا کوئی بھی نہیں۔ یہ دونوں اسے وہیں چھوڑ آئے۔ پھر وہ پریگنینٹ ہے۔ ابھی تو طلاق موثر بھی نہیں ہو سکتی۔ تو پھر وہ کہاں گئی۔ مذہب نے اس جذباتی پن کی بھی کچھ حدود رکھی ہیں، جب چاہا جذبات میں آ کر کورٹ میرج کر لی اور جب کوئی بات بری لگی۔ طلاق کے تین لفظ بولے اور سب ختم۔"

وہ سخت طیش میں تھیں۔

"اور جب بچوں کو ورثے میں یہی کچھ ملے۔ فضیلہ بشیر تو وہ بھی یہی کچھ کریں گے ان کے جینز میں ہے یہ جذباتی پن بھول گئیں تم اپنے کھولتے جذبات کی تیز لہر کو جس میں آکر تم نے سب کچھ بہا ڈالا تھا۔ ذرا سی دیر کو اپنی اس مشہور زمانہ عقل مندی کو آواز دی ہوتی تو کم از کم آج کے دن کے بارے میں ضرور سوچا ہوتا۔ مگر اس وقت تو تم کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھیں۔ تم سمجھ رہی تھیں طلاق کے بعد ساری دنیا تمہارے قدموں کے نیچے ہوگی' اب دیکھو اس دنیا کو تمہاری سمجھ بوجھ کو تمہاری اپنی اولاد نے لائق مشورہ نہیں سمجھا۔ خود ہی وہ سب کچھ کرتے چلے گئے اور زوئی کی خود سری اس نے پہلے دن جو کچھ طے کیا تھا ثانیہ کو اس گھر میں ٹکنے نہیں دے گی تو اس نے اپنی اس ضد کو جس جاہلانہ انداز میں پورا کیا۔ اس میں تمہاری تعلیم یافتہ تربیت کا تو کہیں بھی شائبہ نہیں۔

اس طرح کا کارنامہ اسی ثابت قدمی سے کوئی جاہل لڑکی بھی انجام دے سکتی تھی' وہ سوچتی جارہی تھیں اور خود احتسابی انہیں اپنے پنجوں میں جکڑتی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

جب وہ دنیا میں آیا تھا' اگر وہ اس لمحے سوچ سمجھ سکتا تھا تو اس نے پہلی بات یہی سوچی ہوگی کہ یہ دنیا کیسی ہوگی اور میں اس میں کیا کروں گا.....

اور آج اتنے سالوں بعد بھی اسے پھر سے یہی لگا کہ وہ پہلی بار دنیا میں آیا ہے اور اس کے لیے یہ سب ایک نیا سا مگر خوف ناک احساس تھا۔

اس نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔

بلکہ جب زوئی نے اسے اسلام آباد جانے سے منع کیا اور کہا کہ آپ کے لیے آج صبح ایک سرپرائز ہوگا۔ وہ کچھ تو سمجھ ہی گیا تھا کہ یقیناً" اس نے ثانیہ کے خلاف کچھ ایسا ویسا سوچا ہوگا اور وہ رک بھی اسی خیال سے گیا کہ زوئی کو جھٹلائے بلکہ ثانیہ کو ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں میں معتبر کرنے کا موقع ہاتھ آرہا تھا پھر کچھ انسانی تجسس...

ثانیہ اور روحیل کے بارے میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ ان دونوں کے درمیان کیا ہے اور کیا نہیں ہے وہ آج یہ جان لینا چاہتا تھا۔

اگرچہ اس کا اسے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ ایسا کچھ تماشا وہاں ہوگا وہ یہ سب زونیرا کی ایک بچکانہ سازش سمجھ رہا تھا۔

مگر وہ منظر..... ایک مکمل خوف ناک اور کبھی نہ بھلایا جانے والا منظر..... روحیل اور ثانیہ ایک دوسرے کے اتنے قریب اور وہ بھی رزلٹ اسے لگا اس کے جسم کا سارا خون اس کی کنپٹیوں میں آکر گردش کرنے لگا ہے۔ آنکھوں سے جلتے ہوئے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔

اسے لگا وہ پہلی بار دنیا میں آیا ہے۔ وہ اجنبی نظروں سے مسلسل چمکتی اسکرین اور بجتی بیپ کو تکنے لگا۔

ایک بار دوبارہ وقفے وقفے سے بجے جارہا تھا۔ بہت دیر بعد جانے کیسے ہاتھ بڑھا کر اس نے سیل فون اٹھالیا۔

"ثانیہ کالنگ!!" اور وہ ساکت نظروں سے سیل کی اسکرین کو دیکھتا رہا۔

موبائل فون بج بج کر بالآخر چپ ہوگیا۔

اس کے ہاتھ سے موبائل گر گیا وہ اس طرح پتھرایا ہوا بیٹھا رہا۔

ایک ہی منظر..... ایک ہی جان لیوا نظارہ۔ مختلف زاویوں اور مختلف جزئیات کے ساتھ وقفے وقفے سے اس کی پتھرائی ہوئی نظروں کے سامنے آرہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے تم نے مجھ سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا؟" فضیلہ جانے کب اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

وہ اس طرح بت بنا بیٹھا رہا۔

"اتنی شدت کیوں ہے تم لوگوں کے فیصلوں میں میری یہی سمجھ میں نہیں آرہا..... تمہیں کچھ ٹائم دینا

چاہیے تھا اسے' خود کو۔"

وہ پرملال لہجے میں رک رک کر بول رہی تھیں۔

یہ سب بالکل اچانک اور ان کی توقعات کے برعکس ہوا تھا۔ کبھی یہ سب زونیرا کے اکسانے پر اور کچھ انہیں ناپسندیدگی کی بنیاد پر ان کے دل کے نہاں خانے میں چھپی خواہش ضرور تھی مگر یہ اس طرح سے پوری ہوگی انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا۔

"ٹائم ہی تو نہیں تھا اس سارے منظر میں..... کچھ اتنا مکمل' اتنا جامع تھا کہ کہیں بھی کچھ ادھورا پن نہیں تھا جس کو مکمل کرنے کے لیے ذرا سی خالی جگہ جسے پُر کرنے کے لیے ٹائم کے معمولی سے وقفے کی ضرورت ہوتی۔"

وہ بے بس لہجے میں رک رک کر بول رہا تھا۔

"پھر بھی....." وہ ہاتھ ملنے کے سے انداز میں بولیں۔

دونوں خاموش اپنی جگہ بیٹھے رہ گئے۔

"اور..... اور ثانیہ کہاں گئی؟" بہت دیر بعد انہیں پھر سے ایک تشنہ سوال کا خیال آیا۔

"ثانیہ..... چلی گئی..... کہاں..... اس کے ساتھ؟"

"کس..... کس کے ساتھ؟" وہ جانتی تھیں مگر لحہ بھر کی بے خبری انہیں بڑی غنیمت سی لگی۔

وہ شاید روحیل کا نام زبان پر نہیں لینا چاہتا تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔

"تم جانتے ہو ناں وہ ماں بننے والی تھی تو ایسی حالت میں.....؟"

"فار گاڈ سیک ماما پلیز الون۔" وہ جیسے برداشت کی ہر حد پار کر چکا تھا یکدم پھٹتے ہوئے انداز میں بولا۔

فضیلہ بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں اور پھر گہرا سانس لے کر کھڑی ہوگئیں۔

وہ چہرہ دوسری طرف کیے جانے ضبط کے کن مرحلوں سے گزر رہا تھا اس وقت پھر سے بلال کا نیچے گرا سیل فون بجنے لگا۔

بلال بالکل بے دھیان سا بیٹھا رہا۔

وہ منتظر رہیں کہ بلال فون اٹھا کر سنے گا مگر وہ اسی طرح بے حس بیٹھا رہا انہوں نے آہستگی سے جھک کر فون اٹھالیا۔

اور انہیں شاک سا لگا۔

کال ثانیہ کی تھی۔

وہ تیزی سے سیل فون لیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

شاید کہیں کچھ تھوڑی سی ذرا سی گنجائش موجود ہو..... ایسا چاہنے کے باوجود وہ واقعی یہ نہیں چاہتی تھیں بس وہ کمینی سی تنگ نظری اپنے بڑے ہونے اور اس کے کمتر ہونے کا گھٹیا احساس تھا جس کی وجہ سے وہ ایسا چاہتی رہی تھیں مگر یوں بلال کا گھر اجڑ جائے..... اس کی چاہت کم از کم بلال کی چاہت کو وہ اچانک سے بجھا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

انہیں ثانیہ کی بات سننی چاہیے۔

وہ فیصلہ کر کے باہر آکر سیل فون کان سے لگا کر سننے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ روحیل آج کہاں رہ گیا؟ سردی بھی اتنی زیادہ ہے رات ہوگئی اور یہ ابھی تک گھر ہی نہیں آیا۔"

نصرت بے حد بے چین اور پریشان سی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

"اور یہ ثنا کی بچی۔ پانچ بجے تک اس کی اکیڈمی کا ٹائم ہے۔ آٹھ بجنے کو ہیں آجائے ذرا آج یہ گھر۔" وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

ثنا کے انداز وہ کافی دنوں سے بدلے بدلے محسوس کر رہی تھی۔

شاید ماں کو اپنے صدمے میں گم دیکھ کر اس نے کچھ اور مصروفیت ڈھونڈلی تھی۔ اسکول سے دیر سے آتی یا اکیڈمی جاتی تو کسی سہیلی کے گھر جانے کے بہانے نوٹس لینے کا بہانہ کر کے وہ تین گھنٹے لیٹ آتی۔

"سارا فتور اس موبائل فون کا ہے' آجائے آج اسے تو قابو میں کروں گی۔ مجھے تو کمبخت کے موبائل کا نمبر بھی نہیں پتا۔ نہ اس حنا کا..... کون پتا کرے یہ ہے

کدھر ہے؟"

وہ پیر جلی بلی کی طرح یہاں وہاں پھر رہی تھی۔ روحیل سے امید تھی کہ وہ آتا ہے تو اسے اکیڈمی بھیج کر دیر کی وجہ معلوم کرواتی' وہ بھی ابھی نہیں آیا تھا۔

"اماں! اسٹور کو تو تالا لگا ہے' ساتھ والے چاچا جا رہے تھے۔ اسٹور تو شام میں ہی بند کر گئے تھے بھائی۔"

گڈو بہت دیر بعد لوٹا تھا' اس کے ہاتھ میں چپس' نمکو اور بسکٹ کے پیکٹ تھے جن کی خریداری میں اسے اتنا وقت لگا تھا۔

"اسٹور بند ہے کب سے تو بھائی کا پتا نہیں کیا؟"

"نہیں' وہ نہیں تھے۔" وہ اب چپس کے پیکٹ کھولنے میں مگن تھا۔

"تو کہاں گیا دکان بند کر کے؟" وہ کر ختگی سے بولی۔

"پتا نہیں۔" وہ اب بے فکری سے چپس کھا رہا تھا۔

"تو ادھر ادھر بازار میں ڈھونڈتا تھا۔ اپنے کھانے کی فکر تھی بس۔" نصرت نے غصے میں اسے زور کا دھموکا لگایا۔

"تو اماں بھائی کوئی بچہ تھا جو کھو گیا تھا اور میں اسے ادھر ادھر ڈھونڈتا... کہیں سینما میں فلم شلم دیکھنے نکل گیا ہو گا یا دوستوں کے ساتھ ہوٹل شوٹل اب تو کھلا پیسہ ہوتا ہے اس کی جیب میں۔"

وہ اب چپس کھانے کے بعد نمکو کا پیکٹ کھول رہا تھا۔

نصرت کے دل کو اس کی بات لگی تو تھی... روحیل نے اتنے دن کو ایسا کوئی شغل کیا نہیں تو اب...

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

"دیکھو آ گیا روحیل!" وہ جلدی سے بولی۔

"بھائی پہلے کوئی کنڈا کھڑکا کر آتا تھا کوئی اور ہو گا۔" گڈو ٹھیک ٹھاک سمجھ دار ہو رہا تھا۔

"خالہ یہ اسٹور کی چابیاں۔" دکان پر کام کرنے والا دوسرا لڑکا تھا اور نصرت کو چابیاں دے رہا تھا۔

"چابیاں... تو روحیل کہاں ہے؟" وہ کچھ پریشان سی ہو گئی ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا پہلے۔

"پتا نہیں جی دوپہر کے بعد کہیں چلے گئے پھر آئے نہیں۔ میں نے کافی انتظار کیا پھر شام میں اسٹور بند کر دیا۔"

"یہ پیسے اور وہ گلے (لاکر) کے پیسے' چابیاں۔" وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔

"اس کی چابیاں تو وہ ساتھ لے گئے تھے۔"

"تو نے فون نہیں کیا اس کے موبائل پر؟" وہ مندی مندی سے بولی۔

"بہت دفعہ کیا جی مگر وہ اٹھا ہی نہیں رہے۔"

"فون ہے تیرے پاس تو پھر سے کر ونا!" وہ اب کے ذرا تیکھے لہجے میں بولی۔ لڑکے نے بڑے تفاخرانہ انداز میں موبائل نکال کر روحیل کا نمبر ملایا اور...

لمحہ بھر سننے کے بعد نصرت کے کان کو لگا دیا۔

جس پر ٹیپ چل رہی تھی کہ فون بند ہے تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔

اس نے بے دلی سے موبائل دوبارہ اسے دے دیا۔

"میں جاؤں جی؟" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

"ذرا ادھر ادھر پتا کرنا تھا۔"

"سارے میں کر کے آیا ہوں' اسی لیے تو دیر ہو گئی آنے میں وہ کہیں بھی نہیں تھے۔"

"طبیعت تو ٹھیک تھی نا اس کی؟" ایک اچانک سا خیال آیا نصرت کو۔

"ہاں جی ٹھیک تھی بالکل۔"

"کوئی... کوئی فون آیا ہو کسی کا؟" وہ اندازہ لگانے کو بولی۔

"صبح میں آیا تھا کسی کا اور میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔ میں نہیں آ سکتا پھر پتا نہیں کچھ بھی بتائے بغیر دوپہر کے بعد اٹھ کر چلے گئے کہ تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

نصرت سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے مہینوں میں اس نے کبھی بھی ایسی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا تھا۔

"میں جاؤں جی اب؟"

”ہوں ہاں جاؤ۔“

”اور صبح دکان پر....“ وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

”آجانا دس بجے.... آجائے گا روحیل‘ رات میں جانا کہاں ہے اس نے کسی دوست کی طرف چلا گیا ہو گا۔ تم جاؤ....“

وہ خود کو بہلاتے ہوئے بولی۔

اس وقت ثنا کتابیں سینے سے لگائے آگئی۔

اور نصرت نے جیسے اسے بہت دنوں بعد ذرا غور سے دیکھا۔

کانوں میں خوب صورت آرائشی بالے۔ کلائیوں میں بھر بھر کر رنگ برنگی چوڑیاں‘ پیروں میں نازک بازیبیں اور چہرے کو چھوتی دونوں اطراف کی لٹیں آنکھوں کا گہرا کاجل اور آئی لائنر مسکارے سے الگ الگ ہوتی پلکیں اور آؤٹ لائن کے ساتھ لگی ہلکی سی لپ اسٹک.... ایک نئی ہی کہانی سنا رہی تھی۔

”سلام اماں! یہاں کیوں کھڑی ہے؟“ وہ لاپروا سے انداز میں خوشبو لٹاتی اس کے پاس سے گزرنے لگی۔

نصرت نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے دروازہ بند کیا اور پھر سے جوتا اتار کر جاتی ثنا کو پیچھے سے پکڑا اور اندھا دھند جوتیاں برسانی شروع کردیں۔

”اماں.... اماں میں نے کیا کیا ہے؟“ وہ خود کو بچاتے ہوئے چلائی۔

”نہیں کیا تو ہو جائے گا‘ نامراد تیرے یہ پچھن بتا رہے ہیں کیا کرنے کے ارادے ہیں تیرے۔ باپ مرا ہے ابھی میں زندہ ہوں دوسروں کی بیٹیوں کی چال بھی تاڑنے والی اپنی بیٹی کے یہ نرالے رنگ ڈھنگ نہ دیکھ سکی تیری یہ جرأت میری آنکھوں میں دھول جھونکے۔“

نصرت تو جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ اس کا سر منہ دیکھے بغیر تابڑ توڑ جوتیاں برسائے جا رہی تھی۔

”پاگل ہو گئی ہو چھوڑو مجھے۔ میں نے کیا کیا ہے اور اماں تیری اس نظر میں فتور ہے‘ جو کچھ تو نے خود کیا‘ وہی تجھے دوسروں میں نظر آتا ہے۔ سارے محلے کو یاد ہے تیری کہانی کیسے تو نے ابا کو مٹھی میں کیا تھا اور بھائی کو جوتیاں لگوا کر گھر سے نکالا اور خود....“

بس نصرت میں اتنا ہی سننے کی سکت تھی۔ وہ تو پھر جیسے بالکل ہی پاگل ہو گئی۔ ثنا کی زندگی کی شاید یہ آخری شام تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسری طرف کوئی اجنبی مردانہ آواز تھی‘ وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

”بلال صاحب بات کر رہے ہیں؟“ وہ ان کی خاموشی پر بولا۔

”نہیں میں بلال کی مدر بات کر رہی ہوں آپ کون؟“ شاید یہ بلال کا کوئی جاننے والا تھا تو ثانیہ کا سیل فون اس کے پاس کیسے؟

وہ اور بھی الجھ سی گئیں۔

”دیکھیں میں اس ہوٹل کا منیجر بات کر رہا ہوں جہاں یہ خاتون کچھ دیر پہلے تھیں‘ ان کے ساتھ کچھ لوگ تھے اور ان کا آپس میں شاید کوئی جھگڑا ہو گیا تھا پھر وہ چلے گئے اور یہ فون ایک پرس ٹیبل پر پڑا رہ گیا۔ اب میں اس میں فون سے کال کر رہا ہوں اس میں جو پہلے نمبر پر نام Feed تھا وہ بلال صاحب کا تھا۔ میں کافی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں۔“

اس نے پوری تفصیل سے جواب دیا۔

”تو یہ خاتون جن کا سامان ہے کیا وہاں موجود نہیں؟“ وہ موہوم سی امید پر بولیں۔

”نہیں جی یہاں تو کوئی بھی نہیں.... یہ سامان اب....“

”میں ڈرائیور کو بھیج کر منگوا لیتی ہوں۔“ وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولیں۔

”دیکھیں میں ایسے یہ سامان نہیں دے سکتا‘ اس بیگ میں کچھ جیولری اور رقم بھی ہے تو آپ میں سے جو بھی.... نشانی وغیرہ بتا کر۔“

وہ اپنی ایمان داری کے مظاہرے میں رتی برابر بھی کسر نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔

”ٹھیک ہے میں آرہی ہوں خود۔“ وہ ذرا سا سوچ کر بولیں۔

”اور بلال صاحب اگر وہ بھی آجاتے تو....“ وہ رک کر بولا۔

”ان کا آنا مشکل ہے۔ میں آرہی ہوں۔“ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

”ثانیہ کہاں چلی گئی اور جاتے ہوئے اپنا موبائل بیگ سب چھوڑ گئی تو پھر وہ ذہنی طور پر کتنی ابتر ہو گی‘ جو وہ کچھ بھی ساتھ نہیں لے کر گئی۔“ انہیں پھر سے خیال آیا۔

”اور وہ اس حال میں بھی تھی‘ جانے کدھر گئی ہو گی؟ کیا روحیل کے ساتھ....

میرا دل نہیں مانتا‘ اس نے اگر یہی کچھ کرنا ہوتا تو بہت سے مواقع آئے تھے۔ اس کے پاس یہ سب کرنے کے تو پھر آج کیوں؟“

وہ چاہتے ہوئے بھی اس بات کو نہیں سوچنا چاہ رہی تھیں‘ جس طرف ان کی بھٹکی ہوئی پریشان کن سوچیں لیے جا رہی تھیں۔

”زونیرا تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ وہاں کیا ہوا تھا اور تمہیں یہ سب پہلے سے ہوتے ہوئے کا پتا کیسے چلا تھا؟“ وہ ذرا دیر بعد پھر ریلیکس انداز میں بیڈ پر اوندھی لیٹی چینل سرچنگ کرتی زونیرا کے سر پر کھڑی تھیں۔

”مام بتایا تو تھا میں نے اس کو اپنے کزن سے فون کال کرتے سنا۔ وہ اس سے بھائی کے اسلام آباد جانے کے بعد ملنے کا پروگرام طے کر رہی تھی۔“

وہ یوں رٹا رٹایا جملہ بولا جیسے اس نے سب کچھ پہلے سے حفظ کر رکھا تھا۔

”مگر.... لیکن اگر غور بھی کیا جائے یہ کوئی ایسی معیوب بات بھی نہیں کہ وہ اپنے کزن سے ملنے کی بات کر رہی تھی‘ ظاہر ہے ماں کے بعد اس شہر میں وہی اس کا اکلوتا رشتہ دار تھا۔“ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔

”واٹ مام؟“ زونی اچھل ہی تو پڑی۔

”ہم بھی کچھ دن پہلے جب آپ نے خود اس کو سر راہ اس سے ملتے دیکھا تو آپ نے بھائی کو کیسا بھڑکایا تھا بھول گئیں؟“

زونی کا حافظہ کمزور نہیں تھا کم از کم ایسی باتوں میں تو بالکل بھی نہیں۔

”اس وقت بھی تو وہ اس شہر میں اس کا اکلوتا رشتہ دار تھا‘ آپ کو یوں تو بھائی کو نہیں بھڑکانا چاہیے تھا‘ آپ کی وجہ سے وہ اس پر اتنا غصے ہوئے اور اسی وجہ سے وہ اس پر پہلے سے شک کر رہے تھے۔ آپ ہی نے تو یہ سب بھائی سے کہا تھا۔“

وہ کیسے گن گن کر وہ ساری باتیں یاد کروا رہی تھی‘ جو اگر وہ اپنے اخلاقیات کے اصولوں کے تحت سوچتیں تو گھٹیا اور کمینی باتیں تھیں‘ یوں کسی بھی دو اشخاص کے ایسے شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھنا اور بہتان کی حد تک کسی کی کردار کشی کرنا۔

وہ نڈھال سی ہو گئیں۔

”یہ مجھے کیا ہو گیا۔ میں نے یہ بیج بویا تھا بلال کے دل میں شک کا‘ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں بھول گئی تھی کہ میں بھی بیٹی کی ماں ہوں۔ مجھے ثانیہ سے نفرت تھی مگر زونی سے تو محبت تھی‘ اسی محبت کا خیال کر کے یہ تو نہ کرتی۔“

وہ پریشان خیالی میں سوچتی چلی گئیں۔

”کم آن مام! کیوں اس قدر ڈپریس ہو رہی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ایک نہ ایک دن تو اکھڑنا تھا۔“ وہ لاپروائی سے بولی۔

فضیلہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

”اور ثانیہ کہاں گئی تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آئی؟“ وہ پھر سے بے خیالی میں بولیں۔

”مام اسے بھائی نے طلاق دے دی تھی۔ پھر وہ ہمارے ساتھ کیسے آسکتی تھی؟“

”وہ اس کے ساتھ گئی‘ جس کے ساتھ چھپ چھپ کر ملتی تھی‘ لمبی لمبی رات کو کالز کرتی تھی۔“

“Ul timate end of this poor love story”

”غلط کہا میں نے؟“ وہ فضیلہ کو بے تاثر نظروں

لیے کھڑے دیکھ کر بھرے بولی۔

"وہ پتا نہیں کیا غلط ہو گیا، میرا دل کہہ رہا ہے، کچھ بہت غلط، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم ثانیہ کو اس طرح۔"

وہ بڑبڑا گئیں۔

"تو ہم پرست تو نہیں تھیں مما! آپ بھی بھی پھر یہ کیا فضول شک پال رہی ہیں اور سروری سے کہیں کچھ کھانے کا انتظام ہوا یا نہیں، زبردست بھوک لگی ہے، صبح سے یہ ڈراما دیکھتے تو سر تھک گیا میرا۔"

وہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکلنے لگے، پہلے خود ہی باہر نکل گئی۔

"اب میرے اس طرح ماتم کرنے سے کیا ہو گا۔ ہو گیا جو کچھ ہونا تھا۔ مجھے جا کر وہ چیزیں لے آنی چاہئیں اور پھر آ کر بلال کو بھی تو سنبھالنا ہے۔ ثانیہ کے ماں بننے کی خبر سنتے ہی میرا رویہ اندر ہی اندر اس سے بدل سا گیا تھا اور اب... پتا نہیں وہ کہاں ہو گی۔

کیا روحیل کے ساتھ... شاید نہیں... شاید ہاں ظاہر ہے اور وہ کہاں جائے گی۔ اس کی ماں تو اتنی دور..."

وہ افسردہ سی باہر نکل گئیں۔

ذرا دیر بعد وہ اس ہوٹل کی طرف جا رہی تھیں کہ شاید وہاں سے ثانیہ کی موجودگی کا کوئی کلیو مل جائے، "اگر یہ سیل فون ہی اس کے پاس ہوتا تو رابطہ ہو سکتا تھا۔ مگر وہ تو یہ بھی چھوڑ گئی۔"

☼ ☼ ☼

پھر روحیل اس رات ہی نہیں آنے والے بہت سے دنوں میں گھر ہی نہیں آیا، نصرت پیر جلی بلی کی طرح دن رات اس کا انتظار کرتی رہی۔

سب سے بڑا مسئلہ تو اسٹور چلانے کا تھا۔

وہ اتنے دنوں سے بند پڑا تھا، جہاں سے روز کے کھانے اور گزر اوقات کا بندوبست ہوتا تھا اور نصرت کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا کیا طریقہ کرے کہ کم از کم اسٹور چلتا رہے۔

نوکر کے سپرد مکمل طور پر نہیں کر سکتی تھی اور گڈو تو ابھی بہت چھوٹا تھا۔

چند ہی دنوں میں گھر میں کھانے پینے کے لالے پڑ گئے۔

آہستہ آہستہ جمع پونجی بھی خرچ ہونے لگی۔

صرف یہ ہی ایک فکر تو نہ تھی ثنا الگ ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

وہ اس دن کی چار چوٹ کی مار کے بعد اور بھی شیر ہو گئی تھی۔ اب یہ بانگ دہل اعلان کر کے جاتی کہ وہ آج گھر دیر سے آئے گی۔

اور نصرت اسے ہر روز تو اس طرح پیٹنے سے رہی۔

محلے بھر میں ثنا کے یوں وقت بے وقت گھر آنے کے بارے میں پہلے ہی چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

نصرت ایک... رشتہ والی سے بھی کہہ چکی تھی کہ اگر کوئی اچھا کھاتا پیتا رشتہ ہاتھ لگے تو وہ ہتھیلی پر سرسوں جمادے، "اپنا سارا زیور اور اسٹور کا سامان بیچ کر وہ اس مصیبت سے تو نجات حاصل کرے بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

مگر ایسا کوئی مشتاق رشتہ موجود ہی نہیں تھا۔

جو آ رہے تھے سب لمبے چوڑے جہیز کے مطالبے کے ساتھ... کھاتے پیتے اور چلتے بنتے اور ثنا جیسے چند ہی راتوں میں تاڑ کو چھونے لگی تھی۔

اس کے نڈر انداز نصرت کو اور بھی دہلانے لگے تھے۔

وہ دن رات مصلّے پہ بیٹھی روحیل کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگی۔

جانے کیوں اسے لگتا تھا روحیل آئے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹھیک نہیں بھی تو کم از کم پہلے جیسا تو ضرور ہو جائے گا۔

ایک مرد کی مار کا خوف اور ہوتا ہے، ماں کی ڈپٹ کی بے خوفی اور... اگر روحیل ہوتا تو ثنا ایسی دیدہ دلیر نہیں ہو سکتی تھی۔

"وہ کچھ بتا کر تو جاتا، اگر اسے کوئی شکایت تھی مجھ سے، میرے رویّے سے کہتا تو سہی۔" وہ تو اب دل ہی

دل میں روتے ہوئے روحیل سے خوب ہی گلے شکوے کیے جاتی۔

"اور خدیجہ بیگم وہ بھی تو اتنے دنوں سے نہیں آئی۔ کیا پتا اسے کچھ خبر ہو اور میرے دماغ نے بھی کام نہیں کیا کہ اس سے جا کر معلوم کروں۔"

اچھوتا سا خیال اسے آیا، جس پر اس نے صبح اٹھتے ہی عمل کرنے کا نہ صرف سوچا، بلکہ دن چڑھے وہاں چلی بھی گئی۔

☼ ☼ ☼

ہوٹل کے منیجر نے ثانیہ کا فون اور باقی سامان فضیلہ کی بتائی ہوئی دو، تین نشانیاں سن کر فوراً حوالے کر دیا تھا۔

مگر ثانیہ کا اتا پتا یا وہ کہاں گئی تھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ انہوں نے گھر آ کر بھی وہ چیزیں یونہی ڈال دیں۔

بلال اس دن کے بعد دو دن تو کمرے سے ہی نہیں نکلا۔ وہ جاتیں تو تھوڑی دیر بعد وہ انہیں صاف کہہ دیتا کہ وہ چلی جائیں [illegible]

اور [illegible] ہاتھ سے کوئی [illegible] کیا تھا۔

ہر دم اتنی خوش کا [illegible] وہ چار بار بیچ میں جا کر پارلر ہو آئی تھی، وہیں ایک بوتیک سے وہ تین شاندار سے سوٹ بھی خرید لائی تھی۔ اسے نہ بھائی کی پریشانی کا احساس تھا نہ ماں کی الجھی ہوئی کیفیت کا۔

"کیا انسان اس دن کے لیے اولاد مانگتا ہے کہ اس کا بڑھاپا اولاد کے موجود ہوتے ہوئے بھی یوں تنہا اور پریشان گزرے۔ ان دونوں کو ذرا اور ابھی احساس نہیں کہ ماں ان کے رویّے سے کتنی اکیلی ہو گئی ہے۔"

یونہی بیٹھے بیٹھے وہ ایک دم سے رو پڑیں۔

انہوں نے تو بڑے تکبر سے مبشر سے کہا تھا۔ وہ کبھی اکیلی ہو سکتی ہیں نہ تنہا۔ ان کے دونوں بچے ان کے ساتھ ہیں اور وہ کبھی اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے اور آج...

ان دونوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ سارا سارا دن گھر میں اکیلی پڑی رہتی تھیں۔

کالج سے ہفتہ بھر کی چھٹی لے چکی تھیں۔

اگر کالج میں اس ماجرے کی خبر پھیل چکی ہوتی تو... انہیں یہ خدشہ یونہی نہیں تھا۔

وہ زونیرا کی اصل فطرت کو جان چکی تھیں، وہ یقیناً اپنی چند ایک سو کالڈ فرینڈز کو یہ خوش خبری سنا چکی ہو گی۔

پتا نہیں اسی شرمندگی کا خوف تھا کہ وہ آف لے بیٹھیں یا کوئی اور وجہ تھی۔

سب ہی کہیں گے میڈم فضیلہ مبشر کے سر سے امیری، غریبی کی برابری کا بھوت سال بھر سے بھی پہلے اتر گیا۔

پہلے انہیں یہ خوف ستاتا تھا کہ لوگ ان کے بیٹے کے اتنے گھٹیا انتخاب پر انہیں طعنہ نہ دیں اور اب یہ خدشہ کہ لوگ اس مسئلے کو ان کی انا کا شاخسانہ نہ سمجھیں۔

"مجھے کالج جانا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے ثانیہ کی دوستوں میں سے کسی کو اس کا پتا معلوم ہو۔" انہیں یک دم خیال آیا۔

"اور یہ پتا تو ثانیہ کی ماں سے بھی چل سکتا ہے، وہ یقیناً ماں کے پاس گئی ہو گی۔" انہیں دوسرا خیال آیا۔

اور یہ خیال زیادہ طاقت ور تھا۔

"آج انہیں یہ بے چینی کیوں تھی کہ وہ ثانیہ کا پتا کریں۔" وہ خود ہی سے الجھ پڑیں۔

"جو بھی سہی وہ بلال کے بچے کی ماں بننے والی تھی، میری ساری پریشانی اسی حوالے سے ہے۔"

انہوں نے دل میں مضبوط دلیل سوچی۔

ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا۔

خدیجہ کا پتا اس کے پرانے محلے سے چل سکتا تھا۔ مگر وہاں پہنچ کر بھی انہیں ناکامی ہوئی۔

خدیجہ کا ملتان کا ایڈریس کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔

"ان کے بھائی کے گھر کا پتا معلوم ہے مجھے۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تو ان لوگوں کو ضرور معلوم ہو گا خدیجہ خالہ کا ایڈریس۔"

وہ چودہ، پندرہ سال کا لڑکا انہیں مایوس جاتے دیکھ کر کچھ سوچ کر بولا تو وہ بے اختیار رک گئیں۔
"تو ٹھیک ہے۔ مجھے اس کے گھر لے چلو، میں وہیں سے ایڈریس، فون نمبر جو بھی ملا لے لوں گی۔" وہ اس لڑکے کو جو بظاہر میلے کچیلے کپڑے، بھدی سی چپل میں گندے ناخنوں والے ننگے پیروں کے ساتھ — اپنی شان دار گاڑی میں بٹھانے پر راضی ہو گئیں۔
اور آج تو انہیں اس محلے میں آتے ہوئے بھی کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں وہ ہمارے گھر تو بہت دنوں سے نہیں آرہا اور سچی بات ہے، میں نے بھی پتا نہیں کیا، بیمار بھی بہت دنوں سے میں، خیال تو آتا رہا، پر جا ہی نہیں سکی۔" ذکیہ، نصرت کو اپنے سامنے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی اور پھر وجہ جان کر کچھ پریشان سی ہو گئی۔
"کیا کوئی لڑائی وغیرہ ہوئی تھی گھر میں۔" ذرا دیر بعد وہ بولی۔
"خدا کی قسم! ایک حرف بھی نہیں، نہ میں نے نہ اس نے۔ اس کا باپ کیا مرا، مجھے لگا اس کے ماں، باپ کی ساری محبت میرے دل میں آ گئی اس کے لیے بھی اتنے دنوں میں جو ذرا سا بھی اختلاف ہوا ہو ہم دونوں میں یا بچوں کے ساتھ...." نصرت دل گرفتہ سی بولی۔
وہ تو ذکیہ کا جواب سن کر جیسے نڈھال سی ہو کر رہ گئی تھی۔
"اب اسے کہاں تلاش کروں گی؟ ایک آخری امید ہی تو تھی۔" وہ دل گرفتہ سی سوچنے لگی۔
"پہلے تو میری طرف بھی ہفتے بھر میں دو چکر لگا لیا کرتا تھا، مگر تین، چار مہینوں سے تو بس جیسے ایک آدھ بار ہی۔ میں نے کہا نیا کاروبار سنبھالا ہے باپ کا، اللہ اسے ثابت قدمی عطا کرے۔ مجھے تو اس کی ترقی سے خوشی تھی۔"
اسی وقت بسمہ آہستہ آہستہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑے ان میزوں کے سامنے سٹول کر رکھنے لگی۔
"یہ آپ کی بیٹی!" نصرت ذرا اٹک کر بولی۔
"صورت ایسی کہ نگاہیں خیرہ ہوں اور آنکھیں۔"
وہ متذبذب سی ہو کر کہہ ہی بیٹھی۔
"مقدرت کے کام بہن! ہمارا کیا زور، جانے اس نے ہم غریبوں کو کیوں اس امتحان کے قابل سمجھا۔ امتحان لیا بھی تو کوئی وسیلہ بنا دیتا۔ اس کے اندھے پن نے میری زندگی سے ہر خوشی، ہر روشنی کو ختم کر دیا ہے، نصرت باہر نہیں جا سکتی کہ خدانخواستہ..... خیر جو میرے اللہ کی مرضی۔"
نان اسٹاپ بولتے ہوئے اسے خود ہی کچھ خیال آ گیا کہ بسمہ اس کی باتوں کو محسوس کر کے رات بھر بے آواز آنسوؤں سے روتی رہے گی۔
"آپ یہ چائے کے ساتھ بسکٹ تو لیں۔" نصرت دو گھونٹ چائے پی کر کھڑی ہو گئی۔
"بس شکریہ بہن! جس دن سے روحیل گھر نہیں آیا، میں نے گھر میں کسی نے کچھ کھایا ہے نہ کوئی نیند بھر سویا ہے... بس وہ جہاں ہو، ساتھ خیریت سے ہو اور اسی خیریت کے ساتھ گھر واپس آ جائے۔" نصرت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
"اور جوں ہی کوئی اطلاع ملے تو مجھے ضرور بھجوانا، تمہاری بڑی احسان مند رہوں گی۔"
روحیل کے جانے سے نصرت کی یہ حالت ہو جائے گی یہ تو اس نے خود نہیں سوچا تھا۔
جیسے اس کی ہر پریشانی، ہر مسئلے کا آخری سرا جا کر روحیل کی گمشدگی سے مل رہا تھا، وہ ملول سی اٹھ کر چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

یہ تو اسے پتا تھا۔ ثانیہ کی شادی بڑی اونچی جگہ پہ ہوئی ہے، مگر ایسی کروفر والی عورت، ایسا طمطراق اور یہ شان دار گاڑی اور ایسا اعلا پہناوا، وہ بھی ان کے گھر کے آگے....
ذرا دیر کو تو نصرت کو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ اسے بٹھائے کہاں۔
"نہیں مجھے بیٹھنا نہیں، ایک ضروری کام تھا، آپ کی مدد چاہیے اگر آپ کر دیں تو۔"
ایسی منکسر المزاجی سے کب انہوں نے نصرت جیسی عورتوں سے بات کی تھی۔ مگر آج کل تو بہت کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔
"خدیجہ آپا کا ایڈریس؟" نصرت سوچ میں پڑ گئی۔
"پتا نہیں میں نے پوچھا نہیں تھا۔ سچی بات ہے، نند تو وہ میری ہے، پر ذرا اور ہی مزاج کی ہیں تو بھی اس کے بھائی کی زندگی میں ہماری آپس میں بنی نہیں تو ان کے گزر جانے کے بعد..... وہ فوتگی پر آئی تو تھیں، مگر میں نے ایڈریس نہیں لیا۔ اتنی دور بھلا کس سے ملنے جانا تھا ملتان اس سے۔" نصرت نے مفصل جواب دے ڈالا۔
فضیلہ کو آخری روشنی کی کرن بھی اندھیرے میں ڈوبتی نظر آئی۔
"اور کچھ..... میرا مطلب ہے فون نمبر وغیرہ۔"
نصرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔
فضیلہ تو کبھی جا بھی جاتا اس سے ملنے، پر وہ عورت کے گھر پر کوئی چیز مار دے۔ ویسے شوہر کی موت کا ایسا صدمہ ہوا کہ اس کی بہن سے بھی دوبارہ زندگی میں ملنا بھی نہیں تھا۔ اس نے کوئی اتا پتا بھی نہیں رکھا پاس۔
"اے ثنا! تیرے پاس پھوپھی خدیجہ کا فون نمبر تھا نا، تیرے موبائل میں ڈال کر گئی تھی۔" اچانک سے نصرت کو خیال آ گیا۔
ثنا کی صبح ہی ماں سے ٹھیک ٹھاک جنگ ہوئی تھی۔ اس کا ارادہ تو نہیں تھا یہ خدمت خلق کرنے کا، مگر ثانیہ آپا کی ایسی شان دار ساس دیکھ کر وہ بھی کچھ مرعوب ہو ہی گئی۔
وہ سیل فون لا کر فضیلہ کو نمبر فیڈ کروانے لگی۔
"مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی بہن جی! کہ آپ کو اس کی ماں کا پتا یا فون نمبر کیوں چاہیے بھلا؟"
نصرت کو دیر بعد سہی، مگر وہ ضروری سوال یاد آ گیا، جو اسے سب سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔
"ثانیہ تو آپ کے گھر میں ہے تو اسے سب معلوم ہو گا۔ اس سے کیوں نہیں پوچھا آپ نے؟"
"ہاں۔ وہ گھر پہ نہیں ہے نا!" فضیلہ کو ذرا سی دیر میں نصرت کی ذہنی قابلیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس سے یہ سوال بھی متوقع نہیں تھا، مگر وہ یہ کر لے گی لمحہ بھر کو فضیلہ گڑبڑا سی گئیں۔
"تو کہاں گئی وہ؟" نصرت چونکی ہو کر بولی۔
"اپنی ماں کی طرف ہی گئی ہے، پتا مجھے لکھوا گئی تھی۔ مجھ سے گم ہو گیا اور فون..... اس نے کیا نہیں تو مجھے کچھ پریشانی سی ہو گئی۔" فضیلہ گول مول جواب دے کر اس کے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔
اور نصرت بہت دیر تک یہ عقدہ حل کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی کہ ثانیہ کا فون نمبر تو ان کے پاس ہو گا، یہ خود اس سے بات کر کے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔
"اماں کتنی خوب صورت ہے، ثانیہ آپا کی ساس ہے نا، ثنا اس پر مرعوبیت میں تھی ابھی۔
"ہاں مگر کافی ہوشیار۔" نصرت بُرا سا منہ بنا کر بولی۔
"وہ تو ظاہر ہے اتنے بڑے کالج کی پرنسپل جو ہو گئیں اور پتا ہے نا آپ کو ان کے بیٹے نے ثانیہ آپا کو ان کے کالج میں دیکھ کر تو پسند کیا تھا۔ وہ خوب صورت بھی تو اتنی ہیں۔" ثنا اسی ٹرانس میں بولے جا رہی تھی۔
"بس تیرا بھیجا تو آج کل ان ہی فلمی لو اسٹوریوں میں لگا رہتا ہے مردود اور تجھے کوئی کام نہیں۔ گھر پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹ گئی اور کسی کو فکر نہیں۔ اب کیا ہو گا، کیسے اس گھر کا حقہ پانی چلے گا۔ کم بخت بغیر بتائے جانے کدھر دفعان ہو گیا، ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا اتنے دن۔ ذرا جو کوئی ایسی بات کی ہو جو نواب زادے کے مزاج کے خلاف ہو، پھر بھی دغا دے گیا۔"
نصرت کو آج جی بھر کر غصہ آیا روحیل پر۔
"اور تو اور کم بخت دکان کا سامان بھی اندر ہی اندر نہ بیچ باچ گیا ہو، میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھا اور گلے (لاکر) کے سارے پیسے تو کھیسے (جیب) میں ڈال کر

نکل گیا ہوگا۔ پتا ہے مجھے اس کی حرام زدگیوں کا پھر بھی بھروسہ کرلیا خبیث پر میں نے جانے کیوں؟"

وہ ماتھا پیٹ کر غصے میں بولی۔

"وہ تمہاری پھوپھی کی پھاپا کٹنی اس نے مجھے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اس لڑکے کو بیٹھی میں کرلوں' چار سال بعد گڈو جوان ہوگا تو لات مار کر چلتا کرنا اس حرام خور کو' اتنی بھی مہلت نہیں دی کہ میں کم از کم تیرا ہی کہیں کر ڈالتی۔"

نصرت کا آج بس نہیں چل رہا تھا' روحیل کہیں سے سامنے آجائے تو وہ اسے پیٹ ہی ڈالے۔

"آستین کا سانپ دودھ پلا پلا کر اتنے دن رکھا اور ڈسنے سے باز نہیں آیا۔"

"اماں! بس کرو نا۔ کیوں فضول اس کو کوسے جارہی ہو' تم نے اسے گھر میں رکھا تو کچھ احسان تو نہیں کیا' ابا کا بیٹا تھا' وہ ہر چیز' ہر شے میں ہمارا برابر کا حصے دار۔"

ثنا نے آج کل قسم کھا رکھی تھی' ہر وہ الٹی بات کرتی ہے جس سے نصرت کے تن بدن میں آگ لگے۔

"تیرا ستیاناس' اپنی پیٹ کی جنی اولاد ہی دشمن نکلی' میں اس سنپولیے کو کیا روؤں۔ جسے وارث بناؤں اس کو' ہر چیز کا ساجھے دار' میں دن رات تم لوگوں کے لیے اپنی قبر کے کیڑے بڑھاتی جاؤں۔ ارے گھر کے دروازے پر کتا باندھو دو وقت کا راتب دو تو وہ بھی رکھوالی کرتا ہے اور تم اس کو ساجھے دار بناؤ' شاباش بڑی نیک اولاد دی اللہ نے مجھے۔ ایسے سڑے نصیب کہ تین بچے ایک بھی وفادار نہیں۔"

"اماں! ہم کوئی کتے تھوڑی ہیں' جو وفادار ہوں گے۔ آج استاد جی نے کتے پر مضمون لکھوایا تھا کہ اس سے بڑا وفادار جانور کوئی نہیں ہوتا۔" گڈو نے اپنی انٹری دینا ضروری سمجھا۔

نصرت کی توپوں کا رخ اس کی طرف ہوگیا۔ وہ تو دوسرے لمحے چھلانگ مار کر چھت پر چلا گیا۔ بڑا زوردار پیچ ہورہا تھا دو پتنگوں میں' وہ کافی دیر سے ان پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔

"اماں! پتا ہے تمہیں یہ اپنے روحیل بھائی پہلے ثانیہ آپا کو پسند کرتے تھے۔ ان کی شادی سے پہلے جب ابا سے لڑ گئے کہ میرا رشتہ لے کر جاؤ' ثانیہ آپا کے لیے ہے نا!" ثنا ابھی تک ثانیہ آپا کے تصور سے نہیں نکلی تھی۔ اس سے پہلے کہ نصرت جوتا اتار کر اس کی کچھ مرمت کرتی ثانیہ کی بات پہ اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"روحیل بھی غائب ہے اور ثانیہ بھی' بقول اس کی ساس کے ملتان گئی ہے اور فون نہیں کیا اس نے۔ توبہ میرے اللہ یہ تو میرے دھیان گمان میں بھی نہیں تھا۔"

نصرت کو لگا جیسے گردش کرتی زمین ایک جھٹکا کھا کر زور سے اوپر نیچے ہوئی اور اب بالکل ساکت ہے۔

"اتنی بڑی بات اور اتنی قریب کی بات مجھے نہیں سوجھی' ثنا شاباش تیرا بھیجہ تو خوب کام کرتا ہے' اب کسی بھی طرح سے پتا چل جائے کہ ثانیہ کب گھر سے گئی تھی' گئی تھی یا وہ بھی نکل گئی۔ اسی دن جب روحیل گیا تھا تو ساری پہیلی حل ہوجائے گی تو یہ چکر تھا اور سوچ سوچ کر میری عقل سٹھیا گئی کہ اس کم بخت کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

اے گڈو! جا... جلدی سے جا' اس [illegible] کو بلا کر لا گھر سے۔" ایک دم سے نصرت پر جیسے کوئی آفت ٹوٹ پڑی تھی' چپلیں ڈھونڈتی کھڑی ہوگئی۔

"اماں! چپلیں تو سیدھی پہن لو۔" ثنا مزاقاً بولی۔

اور نصرت نے دھیان نہیں دیا۔ اس لمحے اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔

"اب تنویر سے کیا بولنا ہے تم نے؟" وہ اپنے ناخنوں کی شیپ چیک کرتے ہوئے بولی۔

"جا دفع ہو مرا' اندر کھونٹی سے دکان کی چابیاں لٹک رہی ہیں' لے کر آ میں تنویر کے گھر سے اسے لیتی ہوں' خود دکان کھلوا کر چیک کرتی ہوں' کیا کیا کچھ دبا کر نکل گیا حرام خور!"

"اے گڈو! مر نیچے۔" وہ دیوانہ وار چلائی۔

پہلے والی نصرت زبردستی کے خول کے تڑختے ہی باہر نکل آئی تھی۔

گڈو کو آگے لگا کر چادر الٹی سیدھی اوڑھ کر وہ تیز تیز

قدموں سے چلتی بازار کی طرف گئی' اتنے دن میں ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ دکان کھلوا کر تو دیکھ لیتی۔ اپنی عقل پہ ماتم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اور فضیلہ کے لیے یہ خبر بھی کسی بم کی طرح گری تھی۔

"نہیں ثانیہ تو میری طرف نہیں آئی' کیا اس نے آنا تھا' اس نے تو مجھ سے ایڈریس بھی نہیں لیا تھا' لیا بھی تھا تو پھر آئی کیوں نہیں؟ کیا واقعی آئی۔۔۔ ادھر؟" خدیجہ خود پریشان سی ہوگئی۔

اور فضیلہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"نن نہیں ارادہ' ارادہ تھا۔ دونوں سیر کے لیے گئے تھے نا بلال اور ثانیہ اسلام آباد' تو کہہ رہے تھے کہ شاید چکر لگائیں۔" وہ بوکھلا کر بولیں۔

"پھر تو آپ کو اس سے یا بلال بیٹے سے فون کرکے پوچھنا چاہیے۔" آج یہ واجبی پڑھی لکھی عورتیں میڈم فضیلہ [illegible] کو عقلیں دے رہی تھیں کہ انہیں یہ کرنا چاہیے' وہ کرنا چاہیے۔

انہیں غصہ خود پر ہی آیا۔

"آخر کیا ضرورت ہے اس ساری بھاگ دوڑ کی' جب میاں' بیوی راضی تھے تو ان کو کس نے کتنی وقعت دی' اب اگر علیحدگی ہوگئی ہے تو ان کی بھاگ دوڑ سے کیا وہ پھر ایک ہوجائیں گے۔"

میں کیوں پاگلوں کی طرح ہلکان ہورہی ہوں۔

انہیں اپنے اوپر ہی بے تحاشا غصہ آگیا۔

انہوں نے خدیجہ سے اگلی بات کے بغیر فون بند کردیا۔

بلال آج صبح سے گھر سے غائب تھا' کہاں گیا' انہیں پتا بھی نہیں تھا۔ اک بار فون کیا۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ مصروف ہے' ذرا دیر بعد گھر آجائے گا۔

اور اب یہ دیر رات ہوچکی تھی اور بلال کا کچھ پتا نہیں تھا۔ فضیلہ کو لگ رہا تھا ان کا دماغ ماؤف ہوچکا ہے۔

"نام! آپ کا فون؟" زونیرا نے انہیں کارڈلیس لا کر دیا۔

"وہ کس کا فون ہے؟" وہ اس لمحے کتنی الجھی ہوئی تھیں، کسی سے بھلا کیا بات کر سکتی تھیں۔

زونیرا نے کچھ جواب نہیں دیا ہلکا سا مسکراتی رہی۔ اور مسکراہٹ تو آج کل یوں بھی ہر لمحہ اس کے لبوں پر موجود ہوتی سوانہیں کچھ محسوس نہیں ہوا۔

دوسری طرف مسز حامد تھیں انہیں ان کا وعدہ یاد دلانے کو جو انہوں نے ڈنر کے لیے زونیرا کی سسرال سے کیا تھا۔

"بلال ابھی اسلام آباد سے نہیں لوٹا۔" وہ تین دن سے یہی بہانہ کیے جارہی تھیں آج بھی یہی کہا۔

"تو آج پھر آپ اکیلی ہی آجائیں ہمیں اپنی بھاوج اور بھائی کے سامنے اور شرمندہ نہیں پڑ سکتی۔" مسز حامد کچھ خفگی سے بولیں۔

"مسز حامد! بلال کل آرہا ہے' ان شاءاللہ کل رات کو ہم حاضر ہو جائیں گے' آپ بے شک کل فون بھی نہ کیجیے گا ہم خود پہنچ جائیں گے۔" اب اس معاملے کو اور لٹکانا ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ یقین دلاتے ہوئے بولیں۔

"سوچ لیں' پھر ایسا نہ ہو کہ آپ بلال کا بہانہ کرکے۔"

"ارے نہیں پر امس کیا ہے میں نے' بلکہ بلال تو ادھر صبح ہی پہنچ جائے گا۔" وہ سچ بولتے ہوئے ایک دم سے اٹکیں۔

"چلیں ایک بار پھر آپ کے وعدے پر اعتبار کر کے دیکھ لیتی ہوں کتنی وفا ہے اس میں۔" وہ جتا کر بولیں۔

"ان شاءاللہ وفا ہی وفا ہوگی آپ بالکل فکر نہیں کریں۔" وہ ایک دم سے بشاش لہجے میں بولیں۔

"اب اس معاملے کو نپٹ جانا چاہیے۔ بہت ہو گئی میں ثانیہ کے لیے پریشان' کسے کون سی میری پروا رہی تھی۔" انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور مسز حامد کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"آپ نے جھوٹ کیوں بولا کہ بلال بھائی اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔" زونیرا جتا کر بولی۔

"بس تم چپ رہو تم سے کچھ نہیں پوچھا میں نے۔" وہ خفا سے لہجے میں کہہ کر اٹھ گئیں۔ زونیرا نا سمجھی سے ماں کے رویے پر غور کرنے لگی۔

٭ ٭ ٭

"آپ مجھ سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گی کبھی بھی۔" بلال سرد لہجے میں بولا۔ "اور دوبارہ بھی اس گھر میں اس کا ذکر بھی نہیں ہوگا۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"تم جانتے ہو نا! تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ جتا کر بولیں۔

"بہت اچھی طرح سے وہ میری زندگی کا ایسا باب تھی' جسے میں نے پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔" وہ تنفر سے بولا۔

"مگر یہ بات تم بھول رہے ہو وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی تھی بلال!" فضیلہ اسے یاد دلانے کو بولیں۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بچہ میرا ہی تھا؟" اس کے لہجے اس کے انداز میں کتنی نفرت اور کتنا زہر تھا' یہ تو انہیں شروع ہی میں اندازہ ہو گیا تھا اس سے بات کر کے۔ مگر یہ سب۔

"کسی پر بہتان لگانے کا مطلب سمجھتے ہو تم؟" انہیں بہت برا لگا۔

"وہ کسی نہیں جس طبقہ اور کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں یہ باتیں روٹین کی ہیں۔"

"اتنی پہچان ہے میری ان بوڑھی مگر تجربہ کار آنکھوں کو کہ وہ کیا تھی کم از کم وہ نہیں تھی جو تم اب سمجھ رہے ہو۔

اور شاید تم بھول رہے ہو' وہ اس وقت بھی اس کلاس اور طبقے سے بی لونگ کرتی تھی جب تم اس سے شادی کے لیے پاگل ہوئے جارہے تھے۔ اپنی ماں کی باتیں بھی بھول... فضول لگا... تھیں... تب اب... تم کو یہ...

انہوں نے بہت کچھ ضبط کرتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ ڈالا۔

بلال نے کچھ بھی جواب دینے کی بجائے منہ پھیر لیا۔

"بہر حال اس موضوع پر بات بھی جب ہی ہوا کرتی تھی جب یہ تمہاری دیوانگی تھا ورنہ ہمیں کچھ ایسا شوق نہیں تھا۔"

"اب اگر تم نہیں چاہتے تو بے فکر رہو' یہاں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ہوگا لیکن کچھ اور معاملات بھی ہیں جو تمہارے اس غیر معقول رویے سے متاثر ہو رہے ہیں۔" وہ اصل موضوع کی طرف آگئیں۔

بلال نے اس کی طرف دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"ابھی کچھ دیر میں ہمیں زونیرا کی سسرال ڈنر پر چلنا ہے تم تیار ہو جاؤ اور انکار اس لیے نہیں کرنا کہ میں ان لوگوں سے پہلے ہی کافی بار شرمندہ ہو چکی ہوں' اس لیے جانا ضروری ہے۔"

وہ قطعی لہجے میں بولیں۔

"ٹھیک ہے..."

"تمہارے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا' خوش قسمتی یا بد قسمتی سے تم زونیرا کے اکلوتے بھائی ہو اور باپ کی غیر موجودگی..." وہ لمحہ بھر کو رکیں "تمہیں ہی یہ سب کچھ کرنا ہے' یہ بھی اب مجھے بتانا ہوگا۔"

"میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔

وہ جانتی تھیں وہ انہیں تو ثانیہ کو ڈسکس کرنے سے منع کر گیا ہے مگر خود...

وہ ٹھنڈا سانس بھر کر اٹھیں اور خود بھی تیار ہونے چل دیں۔

٭ ٭ ٭

بہت راتوں کے بعد نصرت کو اتنی گہری اور میٹھی نیند آئی تھی۔

دکان ساری سامان سے بھری ہوئی تھی لاکر میں بھی ساری رقم محفوظ تھی اور دکان خالی یا بھری لاکھوں کی تھی نصرت کے لیے یہی کافی تھا۔

بس اسے اب گزر اوقات کے لیے کوئی اچھا سا شریف کرائے دار ڈھونڈنا تھا' جو گڈو کے پیروں پر کھڑا ہونے تک یہ کام بخوبی کر سکے۔

اور ابھی تو شکر ہے روحیل کے دماغ میں یہ کیڑا نہیں آیا تھا کہ یہ دکان' یہ گھر اس کے باپ کی وراثت ہے اور وہ اس میں برابر کا حصے دار ہے۔ ثنا کی بکواس پر نصرت نے دل میں شکر ادا کیا تھا۔

"کرائے دار کا بندوبست میں کر دوں گا۔" ساتھ والے شمس چچا نے پوری ذمہ داری کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔

"وہ بھی اسی ہفتے۔" گویا ایک معقول روزگار کا بندوبست ہونے والا تھا' نصرت کو اتنے دن کی دماغی کشمکش کے بعد قدرے سکون محسوس ہوا تو وہ اتنی گہری نیند سو سکی تھی۔

پہلے تو وہ یہی سمجھتی رہی کہ خواب میں کوئی مسلسل دروازہ پیٹ رہا ہے اور خواب میں وہ باری باری تینوں بچوں کو چیخ کر کہتی ہے کہ دروازہ کھولو جا کر اور کوئی بچہ نہیں کھولتا۔

اور خود وہ اٹھ نہیں پاتی۔

اور زوردار دستک پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

واقعی باہر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

وہ پریشان ہو کر اٹھی اور تیز تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر دروازے تک پہنچی' رات کا جانے کون سا پہر تھا' باہر جتنی خاموشی' سناٹا اور گہرا اندھیرا تھا' یقیناً دوسرا یا تیسرا پہر ہوگا۔

"کون؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا' دستک پھر سے ہونے لگی۔

"کون ہے؟" اب کے ذرا اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"کھولو۔" وہ ٹھٹک سی گئی اور دوسرے لمحے کچھ بھی سوچے بغیر اس نے دروازہ کھول دیا۔

اور دوسرے لمحے وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی' اس کے سامنے ایک بہت ہی حیران کن منظر تھا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ)

نعیمہ ناز سلطان

"چائے پیو گی؟" ہما نے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

"ہوں۔" نزہت نے فقط ایک ہوں سے جواب دیا۔ اس کا روانی سے چلتا ہوا قلم اور مسلسل جھکا ہوا سر اس کی مصروفیت اور محویت کو ظاہر کر رہا تھا۔

"کیا ہوا! ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تمہاری کہانی؟" ہما نے اس کی محویت جان کر بھی عادت سے مجبور ہو کر سوال کیا کہ اسے بات بات پر سوال کرنے کی عادت تھی۔

"بس ہونے والی ہے؟" نزہت نے ایک لمحے کے وقفے کے بعد جواب دیا اور دوبارہ اپنے کام میں منہمک ہو گئی۔

ہما نے چائے کا کپ لا کر اس کی میز پر رکھ دیا جب تک چائے ختم ہوئی کہانی بھی مکمل ہو چکی تھی۔

"شکر اللہ کا۔" نزہت نے قلم کاغذ چھوڑ کر ایک بھرپور انگڑائی لی پھر ہاتھوں کی انگلیاں دبانے لگی۔ صبح آٹھ بجے سے اب دو بجنے کو تھے بمسلسل لکھتے لکھتے انگلیاں دکھنے لگی تھیں مگر اس نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ آج یہ تحریر ضرور مکمل کرنی ہے لہٰذا نیند کے غلبے اور تھکن کے باوجود بھی وہ اپنے کام میں لگی رہی شام میں عامر اسے لینے آ رہے تھے اور اس کی پوری پوری کوشش تھی کہ وہ عامر کے آنے سے پہلے ہی تحریر مکمل کر لے ورنہ گھر جا کر کاموں میں یوں الجھتی کہ صبح سے شام اور عمر تمام والا معاملہ ہو رہا تھا۔

"دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن۔"

بڑی حسرت سے وہ مصرع پڑھتی تو شوہر موصوف کبھی قہقہہ مارتے اور کبھی بڑی محظوظ سی مسکراہٹ سے اپنی لکھاری بیوی کو نوازتے۔

"ابھی تو فقط شادی کے بعد کا ابتدائی دور ہے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" عامر بیوی کی حالت زار پر غالب کے لفظوں میں ہی ترجمانی کرتے۔ "اور جب اللہ تعالیٰ کوئی ننھا منا سا کھلونا دے دیں گے تو پھر کیا کرو گی؟ کاغذ قلم سنبھالو گی یا اس کھلونے کو؟"

"کھلونے کو آپ ہی سنبھالیے گا' میں تو کاغذ سنبھالوں گی۔" نزہت نے بڑے طمطراق سے جواب دیا تھا مگر سارا طمطراق اڑن چھو ہو گیا جب گل گوتھنا سا منا گود میں آیا تو سارے کام ایک طرف اور علی کے کام ایک طرف۔

"اب تو مجھے سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی گھر کے کام علی کے کام بس انہی میں سارا دن گزر جاتا ہے۔" نزہت اپنی بہن ہما کے ساتھ اپنی حالت زار شیئر کر رہی تھی۔

"تم نے اب لکھنا چھوڑ دیا؟ علی پانچ ماہ کا ہو گیا ہے اور پانچ مہینوں سے ہی تم نے کچھ نہیں لکھا۔"

"لکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی' روزانہ سوچتی ہوں کہ اس کام سے فارغ ہو جاؤں تو لکھنے بیٹھوں گی مگر ایک کے بعد ایک کام ایسے نکلتے رہتے ہیں کہ جب فارغ ہوتی ہوں تو بس ایک ہی شے کی طلب ہوتی ہے اور وہ ہے نیند بمشکل سے چار پانچ گھنٹے ہی سونے کو ملتا ہے کبھی یہ موصوف رات میں بھی اترانے لگتے ہیں۔ ان کی ریں ریں میں صبح کے چار' پانچ بج جاتے ہیں۔" نزہت نے اپنی رام کہانی پھر شروع کر دی۔

"ضرورت اور فرصت کا مطالبہ؟ ہماری اوقات سے کچھ بڑھ کر نہیں ہے؟" ہما فلسفیانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"ہاں یہ تو ہے؟" نزہت نے ایک گہری سانس لی۔

ایک دو بار اس نے کوشش کی کہ جب گھر کے کاموں سے فارغ ہو تو کچھ لکھ لے۔ مگر افسوس اس کی کوشش بھی ناکام ہی رہی' ایک تو اسے اس طرح لکھنے کی عادت ہی نہیں تھی وہ تو بڑی فرصت سے بیٹھ کر بغیر کسی کی مداخلت کے چائے کے تین' چار کپ کے ساتھ لکھنے بیٹھتی تھی۔ اب اس طرح کی فرصت فقط خواب و خیال بن گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہائے اللہ! مہنگائی کتنی ہو گئی ہے کوئی چیز لینے کے لیے دس بار سوچنا پڑتا ہے۔" نزہت شوہر کے ساتھ مارکیٹ آئی تھی' علی کے لیے گرم کپڑے لینے' سردیاں شروع ہوتے ہی اسے فکر لگ گئی کہ علی کے

گرم کپڑے، جوتے، موزے، سوئیٹر، ٹوپے، بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کچھ خرید ڈالے مگر... انتہائی مہنگائی کے اس دور میں فقط چند چیزیں ہی خرید سکی، باقی کے لیے دل مسوس کر رہ گئی۔

"یار! بس اب جیب اجازت نہیں دے رہی، اگلے مہینے خرید لینا، جو رہ گیا ہے۔" شوہر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی مگر وہ جانتی تھی کہ اگلے ماہ یا اس سے بھی اگلے ماہ معمولی سی شاپنگ بھی مشکل ہی تھی۔ اسی تنخواہ سے گھر کے اخراجات بھی پورے کیے جا رہے تھے، بل اور کمیٹیاں بھی بھری جاتی تھیں، ملین دین بھی کرنا ہوتا تھا، اگلے ماہ سے خاندان میں شادیوں کا سلسلہ شروع تھا، تین ماہ میں پانچ شادیاں تھیں، انہیں بھی نمٹانا تھا، مشکل ہی تھا کہ وہ اب سو دو سو کی بھی کوئی چیز خرید سکتی۔

"ایک افسانہ ادھورا پڑا ہوا ہے وہی مکمل کر کے بھجوا دیتی، کچھ پیسوں کا ہی آسرا ہو جاتا۔" نزہت سوچتی ہوئی گھر آئی تو دل ہی دل میں پکا ارادہ کر چکی تھی کہ رات میں بیٹھ کر افسانہ مکمل کر لے گی مگر رات میں علی نے سونے میں ہی دو بجا دیے، تھکن اور نیند کے غلبے سے نزہت کا برا حال تھا، وہ صبح چھ بجے کی جاگی ہوئی تھی اور اگلی صبح بھی اسے معمول کے مطابق اسی وقت پر اٹھنا تھا، افسانہ مکمل کرنے کا ارادہ اڑن چھو ہو گیا، وہ بستر پر لیٹتے ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ اگلے ہفتے میکے گئی تو علی کو ہما کے حوالے کر کے اس نے دو تین دن میں اپنی تحریر مکمل کر کے بھجوائی، اس کا ارادہ تھا کہ ان پیسوں سے علی کی کچھ شاپنگ کرے گی مگر ان پیسوں کے آتے ہی علی کو ٹھنڈ نے آ لیا، اس کی بیماری، ٹیسٹ، علاج، دوائیاں، اچھے خاصے اخراجات کی ایک نئی پٹاری کا منہ کھل گیا تھا۔ ادھر شادیاں سر پر تھیں، ان میں دینے کے لیے بھی ٹھیک ٹھاک رقم چاہیے تھی۔

"چلو نزہت بی بی! کاغذ قلم سنبھال لو کچھ آنسو تو پونچھے ہی جائیں گے۔"

وہ کمر کس کر میدان عمل میں کود پڑی کہ اس کے سوا کوئی اور چارا نہ تھا، وہ وقت تو اب جیسے خواب و خیال ہو گیا تھا جب اپنی مرضی اور موڈ کے مطابق گھنٹوں بس لکھتی ہی تھی، کسی کی ذرا سی مداخلت بھی ناگوار گزرتی تھی، مگر شادی شدہ اور صاحب اولاد لکھاری عورت کو تو شاید یہ فرصت خواب میں بھی نہ ملے۔

ہما اس سے زیادہ سمجھ دار تھی، ٹھیک ہی تو کہتی تھی۔

"اب لکھنے کے لیے الگ سے کوئی وقت نہیں ملے گا، تمہیں جو وقت میسر ہے، اسی میں سے اپنے قلم کے لیے جو ساعتیں ملیں گھسیٹ لو۔"

اور نزہت نے یہی کرنا شروع کر دیا۔ آخر بڑی بڑی لکھاری خواتین نے یوں ہی لکھا ہے، ادھر ہنڈیا میں بگھار لگایا اور چند سطریں گھسیٹ لیں، ادھر فرش صاف کیا اور قلم کاغذ سنبھال لیا، روٹیاں پکائیں اور دو چار لائنیں لکھ ماریں۔

پھر نزہت نے بھی یہی کرنا شروع کر دیا، کبھی قسمت سے فراغت مل جاتی تو غنیمت جان کر کسی قیمتی متاع کی طرح وہ وقت سمیٹ لیتی، کوشش کرنے کی روٹین بن چکی تھی کہ بچے کا ڈائپر تبدیل کیا اور چند منٹ قلم کی مزدوری کے نکال لیے، کپڑے مشین میں ڈالے اور ایک آدھ صفحہ لکھ لیا، اسے یوں مشغول دیکھ کر کوئی حیران ہوتا، کوئی تعریف کر دیتا اور کوئی تنقید مگر وہ سب سے بے نیاز اپنے لیے راہ متعین کر چکی تھی۔

ابتدا میں کچھ مشکلات آئیں مگر آہستہ آہستہ وہ سب پر قابو پاتی جا رہی تھی، شوق ضرورت بن جائے تو اظہار کے اور خود کو منوانے کے راستے نکل ہی آتے ہیں اور نزہت زیست کو کچھ آسان کرنے کے عزم کے ساتھ ان راستوں پر چل پڑی تھی۔

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی ملازمت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوتی شیلی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ زوبیہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے جویا سے لگاؤ کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاماہر موقع پر اس کی اتنک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینہ زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالگرہ کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوری اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاکھوں کے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

ززتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹری بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور اور انجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ ززتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ لو عظمت اسے کرتے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ ززتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے ززتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے رکھتی ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی الٹی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا اور رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکنے لگتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۳۶
چھتیسویں قسط

کتنی دیر سے وہ سر جھکا کے کارپٹ کے منے منے سے پرنٹ کو دیکھ رہی تھی۔

دادی نے ایک گھورتی نگاہ، وقفہ وقفہ سے اس پر ڈالتے رہنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ وہ چہرہ اور اس کے تاثرات دیکھ کر، لوگوں کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگا لیتی ہیں، لیکن اس لڑکی کا معاملہ دوسرا تھا۔

وہ یہاں آنے سے پہلے ہی سخت ناپسندیدہ ٹھہری تھی! پہلے تو اس کا اس بھری دنیا میں تنہا رہ جانا ہی، اس کے بے اعتبار کرنے کے لیے کافی ٹھہرا تھا، رہی سہی کسر معاذ کی دھمکی نے پوری کر دی تھی۔

گو ابا کے سمجھا دینے کے بعد، اس نے اپنی بات کو ایک بار بھی نہیں دہرایا تھا۔ لیکن امی اور دادی دونوں ہی کو یقین تھا کہ کچھ ہے، جو در پردہ ہے۔

آج سے پہلے کسی بھی لڑکی کے پیچھے معاذ نے گھر والوں سے مخالفت مول نہیں لی تھی، جویا کے لیے بھی نہیں، جس کے بارے میں دادی کو آج بھی پورا یقین تھا کہ وہ معاذ کے دل سے نہیں نکلی۔

مگر اب۔۔۔؟

سامنے کاٹن کے بڑے بڑے پھولوں والے پرنٹ کا سوٹ پہنے بیٹھی ہوئی زری ان کے گھر میں سوالیہ نشان بن کر آئی تھی۔

دادی نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

وہ اس کی موجودگی سے بے چینی محسوس کر رہی تھیں، مگر یہاں اپنے کمرے میں اس کو رکھنا بھی وہ خود ہی منظور کر چکی تھیں۔

"سنو لڑکی کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟"

حالانکہ جب وہ یہاں آئی تھی تب معاذ نے سب سے اس کا باقاعدہ تعارف کرایا تھا، لیکن دماغ میں اتنی بہت ساری الجھنیں کلبلا رہی تھیں کہ وہ اس کا چھوٹا سا نام بھی آسانی سے بھول چکی تھیں۔

"جی زری!"

اس کی سہمی ہوئی نگاہ دھیرے سے اٹھی اور پھر جھک گئی۔

"لڑکی خوبصورت نہ سہی، لیکن پرکشش تو ہے۔"

بہت جانب دار ہو کر بھی انہیں اتنا تو ماننا پڑ رہا تھا! اس کی دمکتی ہوئی رنگت، خوبصورت آنکھیں، دل کش سراپا۔ کوئی بھی لڑکا اسے ناپسند نہیں کر سکتا تھا۔

سو معاذ بھی کیوں؟

وہ جتنا بھی سوچتیں، کوفت اور بھی بڑھ رہی تھی۔

بیٹھے بٹھائے کی مصیبت۔

"یہ سامنے اسٹور ہے اپنے کپڑوں کا تھیلا وہاں رکھ دو، لے جا کر۔"

وہ تابع داری سے فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی، یہ پرانا سا زپ ٹوٹا ہوا بیگ بھی، اسے آج صبح ہی خالہ بتول نے دیا تھا، جس میں وہ اپنے گنتی کے چار جوڑے رکھ کر لائی تھی، اور ان کے نیچے حفاظت سے رکھے ہوئے، بتول کے ہی دیے ہوئے پانچ سو روپے تھے، جو اس نے چلتے ہوئے، خوب آنسو بہا کر زری کو دیے تھے۔

"مجھے معاف کر دے بچیو زری! میرے بس میں ہوتا تو تجھے یہیں اپنے پاس رکھ لیتی، مگر میں بڑی مجبور ہوں بیٹا!"

بتول کی مجبوری، شرابی اور سخت مزاج شوہر تھا، زری کو اس سے ذرا بھی گلہ نہیں تھا، بلکہ اس سے کیا، اب تو اسے طوطے کی طرح آنکھیں بدلتی سعیدہ سے بھی کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔

اگر وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کی حامی بھر لیتی تو وہ پھر تو شاید وہ ساری عمر معاذ کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ پاتی۔

خوش بختی کا یہ در نادانستہ ہی سہی کھلا تو سعیدہ ہی کے طفیل تھا۔

دادی کے کمرے سے ملحقہ چھوٹے سے اسٹور میں اپنا بیگ ایک کونے میں رکھتے ہوئے سعیدہ کو کم اور دونوں بچوں کو زیادہ یاد کیا۔

بھائی کی آخری نشانیاں!

اب وہ کب انہیں دیکھے گی شاید کبھی بڑے ہو کر وہ اس سے ملنے آجائیں۔

آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو اس نے سختی سے رگڑ ڈالا اور واپس باہر آگئی۔

"اتنی دیر کیوں لگادی اندر؟"

دادی کا لہجہ سخت تھا اور وہ اس کے منٹ منٹ پر چیکنگ کا فیصلہ اس کے آنے سے پہلے ہی کر چکی تھیں۔

"جی وہ بس ایسے ہی۔" زری نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا مگر وہ غیر مطمئن تھیں۔

"میری دس چیزیں رکھی ہیں اس اسٹور میں ذرا احتیاط رکھنا' کچھ ادھر ادھر ہوا تو پھر میں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کروں گی فوراً ہی چلتا کروں گی یہاں سے مجال نہیں ہے معاذ کی جو میرے سامنے کچھ بول سکے۔"

انہوں نے اپنی اور اس کی دونوں ہی کی حیثیت متعین کرنا ضروری سمجھا۔

"جی۔"

"یہاں آکر بیٹھو۔"

ان کے اشارے پر وہ قریب آئی تھی۔

دادی کو یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ وہ ان کے کہے بنا ہی پیڑھا یا کرسی کے بجائے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

"دیکھو معاذ! تمہیں یہاں لے تو آیا ہے کہتا ہے کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے اب پتا نہیں جھوٹ ہے یا سچ۔ معاذ اتنا سیدھا اور رحم دل ہے کہ کوئی بھی اس کے سامنے مظلوم بن جائے' وہ اس کی مدد کے لیے بے چین ہو جاتا ہے تم نے اگر اسے یوں ہی گھڑ کر کہانی سنادی ہے تو بھی وہ اسے سچ ہی سمجھے گا' لیکن ہم سب اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔ سمجھیں!"

صاف صاف لہجے میں کہی گئی بات میں کوئی پیچ و خم نہیں تھا' اور جو کچھ بھی وہ کہہ رہی ہیں اسے کرنے میں بھی دیر نہیں لگائیں گی' زری کو فی الحال تو پورا یقین ہوا تھا۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو' اتنی دیر سے میں ہی اکیلے بولے جا رہی ہوں۔" اس کی مستقل خاموشی سے وہ اب جھنجلانے لگی تھیں۔

زری کی بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے ان کی باتوں کے جواب میں کیا کہنا چاہیے' اصل میں تو ان کی کہی کوئی بھی بات جواب طلب نہیں تھی' وہ صرف اسے یہاں رہنے کے اصول و قاعدے بتا رہی تھیں اور کسی بھی خطا سے پہلے ہی ممکنہ سزا سے بھی آگاہ کر چکی تھیں۔

وہ صرف سننے اور ماننے کا اختیار رکھتی تھی۔

اعتراضات' تحفظات سب اس گھر کے مکینوں کا حق بنتے تھے۔

"مجھے ایسی چپ چپ گھنی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں' کچھ پتا نہیں ہوتا کہ دل میں کیا لیے بیٹھی ہیں' ایک زمانے میں معاذ کی ماں بھی بڑی خاموش ہوتی تھی' جب وہ نئی نئی شادی ہو کر میرے گھر آئی تھی' مجھے بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی اس کی عادتوں سے لیکن پھر......!"

انہیں دفعتاً ہی احساس ہوا کہ نو وارد سے فی الحال اتنی بے تکلفی بھی مناسب نہیں کہ خاندانی حالات گوش گزار کیے جائیں۔ سو بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئیں۔

ربیعہ چائے کی ٹرے لیے اندر آرہی تھی۔

گرم چائے سے اٹھتی خوشبودار سی بھاپ' ربیعہ کے چہرے کا فطری سا نرم تاثر اور اس کی مہربان مسکراہٹ اطراف کی سرد مہری خود بخود ہی فضا میں تحلیل ہونے لگی۔

"چائے پیو زری! سب کو میری ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے۔ تمہیں بھی اچھی لگے گی۔"

اس کے لہجے میں وہی اپنائیت تھی' جو معاذ کے انداز کو یاد دلاتی تھی۔

زری نے تشکر بھری نگاہوں سے ربیعہ کو دیکھا۔

یہاں اس گھر میں معاذ کے علاوہ وہ ہی اس کے دل کو ڈھارس بندھانے کا سبب بن رہی تھی۔

"اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا' یہاں سب اپنے ہیں' تم بہت خوش رہو گی' کوئی ضرورت ہو' کوئی پرابلم ہو' بلا جھجک مجھ سے کہنا۔ سمجھیں۔"

زری نے پلکیں جھپکاتے ہوئے' ربیعہ کی طرف دیکھا اور اتنی دیر میں پہلی بار مسکرادی۔

"گڈ' یہ ہوئی نا بات۔" وہ زری سے بھی زیادہ خوش ہوئی "اور یہ نیچے کیوں بیٹھی ہو تم' یہاں اوپر آرام سے بیٹھو چیئر پر۔" اس نے ابھی اس کا نیچے بیٹھنا نوٹ کیا تھا' سو اصرار کرنے لگی۔

"نہیں بالکل ٹھیک ہوں' مجھے ویسے بھی نیچے بیٹھنے اور نیچے ہی سونے کی عادت ہے' آرام سے بیٹھی ہوں۔"

دادی کو زری کی اس بات سے' بہرحال اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اس فکر میں تھیں کہ رات کو اس کے لیے الگ چارپائی بھی ڈلوانی پڑے گی اور معاذ سے تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اسے ان کے ہی بیڈ پر سلوانے کی ضد پکڑے۔ کہ خود ربیعہ بھی اکثر ان کے پاس ہی سو جاتی تھی۔

"آؤ چلو میں تمہیں گھر دکھاؤں۔"

چائے کا کپ رکھتے ہی' ربیعہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر تیزی سے باہر نکل بھی گئی۔ دادی کو اعتراض کا موقع بھی نہ مل سکا۔

اتنی دیر سے جو وہ اس کے دل پر اپنا رعب بٹھانے کی جو کوشش کیے جا رہی تھیں' اسے ربیعہ نے تھوڑی ہی دیر میں بے اثر کر دیا تھا۔

مارے کوفت کے وہ خود بھی چلتی ہوئی اگلے برآمدے میں آکھڑی ہوئیں۔ دونوں لڑکیاں کہیں نظر نہیں آرہی تھیں شاید ربیعہ' زری کو اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ وہ واپس مڑنے لگی تھیں۔ تب ہی انہوں نے شائستہ کو پچھلے کوریڈور سے نکل کر' ربیعہ کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

دادی کے لبوں سے ایک دبی دبی سی سانس آزاد ہوئی۔

"معلوم نہیں زیادہ شامت کس کی آئی تھی' ربیعہ کی یا پھر زری کی؟" پتہ نہیں کیوں' لیکن انہیں تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

نچلی منزل میں آج صبح سے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی! اجنبی آوازیں بھاری قدموں کی آہٹ سامان گھسیٹے جانے کا شور' کھلتے بند ہوتے دروازے۔ آواز کا نہ ختم ہونے والا تسلسل۔

ایک بار پھر وہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔

نیچے کے لاؤنج سے باہر گیٹ کی طرف کھلنے والا دروازہ اور آگے کھلا ہوا مین گیٹ سب یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

لاؤنج میں ڈرائنگ روم کے صوفے نکال کر لائے جا رہے تھے اور لاؤنج کے پرانے صوفے۔

جویا کی بے قرار نگاہ یہاں سے وہاں تک گئی۔

کل رات وہ بڑی دیر تک لاؤنج میں بیٹھی رہی تھی۔ اپنے پرانے سیٹ اپ میں گھر کو دیکھنے، محسوس کرنے کے بس وہی آخری چند گھنٹے تھے۔

آج گھر خالی کیا جا رہا تھا، کل یا پھر زیادہ سے زیادہ پرسوں تک انہیں بھی چلے جانا تھا، کسی اور ماحول کسی دوسرے منظر میں رہنے کے لیے جس کا حصہ بننے میں نہ جانے کتنا وقت درکار ہوگا۔

خالی خالی نگاہوں سے نیچے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا گلی میں کھڑے ٹرک کا یہ دوسرا چکر تھا۔

پہلے چکر میں نیچے کے دونوں کمروں کے بیڈ روم سیٹ اور لاؤنج کے صوفے جا چکے تھے اور اب۔۔۔ چند لڑکے خالی ہوئے بیڈ رومز میں سے کارپٹ کے رول بناتے ہوئے نکل کر باہر کی طرف جا رہے تھے۔

"کتنے من کا وزن ہے یار! میرا تو کندھا ٹوٹا جا رہا ہے۔" اس نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا۔

"قالین تو بھاری اور دبیز ہی ہونے چاہئیں، کون سا بار بار اٹھائے جاتے ہیں لیکن ایک بار بچھ گئے تو گھر کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"اور کیا، اور یہ سینتھیٹک کارپٹ تو خاندان بھر میں گھر گھر بچھ گئے ہیں ویسے بھی ہمارا اور ان کا فرق تو ہر چیز میں دکھائی دینا چاہیے نا۔"

کھلتے لہجے میں کیے جانے والے ان تبصروں کو ماضی کا حصہ بنے ابھی زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔

"آپا گل اور شاکرہ امی کی مشترکہ کاوشوں اور تگ و دو کے نتیجے میں جمع ہونے والی وہ ساری آسائشیں جو گھر والوں کی خوش نصیبی اور خوشحالی کی دلیل تھیں محض چند گھنٹوں میں ان کی حیثیت صفر ہوگئی تھی۔

"اوپر سے بھی سامان لانا ہے کیا؟ نیچے کوئی بڑے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔ جویا نے چونک کر سامنے دیکھا۔

ایک آوارہ صورت لڑکا بڑی دلچسپی سے اس پر نگاہ جمائے کھڑا تھا۔ وہ بے ساختہ ہی جھجک کر پیچھے ہٹی۔!

"کمینہ کہیں کا!" بہت سارے آنسو بے ساختہ ہی اس کی آنکھوں میں آ گئے گھر جیسے کسی کھلے چوراہے میں بدل رہا تھا۔

بھانت بھانت کے لوگ گھر میں اس طرح کھلے عام پھر رہے تھے جیسے گھر والوں کی بے بسی کو پوری طرح انجوائے کر رہے ہوں۔

"اچھا ہی ہوا، جو ابو اس وقت گھر پر نہیں ہیں، وہاں جیل میں بیٹھ کر وہ اس منظر کو تو دیکھنے سے بچ ہی گئے۔"

پہلی بار اسے ان کا جیل میں ہونا ہی عافیت کا سبب لگنے لگا، مگر صرف چند لمحوں کے لیے۔

"کتنا روؤ گی جویا اب بس کرو۔" زویا تھکے تھکے انداز میں اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی "اور رونے سے اگر مصیبتیں کم ہونے لگیں تو یہ یقیناً سب سے آسان حل ہوتا دنیا والوں کے لیے۔"

زویا کے لہجے میں مذاق اڑاتی سی کیفیت اتری، جویا نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پچھلے کچھ دن سوگ منانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی تھی، بلکہ نارمل سے بھی کچھ زیادہ ہی۔

"تمہیں افسوس نہیں ہو رہا؟"

"کس کس بات پر؟"

"یہی، جو ہوا اور جو ہونے جا رہا ہے۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، تمہارے خیال میں ان میں سے ایسا کیا ہوا ہے، جو واقعی قابل افسوس ہے؟" وہ اپنی بات کے اختتام پر شاید ہلکے سے مسکرائی بھی تھی۔ جویا کو ایسا شبہ سا گزرا تھا۔

"بے حسی کی بھی حد تھی۔ جویا کو اس پر بڑے زور کا غصہ آنے لگا۔

"سارے میں ہم ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں جویا! ابو اس عمر میں جیل کاٹ رہے ہیں گھر کی چھت ہم سے چھین رہی ہے اور کیا ہوتی ہیں تکلیفیں" اور پھر تم خود بھی تو پچھلا پورا ہفتہ بستر پر پڑی رہی ہو۔ کس چیز نے بیمار کر ڈالا تھا تمہیں۔"

تھکے اور جھنجلاہٹ میں دبا گیا اس کا پورا بیان زویا نے پورے صبر کے ساتھ سنا تھا اور جب وہ خاموش ہوئی تو۔۔۔

"کہہ چکیں سب!" جویا منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

اتنا کچھ باقی تھا جو کہاں جا سکتا تھا۔ مگر خود اس میں بھی حوصلہ کہاں تھا وہ سب دہرانے کا۔

"اب پوری ایمان داری سے بتاؤ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں سے ناحق کیا ہے، یہ اللہ کی طرف سے آئی آزمائش ہے یا پھر اس کا انصاف ہم تو احتجاج کرنے کا منہ بھی نہیں رکھتے جویا!"

دھیرے دھیرے کہے اس کے الفاظ لاؤنج کے سناٹے کو توڑ رہے تھے۔

"حرام پیسہ کسی کو راس نہیں آتا۔ صرف رسی دراز ہوتی ہے اس سے لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں مزید غافل، مزید نافرمان اور بس!"

اس نے جیسے اپنی ہی ہنسی اڑائی۔

"تمہیں گھر چھوڑنے کا دکھ نہیں ہو رہا زویا!" جویا نے بہت نیچی آواز میں پوچھا تھا۔

"بالکل نہیں!" وہ اتنی اونچی آواز میں بولی کہ جویا کو اس کو ٹوکنا پڑا۔

"آہستہ بولو لوگ ہیں نیچے۔"

مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"میں تو خوش ہوں کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں دور کسی دوسرے ماحول میں، جہاں کوئی جاننے والا نہ ہو، میں نے تو کہہ دیا ہے آپا گل سے کہ کسی رشتے دار کو اس جگہ کا پتہ بتانے کی ضرورت نہیں، مجھے صرف لوگوں کا سامنا کرنے سے ڈر لگ رہا ہے جویا۔"

"اب کوئی آئے گا بھی نہیں، دیکھ نہیں رہی ہو سب ہی تو پیچھے ہٹ گئے ہیں کسی کو پروا ہے۔"

جویا کا سر جھکا ہوا تھا۔

"معاذ بھائی کے لیے کہہ رہی ہو؟" زویا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں" اس کی آواز ابھی بھی دھیمی تھی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔"

"کیا ہے؟"

لاؤنج میں ہلکا سا اندھیرا ہر وقت ہی رہتا تھا، پھر بھی زویا نے اس کی آنکھوں میں مایوسی اترتے دیکھی۔

"نہیں اس موقعہ پر تو آنا چاہیے تھا۔ مگر کوئی بھی نہیں آیا وہاں سے اور کوئی نہ سہی معاذ بھائی ایک فون ہی کر لیتے۔"

"وہ کبھی نہیں آئے گا زویا! اور میں اس کا انتظار کر بھی نہیں رہی ہوں" وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھر یہ جو اس کی آنکھوں میں، چہرے پر لکھا ہے وہ کیا ہے" زویا نے حیرت سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

مسالے دار ماش کی دال اور گرما گرم روٹی خیام نے پلیٹ اپنے قریب سرکائی۔

آج کل وہ اس تنور سے کھانا کھا رہا تھا اور عجیب سی بات تھی کہ روزانہ ہی یہاں آ کر اسے بابو شوکت کا چھوٹا سا ہوٹل یاد آتا تھا۔

وہاں کا ذائقہ، وہاں کی اپنائیت، وہاں کا محفوظ مانوس ماحول۔ وہ رشتوں کا اسیر نہیں تھا لیکن کبھی کبھی دل چاہتا کہ ایک بار پھر بابو شوکت سے جا کر ملے نگرو رانی اور اس کی ماں۔

نوالہ توڑتے ہوئے ان دونوں عورتوں کا خیال اس کا حلق تک کڑوا کرنے لگا۔

گزرے سارے وقت میں ایک ہی یقین پکا ہوا تھا کہ اس کی زندگی میں سارا فساد عورت ذات کا ہی لایا ہوا ہے ہر موڑ پر، ہر قدم پر۔

سر جھٹک کر وہ دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ سامنے ٹی وی پر کوئی بڑا ہٹ ڈرامہ سیریل چل رہا تھا۔ عورت کی مظلومیت کا رونا روتا ہوا۔

وہاں بیٹھے زیادہ تر لوگ ٹی وی کی طرف متوجہ نہیں تھے یہ ان کی دلچسپی کا موضوع تھا بھی نہیں۔ کوئی سنسنی خیز فلم، کوئی بھڑک دار سا ڈانس، ان کی توجہ کھینچتا تھا، یا پھر حکمرانوں کی بد عنوانیاں، یا دہشت گردی کا کوئی تازہ واقعہ۔

کسی نے بے زار ہو کر چینل بدلا تھا۔

ایک بڑے ہی خوبصورت گھر کا اندرونی منظر تھا۔ بڑا سا راا لاؤنج اور سامنے سے گول گھوم کر آتی ہوئی سیڑھیوں سے اترتی ہوئی، وہ کوئی اور نہیں صندل ہی تھی۔

خیام کی ساری توجہ اس پر مبذول ہوئی۔

"وہ دیکھو، فلم اسٹار صندل کا گھر دکھا رہے ہیں۔" اس کے قریب بیٹھے کسی شخص نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"دیکھا ہوا ہے میں نے یہ پروگرام، اس ہفتے میں کئی بار چلا ہے، بڑی جلدی ترقی کی اس لڑکی نے، ویسے ہے صلاحیتوں والی، وہ جو ابھی اس کی نئی فلم آئی۔"

خیام نے کچھ ناگواری سے ان لوگوں کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹی وی کے بالکل قریب والی کرسی سنبھالی۔ صندل کا گھر! وہ بے حد حیران تھا، سو اس پروگرام کو دیکھنا چاہتا تھا ایک سیلیبریٹی کی حیثیت سے صندل کی نجی زندگی اور خاندان کے بارے میں پروگرام کیا جا رہا تھا۔

"کیا بتائے گی وہ اپنے خاندان کے بارے میں؟"

کوئی واسطہ، تعلق نہیں، پھر بھی خیام نے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس کی تھیں۔

"سات انگلیاں سات چراغ۔"

ایک ایسا فنکار گھرانہ، جہاں روایات کا تسلسل پوری خوبصورتی کے ساتھ نظر آ رہا ہے، برصغیر کی صف اول کی ستار نواز، محترمہ ستارہ جان کی نواسی صندل جنہوں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد پرفارمنگ آرٹ کو ہی اپنی شناخت بنانے کا فیصلہ کیا۔"

میزبان بڑے عزت و احترام سے صندل کو اور اس کے خاندان کو خراج تحسین پیش کر رہا تھا اور وہ اپنے چکا چوند کرتے حسن کے ساتھ پورے وقار سے سر اونچا کیے بیٹھی تھی۔

کوئی گلٹ 'کوئی پردہ داری نہیں۔

وہ پورے اعتماد سے ہر سوال کا جواب 'بڑی روانی سے دے رہی تھی۔

اس نے پورے فخر سے بتایا کہ ناسازگار حالات میں اس کی ماں نے فلموں کے چھوٹے چھوٹے رول اور ایکسٹراز کے ڈانس گروپ میں کام کیا 'ایک لمبے عرصے تک۔

"مجھے اپنی امی پر فخر ہے کہ انہوں نے میری اور میری چھوٹی بہن کی تعلیم اور تربیت کے لیے ہر وہ قربانی دی جو صرف کوئی ماں ہی دے سکتی تھی 'یا شاید یہ کوئی کوئی ماں ہی دیتی ہے ہر ایک نہیں۔"

یہ بات کہتے ہوئے صندل کی آنکھوں سے جو آنسو بہے تھے اس نے ماحول کو بے حد جذباتی کیا تھا۔ وہاں جو لوگ دیکھ رہے تھے انہوں نے بھی تعریفی نگاہوں سے صندل کو دیکھا تھا۔

"کتنی سچی بات کی ہے لڑکی نے خدا کسی کو مجبوری میں نہ ڈالے۔"

"اور ناچ گا کر ہی تو کمایا بے چاری نے 'یہاں غاصب کمینوں سے معاشرہ بھرا ہوا ہے۔ جو غریبوں کا خون چوس کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ اور عزت دار بنے بیٹھے ہیں آج۔"

یہاں اس چھوٹے سے تنور پر بیٹھے نیم خواندہ لوگوں کے بیچ 'معمولی سی نگینہ جان سوسائٹی کے علم برداروں سے زیادہ معتبر ٹھہری۔

لوگوں کے دیکھنے کا نظریہ 'تیزی سے بدل رہا ہے۔

خیام نے بہت کنفیوز سا ہو کر ایک جھجکی۔ ہوئی نگاہ ان لوگوں پر ڈالی 'جو اب صندل کو بھول کر کرپشن اور ناانصافیوں کے شرم ناک قصوں میں مشغول تھے ان کے کردار قطعی مختلف تھے۔

وہ بڑا پرسکون سا ہو کر دوبارہ پروگرام کی طرف متوجہ ہوا۔

کیمرہ صندل کے گھر کے مختلف حصے دکھا رہا تھا۔ لاؤنج 'کچن 'کھانے کا کمرہ 'بیڈ روم 'لان 'سونے کے لیے کہیں بھی بائی ستارہ کے چوبارے کی جھلک نہیں تھی۔

یہ ایک گھرانے کی خوش حالی کی داستان سنا رہا تھا 'ایسی داستان جو اس گھرانے کی عورتوں کی ہمت اور محنت نے رقم کی تھی۔

وہ سحر زدہ سا ہو کر سنے گیا۔

"اور ان ہی سیڑھیوں 'راہداریوں سے گیتی کے قدم بھی گزرتے ہوں گے؟"

پورے پروگرام میں وہ کہیں نہیں تھی 'لیکن خیام کو دل کی گہرائی سے یاد آئی۔

"آپ کی والدہ کی ایک چھوٹی بہن بھی تھیں نا!" پروگرام کے خاتمے سے ذرا پہلے میزبان نے ایک اور کڑی کو ملانا چاہا۔

"جی ہاں 'میری خالہ فیروزہ بہت حسین اور ٹیلنٹڈ پائے کی کتھک۔ ڈانسر تھیں۔ افسوس کہ وہ بہت نوعمری میں انتقال کر گئی تھیں۔"

صندل کا اعتماد 'اس کی کامیابیوں کی دین تھا۔

خیام کو سچی بات کہ اس پر رشک آنے لگا تھا۔

"ان کی کوئی اولاد جو آپ کے خاندان کی ان روایتوں کو آگے بڑھانے میں۔"

خیام کی سانس پل بھر کے لیے رک سی گئی۔ یہ سوال براہ راست اس کے بارے میں تھا اور شاید صرف اس نے صندل کے چہرے پر اترتی کیفیت کو بہت قریب سے محسوس کیا تھا۔

"خالہ فیروزہ کی کوئی اولاد نہیں تھی 'وہ لاولد ہی انتقال کر گئی تھیں۔" دنیا کی آنکھ میں آنکھ ڈالے پورے یقین کے ساتھ صندل کہہ رہی تھی۔

خیام کو جیسے کسی نے بہت اونچائی سے دھکا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح سرد تھی 'رات کسی وقت بارش ہوئی تھی 'تیز ہوا کے جھونکے سبزے اور مٹی کی خوشبو کو اڑائے لیے پھر رہے تھے۔

گاڑی سے اتر کر گھر کے داخلی دروازے تک جاتے ہوئے 'انہیں موسم کی شدت کا احساس بخوبی ہوا۔

ٹھنڈے گیلے فرش پر ان کے بھاری قدم ہلکا سا نقش چھوڑتے چلے گئے۔

اندر لاؤنج میں بیٹھی ہوئی زرتاج نے انہیں آتے دیکھ کر بمشکل ہی خود پر ضبط کیا۔

"سالار اوپر اپنے کمرے میں ہے؟"

بنا دعا سلام کے انہوں نے صرف اس سے تصدیق چاہی تھی۔

"میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا 'یوسف بھائی کہ پلیز سالار سے اتنا ربط مت بڑھائیں 'آپ آخر کیوں ہمارے گھر کے معاملات میں دخل دے رہے ہیں۔"

"تمہارے گھر کے معاملات 'گھر سے نکل کر پولیس اسٹیشن تک پہنچ چکے ہیں زرتاج! ورنہ ویسے بھی میں نے تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیا ہے 'سالار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اور اس نے خود اپنے معاملات میرے سپرد کیے ہیں۔"

بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

زرتاج تیزی سے ان کے پیچھے آئیں۔

"آپ اس طرح اس کا ساتھ دیں گے تو نبیل کے لیے اور بھی پرابلم کھڑے ہو جائیں گے 'سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات۔"

"نہیں!" انہوں نے زرتاج کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اتنی زیادہ پریشان کیوں ہو 'کیا نبیل نے تمہارے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے؟"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ 'نبیل نے کیا ہی کیا ہے 'آپ بات کو کیوں بڑھا رہے ہیں اتنا۔" وہ بے قرار سی ہو کر ان کے پیچھے آئیں۔

"میں بات کو نہیں بڑھا رہا 'جو کچھ بھی ہے پولیس کی تفتیش کے بعد خود سامنے آجائے گا 'میں نے صرف پولیس کو وہ بتایا ہے جو میں ایمان داری سے بتا سکتا تھا۔"

"آپ کو ساری ایمان داری صرف نبیل کے لیے ہی بات کرتے ہوئے یاد آتی ہے 'باقی ساری زندگی تو آپ کو کبھی ایسا مسئلہ نہیں ہوا۔" زرتاج کا لہجہ بے حد تلخی لیے ہوا تھا۔

وہ دونوں ٹھیک سالار کے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے 'یوسف کمال نے ہلکے سے مسکرا کر زرتاج کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم 'لیکن انسان کو جب کبھی سچ بولنے کی توفیق مل جائے تو اسے ضرور بولنا چاہیے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے انہوں نے آدھ کھلے دروازے کو پش کیا۔

سامنے بیڈ پر سالار آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا تھا اور قریب ہی کرسی پر بے زاری شکل بنائے ہوئے بیٹھا نبیل۔

"آپ!" سالار نے آہٹ پر آنکھ کھول کر یوسف کمالی کی طرف دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی تو وہ تیزی سے آگے بڑھے۔

"بیٹھے رہو! ابھی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہے' جتنا آرام کرو گے اتنا ہی بہتر ہے۔" انہوں نے اپنائیت سے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"لیٹے لیٹے بھی تھک جاتا ہوں کمالی صاحب اور پھر یہ صدمہ اتنا بڑا ہے کہ......!"

وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور آج اتنے دن بعد بھی اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی اترنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"صبر کرو بیٹا! سنبھالو خود کو۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے' کمالی صاحب وہیں قریب بیڈ پر بیٹھے' نچلا ہونٹ دانت کے نیچے دباتے ہوئے بولے' سالار نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا' وہ میری وجہ سے مارے گئے' ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی' کتنے سادہ اور شریف النفس شخص' میرے لیے وہ باپ کی حیثیت رکھتے تھے کمالی صاحب! کاش میں یہاں آتا ہی نہیں!" اس آخری جملے میں بڑی بے ساختگی تھی۔

کرسی پر بیٹھے نبیل اور دروازے میں کھڑی زرتاج دونوں ہی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"حمیدی صاحب کا قاتل ضرور پکڑا جائے گا سالار! پولیس بہت تیزی سے کارروائی کر رہی ہے' تم فکر مت کرو۔"

کمالی صاحب کے لہجے میں تسلی بھی تھی اور ایک الگ قسم کی معنی خیزی بھی!

نبیل نے پہلو بدلتے ہوئے خود کو تھوڑا سا بے چین محسوس کیا۔

"کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے سالار؟" زرتاج بیگم سالار پر سے کمالی صاحب کا اختیار ختم کرنے کی کوشش کے طور پر ہی خود آگے بڑھیں۔

"جی نہیں۔"

"کھانا تو پڑے گا' اس طرح کیسے صحت مند ہو سکو گے۔"

"کتنا خون بہا ہے' آخر بڑا کرم کیا خدا نے۔" ان کی فکر مندی' احساس سے اتنی عاری تھی کہ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"آپ لوگ پلیز باہر جائیں' مجھے کمالی صاحب سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" بنا کسی کی بھی طرف دیکھے سالار نے انہیں فی الحال بے دخل کرنا مناسب سمجھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ کی آج کل کلاسز ہو رہی تھیں۔

صبح سویرے ہی اس کی وین والا آکر ہارن بجانا شروع کر دیتا تھا وہ دوڑتی بھاگتی' چائے کا آدھا ادھورا کپ پی کر نکل جاتی تھی۔

امی روزانہ اس کے بھوکے پیاسے نکلنے پر افسردہ ہوتیں۔

"بے چاری بچی' سارا دن سب کی خدمت کرتی ہے اور خود ڈھنگ سے بیٹھ کر ناشتہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

میز پر کرا گرم پراٹھے' سنہری پیاز اور ہری مرچ کا خوشبو اڑاتا ہوا آملیٹ لگاتے ہوئے انہیں خود بخود ہی ربیعہ یاد آنے لگی۔

معاذ برے نکلتا تھا' ابھی ابھی تیار ہو کر ناشتے کے لیے آکر بیٹھا تھا' امی کی بات پر بڑی بے فکری سے ہنس پڑا۔

"کھالی ہو گی امی! آپ پریشان مت ہوا کریں۔ بھوک تو ویسے بھی اس سے برداشت نہیں ہوتی ہے۔"

امی کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آگئی' آج کل انہیں معاذ پر بات بات پر غصہ آ رہا تھا' دادی اور ابا کرناشتے کی میز پر بیٹھ چکے تھے' سو ان ہی کی وجہ سے ہی کچھ خاموش رہیں۔

ابا کو کسی معروف چینل کے ٹاک شو میں مدعو کیا گیا تھا' وہ کچھ پریشان اور زیادہ حیران تھے۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیوں یاد کیا جا رہا ہے' ان سب چینلز کے تو اپنے مخصوص اور پسندیدہ تبصرہ نگار ہیں' جو ان کی من پسند باتیں کہتے اور سنتے ہیں' میں تو کسی بھی پارٹی کا آدمی نہیں ہوں بھائی! یہ لائن تو میری ہے نہیں۔"

"آپ کے کالم سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں ابا! لوگوں پر آپ کی رائے اثر انداز ہوتی ہے' وہ آپ کی تحریر کی سچائی کو پہچانتے ہیں اچھی طرح' چینل والوں نے آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا نوٹس لیا ہے اور انہیں ایسا کرنا ہی تھا۔"

معاذ کا تجزیہ بھرپور تھا۔

امی نے حیرت سے اسے اور پھر ابا کو دیکھا۔

"ساری عمر سے لکھ رہے ہیں' کبھی پہلے تو کسی نے ایسا کچھ نہیں کہا' اب ایسا کیا خاص لکھ ڈالا جو ٹی وی والوں کو بھی خبر ہو گئی۔"

"بس دیکھتی جائیے' اب تو چاروں طرف سے ابا کو بلاوے آنے شروع ہو جائیں گے' بنا کسی غرض اور مصلحت کے بات کرنے والوں کا قحط ہے ہمارے ہاں' کیا آپ اب تیار رہیں' گھر میں شام گزارنا مشکل ہوتا چلا جائے گا آپ کا۔"

معاذ بے حد خوش تھا۔ ابا اس کے آئیڈیل تھے۔ ذہنی و فکری طور پر وہ ان ہی کا عکس تھا۔ انسانیت کا درد رکھنے والا' سادہ دل' مادیت پسندی سے کوسوں دور اور خوددار۔

"لاکھوں میں ایک ہے میرا بیٹا۔" دادی بہت فخر سے ابا کی طرف دیکھ رہی تھیں' "اسے حقارت سے دیکھنے والے آج خود منہ کے بل گرے ہیں' تماشا بن کر رہ گئے دنیا کی نظر میں۔"

"اماں پلیز!" ابا نے بڑی نرمی سے انہیں ٹوکا۔ "جانے دیں' اللہ ہر ایک کی مشکل آسان کرے۔"

دادی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا' ان کے ضعیف چہرے پر گہرا دکھ رقم تھا۔

ابا نے محبت سے ان کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا۔

"آپ دعا کریں اظہار کے لیے' بچی گھر تک بک گیا ہے اور ابھی سنا ہے ضمانت نہیں ہوئی' شاکرہ' بچیاں پتہ نہیں کس طرح ایڈجسٹ کر رہی ہوں گی۔"

دادی نے ایک ٹھنڈی سانس لی "جویا اور زویا کے لیے تو خیر میرا بھی بڑا دل دکھ رہا ہے' ان کا کیا قصور!" امی کی نگاہ جویا کے نام کے ساتھ ہی معاذ کی طرف اٹھی تھی۔

وہ بڑے اطمینان سے ناشتہ کر رہا تھا۔

انہیں بڑی تسلی سی حاصل ہوئی' مگر دادی اب بھی' نادانستگی میں ہی سہی' انہیں دہلائے رکھنے کا فریضہ انجام دیے جا رہی تھیں۔

"میرا بس چلتا تو شاکرہ اور بچیوں کو یہاں اپنے گھر ہی لے آتی' کتنے کمرے خالی ہی پڑے ہیں' آرام سے رہ سکتی تھیں یہاں پر۔"

”یہ گھر ہے اماں! کوئی دارالامان نہیں‘ ہر مصیبت زدہ کو یہاں پر لانا آخر آپ لوگوں نے ہی کیوں اپنے آپ پر فرض کرلیا ہے۔“

امی کا صبر وضبط رخصت ہونے لگا تھا‘ ابا کو الفاظ سے زیادہ ان کا لہجہ برا لگا۔

”اماں کا یہ مطلب نہیں ہے شائستہ! ایسے ہی ایک بات کی ہے‘ تم کیوں اتنی جذباتی ہو جاتی ہو۔“

”حق ہے مجھے جذباتی ہونے کا!“ ہاتھ میں تھاما ہوا چمچہ انہوں نے قدرے زور سے پلیٹ میں رکھا ”جن لوگوں نے ساری عمر میری اور میرے بچوں کی ہنسی اڑائی‘ ہر طرح ذلیل کیا‘ آج اگر وہ مصیبت میں ہیں تو میری بلا سے‘ اگر وہ خاندان سڑک پر بھی آکر بیٹھ جائے تو مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں۔“

بنا رکے جس طرح وہ بولے چلی جا رہی تھیں وہ ان کے ذہنی دباؤ کی عکاسی کرتا تھا۔

”بس کرو شائستہ! خدا خوفی بھی کوئی چیز ہے‘ کسی کی مصیبت پر اتنی سخت دلی کا مظاہرہ کرنا اچھی بات ہے کیا۔“ اسلام صاحب عام طور پر غصہ میں نہیں آتے تھے لیکن اس وقت انہوں نے بمشکل ضبط کیا۔

”اظہار کی بچیوں کا اس طرح گھر سے بے گھر ہونا بھی اگر تمہارے دل کو نہیں دکھا پایا‘ تو جویا اور زوبیا کی جگہ ایک بار ربیعہ کو رکھ کر سوچو‘ اگر وہ اس طرح۔“

”خدا نہ کرے۔“ دادی نے تیزی سے بات کاٹی اور غصے سے ابا کو دیکھا امی زیر لب کچھ بڑبڑا کر کپوں میں چائے ڈالنے لگیں۔

انہیں ابا کی بات سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ معاذ نے بہت غور سے ان کی طرف دیکھا۔

ایک نمایاں سی تبدیلی ان میں آچکی تھی۔

طویل عرصے تک کی جانے والی ان تھک محنت کے بعد تھوڑی سی چڑچڑاہٹ ان کا حق بنتا تھا سو وہ سب اس کے عادی بھی تھے‘ لیکن اب جس طرح وہ سخت دلی کے مظاہرے کر رہی تھیں وہ بار بار چونکا رہے تھے۔

”زری نے ناشتہ کرلیا؟“

گو اس نے براہ راست امی سے پوچھا بھی نہیں تھا‘ لیکن انہوں نے چونک کر معاذ کی طرف دیکھا۔

وہ دانستہ دادی کو دیکھنے لگا جیسے ان سے جواب چاہ رہا ہو۔

”کرلیا ہوگا شائستہ روز اسے بھی سب کے ساتھ ہی دیتی ہے ناشتہ۔“ وہ سادگی سے بتانے لگیں۔

”اسے بھی یہیں سب کے ساتھ ہی بٹھالیا کریں‘ جو ہم کھا رہے ہیں‘ وہی وہ بھی کھالیا کرے گی‘ اچھا نہیں لگتا کہ وہ صرف چائے پراٹھا ہی ناشتے میں لے روزانہ۔“

پچھلے پورے ہفتے اس نے اسی امید پر کچھ نہیں کہا تھا کہ شاید امی خود ہی اس طرف توجہ دے لیں مگر اب اس وقت سب کے ناشتہ کرلینے کے بعد بھی میز پر اتنا کچھ باقی تھا کہ وہ اسے خود بخود یاد آگئی۔

”اس لڑکی نے کچھ کہا کیا تم سے‘ کھانے یا ناشتے کے بارے میں کچھ شکایت ہے اسے؟“ امی کی نظر معاذ کے چہرے پر جمی۔

”وہ بے چاری کیا کہے گی امی! لیکن ہمیں خود ہی.....“

”ہم خود بھی سالوں‘ چائے اور سادہ روٹی کا ناشتہ کرتے رہے ہیں معاذ! بلکہ چائے کیا پہ بھی کھا کر نکلے ہو تم اور ربیعہ گھر سے۔“ انہوں نے جتنی تیزی سے معاذ کی بات کاٹی تھی ابا کو بڑا عجیب سا لگا۔

یہ محض معاذ کو یاد دلانا ہی تھا یا پھر وہ ان کی کم مائیگی کو جسے نہ سہی اب جتا رہی تھیں۔

”ارے تو اس میں کیا ہے امی! سب ہی لوگ کھالیتے ہیں یہی خوشی خوشی‘ روز پراٹھا کھانا اچھا بھی نہیں ہے صحت کے لیے‘ آپ بھی بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔“

معاذ نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ ”میں صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ جب اتنا کچھ بچ رہا ہے تو زری کو بھی یہی دے دیا کریں‘ اچھا تو نہیں لگتا کہ گھر میں ایک شخص وہ سب نہ کھا سکے جو ہم سب کھا رہے ہیں‘ بس اتنی سی بات ہے۔“

اس کا سیل فون بجنے لگا تھا‘ سو وہ ایک گھونٹ میں ہی چائے کا کپ خالی کرتا ہوا اٹھ کر باہر برآمدے میں آکھڑا ہوا

زری نے دادی کے کمرے کے کھلے دروازے میں سے معاذ کو دیکھا تھا۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار تھا اور اتنا فریش اور اسمارٹ لگ رہا تھا کہ وہ تو بس چپ چاپ کھڑی اسے دیکھے گئی اس کی یک طرفہ محبت کا اول و آخر یہی دیکھنا ہی تھا۔

”اور یہ بھی کوئی کم خوش نصیبی تو نہیں کہ آج وہ یہاں کھڑی ہے۔ اس کے گھر میں۔ اس کی چھت کے نیچے۔ ورنہ اگر لے جاتی سعیدہ بھابھی ہی رحم کھا کر اسے اپنے ساتھ‘ پھر تو ساری عمر وہ بس ایک نگاہ کے لیے بھی ترس کر رہ جاتی۔“

اسے خود اپنے آپ پر رحم آیا۔ آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل کر آئی‘ تب تک معاذ فون بند کرچکا تھا اور برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑا‘ کسی گہری سوچ میں مبتلا محسوس ہو رہا تھا۔

”تم!“ اسے دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

”کیسی ہو‘ کوئی پریشانی تو نہیں ہے نا؟“

زری کا دل کھل اٹھا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے‘ وہ بلاوجہ ہی مسکرائے گئی۔

”کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے یا ربیعہ سے کہہ دینا‘ امی اور دادی دونوں بظاہر سخت ہیں لیکن دل کی اچھی ہیں۔ یہ وقت گزرے گا تو تمہارے ساتھ ان کا رویہ بدل جائے گا۔ تم ان کی کسی بھی بات کا برا مت ماننا۔“

”وہ لوگ تو مجھے ایسا کچھ بھی نہیں کہتیں‘ آپ نے سعیدہ بھابھی کا غصہ نہیں دیکھا‘ وہ تو ہاتھ تک اٹھایا کرتی تھیں کبھی کبھی اور اکثر کھانا بھی نہیں دیتی تھیں سزا کے طور پر۔ یہاں تو میں بہت آرام سے ہوں! اللہ کا شکر ہے۔“

اس کے لہجے میں بڑی طمانیت تھی۔

محرومیوں کے نہ ختم ہونے والے اس سارے سلسلے کو جھیلتے ہوئے بھی‘ اس کے شکر میں بڑا ہی انوکھا خالص پن تھا۔

معاذ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

”تم بہت اچھی لڑکی ہو زری!“

”معاذ!“ کھانے کے کمرے کا جالی والا دروازہ کھول کر امی نے اسے پکارا تو وہ ”جی امی!“ کہتا ہوا تیزی سے ان کی طرف چلا گیا۔

وہ یوں ہی گم صم سی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی اسی چھوٹے سے جملے کی بازگشت کو سنے گئی۔

”کیا وہ واقعی اتنی اچھی ہے کہ معاذ نے اس کی تعریف کی۔“

زری کا دل بے ساختہ ہی اپنا آپ دیکھنے کا متمنی ہوا‘ لیکن دادی کے کمرے میں کوئی آئینہ تھا ہی نہیں۔

اپنی ٹھنڈی پڑتی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے‘ وہ معاذ کے کہے چھوٹے سے جملے کو اپنی مرضی کے مطلب معنی پہناتے ہوئے‘ بے انتہا خوش تھی۔

”آج وہ انہیں اچھی لگی‘ کل اور اچھی‘ اور پھر اور.....!“

دور کہیں ایک خوش کن امکان روشن ہوا تھا۔ سارے محبت کرنے والوں کی طرح۔ زری نے بھی خوش گمانی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

راستہ کتنا ہی کٹھن اور منزل کتنی ہی مبہم۔

محبت میں کچھ بھی ناممکن نظر نہیں آتا۔

زری نے بھی اپنے یہاں تک چلے آنے کو قدرت کی مدد گردانا اور مسکراتی ہوئی دادی کے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹے سے صحن کا سیمنٹ کا فرش جگہ جگہ سے ادھڑ رہا تھا۔

اس نے پانی ڈالنے میں، حالانکہ بہت احتیاط کی تھی پھر بھی جگہ جگہ گڑھا ہو گیا تھا، یہاں وائپر کام نہیں آ سکتا تھا، سو وہ تنکوں والی جھاڑو لے کر پھر سے پانی خشک کرنے لگی۔

"جویا!" شاکرہ بیگم سے رہا نہیں گیا تھا۔

"چھوڑ دو ایسے ہی، کیوں خود کو تھکاتی ہو، میں نے تو منع بھی کیا تھا، اس گھر کی صفائی کرو نہ کرو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔" آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"آپ اندر چلیں، یہاں پانی ہو رہا ہے، خدانہ کرے سلپ نہ ہو جائے پاؤں۔"

وہ بدستور اپنے کمرے میں مصروف رہی۔

"ہاں، احتیاط تو ضروری ہے اور اب تو ہم کسی خرچے کو برداشت کرنے کے قابل بھی نہیں رہے۔" ان کے لہجے کی یاسیت اب نئی نہیں رہی تھی، پھر بھی جویا مڑ کر ان کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"کیوں ہر وقت اسی بارے میں سوچتی ہیں امی! خود کو سنبھالنے کی کوشش کریں پلیز!"

اس کا کام ختم ہو چکا تھا، اپنی بات کہتی، وہ جھاڑو ایک طرف رکھ کر اس چھوٹے سے واش بیسن پر ہاتھ دھونے لگی، جو صحن کے ایک کونے میں لگا ہوا تھا۔ پانی کی پتلی سی دھار، یہاں یکساں رفتار سے ہی آتی تھی۔ معلوم نہیں کیا مسئلہ تھا، جو کھل کر پانی آتا ہی نہیں تھا۔

"شاید ان کے مقدر سے ہر چیز ہی گھاٹے میں....." ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے خود کو کسی منفی خیال سے بچایا اور واپس امی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"چلیں!" اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما تو وہ بنا کچھ بھی کہے اس کے ساتھ چل پڑیں۔

جویا نے بڑی تشویش کے ساتھ ان کے ہاتھوں کی ٹھنڈک کو محسوس کیا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کریں امی! اتنی مایوسی مت طاری کریں خود پر، سنبھل جائیں گے حالات بھی۔" اندر کمرے میں بیڈ پر انہیں بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھی۔

شاکرہ بیگم نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"اب کچھ نہیں سنبھلے گا جویا! اتنا کچھ چلا گیا ہے، جسے پوری عمر صرف کر کے بنایا تھا۔ وہ سب دوبارہ بنانے کے لیے پھر ایک عمر درکار ہے تو وہ کہاں سے آئے گی۔"

بڑی بے بسی سے انہوں نے ذرا رک کر جویا کی طرف دیکھا۔

"میرا سارا غرور مٹی میں مل گیا ہے جویا! بڑی شان سے گزاری ہے زندگی، چمکتی دمکتی! کون تھا اس سارے خاندان میں، جو شاکرہ بیگم کا مقابلہ کر سکے، ساری کی ساری حسرت سے دیکھا کرتی تھیں، میرے گھر، میرے لباس، میری

اولاد کو۔"

ان کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

فخر یا بیت، محرومی ایک ساتھ کئی رنگ سمیٹے ہوئے وہ جب بول رہی تھیں تو چہرے پر چند لمحوں کے لیے وہی چمک ابھری تھی جو گزرے دنوں کی یاد دلاتی تھی۔

ان کی باتوں میں کہیں بھی نہ شرمندگی تھی اور نہ ہی اعتراف۔ جویا کو سب سے زیادہ یہی رویہ دکھ دے رہا تھا۔

"گل ٹھیک کہتی ہے، کسی نے ایسا زبردست جادو کروایا ہے کہ ہم عرش سے فرش پر آ گئے۔ ہمیں حاسدوں کے حسد نے کھا لیا۔ خدا غارت کرے ان دشمنوں کو، ایسے برباد ہوں کہ زمانے میں کہیں پناہ نہ ملے۔" وہ کچھ کچھ ہسٹریکل ہونے لگیں۔

اور اس طرح جب وہ ہاتھ پھیلا کر بددعائیں دیا کرتی تھیں تو جویا کے دل پر سہم سا طاری ہوتا تھا۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر کھڑکی کھولنے لگی۔ نیچی چھتوں والے، دو کمروں کے اس پورشن میں عجیب سا میلا پن تھا۔

"اگر سلمان نے گل کی بات مان لی ہوتی تو کیا خبر سب کچھ ٹھیک کر ہی دیتے پیر کرامت شاہ، نہ ہی گھر بکتا اور نہ ہی تمہارے ابا کو جیل کا منہ دیکھنا پڑتا لیکن سلمان نے اس بے چاری کی ایک نہ چلنے دی۔"

"چلیں کہیں تو سلمان بھائی نے بھی ہمارے حق میں کچھ اچھا کیا۔"

اس نے کھڑکی کھول کر ایک نظر اس تنگ سی گلی پر ڈالی اور واپس امی کے پاس آ کر بیٹھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ گل کوئی برا کر رہی تھی ہمارے لیے؟ سلمان تو آ کر اب شکل بھی نہیں دکھاتا، وہ غریب تو پھر بھی چلی آتی ہے۔"

"دس پندرہ دن بعد۔" ورنہ پہلے تو کوئی ناغہ نہیں ہوتا تھا ان کی تشریف آوری کا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ انداز اپنانے لگی۔ شاکرہ بیگم نے کچھ کہتے کہتے خود کو روکا تھا۔

"آج کیا پکنا ہے امی؟"

ناپسندیدہ باتوں سے فرار کی ایک ہی صورت سمجھ میں آتی تھی کہ جتنا بھی ہو کام میں مصروف رہا جائے، سو وہ یہی کرتی تھی۔

"پکا لو کچھ بھی! جو بھی دال سبزی گھر میں رکھی ہو۔ نیچے اتر کر جانے کی مجھ میں تو ہمت ہے نہیں۔" بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ نیم دراز ہو گئیں۔

"اس گھر میں تو نیند بھی ٹھیک سے نہیں آ رہی ہے مجھے۔ عجیب سی وحشت ہے، تمہارے ابو یہاں کیسے رہیں گے، انہیں تو اپنے کمرے، اپنے بیڈ کی عادت ہے یہاں اس چھوٹے سے کمرے میں کیسے گزارا ہو گا، اٹیچ باتھ بھی نہیں ہے یہاں تو۔"

"وہ رہ لیں گے، اتنے دن میں ان کی عادت بدل چکی ہو گی۔ آپ فکر مت کریں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور بنا ان کی طرف دیکھے باہر نکل آئی۔

صحن کے دوسری طرف چھوٹا سا کچن تھا اوپر نیچے دو سلیب جن میں ایک پر چولہا رکھا تھا اور دوسری دالیں، مسالے کے ڈبے رکھنے کے کام آ رہی تھی، ایک طرف اسٹیل کا چھوٹا سنک اور محض دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ۔

فریج باہر صحن میں ہی رکھ لیا گیا تھا۔

کون سی روز روز بارش ہو رہی تھی۔ ڈیپ فریزر کی اب کوئی ضرورت ہی نہیں، سو دیگر سامان کے ساتھ وہ بھی بیچ دیا گیا تھا۔

جویا نے فریج کھول کر سبزی نکالی، آٹا تھوڑی دیر پہلے ہی گوندھ کر رکھا تھا۔ سبزی کی باسکٹ اور چھری وغیرہ لے کر کاٹنے کے لیے وہ باہر کرسی پر آ کر بیٹھی ہی تھی کہ ڈور بیل بجنے لگی۔ کام بیچ میں چھوڑ کر اسے اٹھنا پڑا۔

"سلمان آیا ہے کیا؟"

اس کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی شاکرہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

جویا نے اس قیاس آرائی کے جواب میں آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ ہانپتی کانپتی آپا گل سامنے کھڑی تھیں۔

"دو منزلیں ایک ساتھ چڑھنا کوئی آسان کام ہے کیا، میرے تو حواس گم ہو جاتے ہیں اوپر آتے آتے، ہر بار توبہ کرتی ہوئی واپس جاتی ہوں یہاں سے۔" ان کے کمنٹ پر وہ پوری ہمت کر کے مسکرائی تھی۔

"مت آیا کریں جلدی جلدی۔ بس پندرہ دن میں چکر لگایا کریں۔"

"ہاں اب ایسا ہی کیا کروں گی، لیکن وہاں سسرال میں پڑے رہو تب بھی دل گھبراتا ہے، میں تو بور ہو کر رہ جاتی ہوں، چار دن میں ہی۔" اس کے لہجے پر غور کیے بنا ہی وہ لاپروائی سے کہتی سامنے والے کمرے میں چلی آئیں، جہاں شاکرہ بیگم بیٹھی تھیں۔

"یہ لو کچھ سالن وغیرہ ہے۔" ہاتھ میں تھاما ہوا ایک شاپر انہوں نے مڑ کر جویا کو تھمایا۔

"کوئی خاص چیز پکائی ہے کیا آپا؟" بند ڈھکنوں والے چھوٹے چھوٹے تین باکسز کو دیکھ کر وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"نہیں خاص تو کیا وہی معمول کی چیزیں ہیں۔" وہ یوں ہی تال کرامی کے پاس جا بیٹھیں۔

"زویا کہاں ہے؟"

"کالج گئی ہے۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے جویا کی طرف دیکھنے لگیں۔ "وہ تو کہہ رہی تھی کہ اب کالج چھوڑ دے گی، پھر کیسے چلی گئی۔"

جویا کو ان کی عقل پر سخت حیرت ہوئی تھی۔

"اس کا میڈیکل کا سال ہے آپا! اس طرح جذباتی ہو کر کیسے چھوڑ سکتی ہے، بڑی مشکل سے راضی کیا ہے میں نے اور امی نے اسے۔"

"لیکن بات تو پھیل گئی ہے، وہاں اس کی دوستیں وغیرہ پوچھیں گی تو ضرور، کتنی بے عزتی ہو گی زویا کی اس طرح۔"

انہیں پتا نہیں کیوں اس کے جانے سے مایوسی ہوئی تھی۔

"لوگوں کو اتنی فرصت نہیں ہوتی آپا! کہ کسی بھی اچھی بری بات کو اتنی دیر تک یاد رکھیں اور اگر کوئی پوچھتا بھی ہے تو ٹھیک ہے، ایک بار فیس کر لینا اچھا ہے بجائے اس کے کہ اپنا مستقبل تباہ کرے۔"

"مستقبل تباہ ہونے میں اب اور کون سی کسر رہ گئی ہے۔ جو زویا کی پڑھائی سے اثر پڑ جائے گا، ڈاکٹر بھی نوکریوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں، زویا کی تو پڑھائی کے بھی ابھی تین سال باقی ہیں۔ کتنا خرچہ آئے گا پہلے تو یہ بھی سوچنا ضروری ہے۔" انہوں نے حسب عادت ترجیحات سیٹ کی تھیں۔ "کچھ بھی ہو پڑھنا تو ہے اسے۔" "آپ پلیز یہ سب اس کے سامنے مت کہیے گا، اتنی مشکل سے تو اسے راضی کیا ہے کالج جانے پر۔"

جویا نے اٹھنے سے پہلے انہیں یاد دہانی کرانا ضروری سمجھی تھی۔

جواباً انہوں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کندھوں کو ہلکی سی جنبش دی۔

"چائے بنالاؤ۔ اچھی سی، کھانا تو اب تک نہیں پکایا ہوگا تم نے، خیر اب تو ضرورت بھی نہیں ہے، یہ ہی کافی ہو جائے گا ہم تینوں کے لیے تو۔"

انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

کوشش کے باوجود بھی آج کل وہ ان کے جتائے جانے کی عادت سے نباہ نہیں کر پا رہی تھی۔

پھر بھی۔

"دکھاؤ تو کیا لائی ہے گل، پکا کر بہت عرصہ ہوا کوئی اچھی چیز کھائے ہوئے، زبان کا ذائقہ ہی کھو گیا ہے۔"

شاکرہ بیگم نے کئی دن بعد کھانے پینے میں اتنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

جویا کو بہت اچھا لگا۔

"اگر آپا گل اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کرنے لگیں تب بھی کچھ فرق تو پڑتا ہی ہے۔"

پل بھر پہلے کا گلہ اس کے دل سے فی الفور مٹا تھا۔ شاکرہ بیگم پہلا ڈبہ کھول چکی تھیں۔

جویا کی نگاہ اسی پر جا رکی تھی۔

"شاید یہ آپا گل نے غلطی سے ساتھ رکھ لیا تھا۔" خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے خود کو اخلاقی سہارا دینا چاہا۔

مگر بقیہ دونوں باکسز نے کھلتے ہوئے اس کے خیال کی قہقہہ لگاتے ہوئے تردید کی۔

دو بوٹیوں اور تین آلو کے ٹکڑوں والا زردی مائل سالن، دوسرے میں چنے کی دال اور تیسرے میں تین کوفتے اور ڈبے کے تلے میں لگا چمچہ بھر شوربہ، تینوں چیزوں کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ خاصے دن پرانے ہیں۔

جویا کا ماں سے نگاہ ملانا مشکل ہوا اور شاید ان کا بھی۔

"بچے ہوئے رکھے تھے، وہاں میرے گھر میں تو بے حساب پکانے کا رواج ہے، دونوں وقت تازی ہنڈیا پکانی لازمی ہے میری نندوں کو۔ اتنا اتنا کھانا، کام والوں کو بھی تو جاتا ہے، میں نے سوچا کہ..."

"آپ ہمیں کھلا کر ثواب کمائیں۔" جویا نے تیزی سے بات کاٹی اور مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ عجیب چبھتی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔ جس پر نہ برا مانا جا سکتا تھا اور نہ ہی خوش ہی ہونا ممکن تھا۔

عجیب سی بے چینی میں محسوس کیا تھا آپا گل نے خود کو۔

"پلیز آئندہ یہ تکلیف مت کیجئے گا، ہمیں جو کھانا ہوگا کھا ہی لیں گے۔" اپنی بات کہہ کر وہ نکلتی چلی گئی۔

شاکرہ بیگم آہستہ آہستہ وہ ڈبے بند کر رہی تھیں۔

"دیکھا آپ نے، کتنی عجیب طرح سے باتیں کرنے لگی ہے جویا مجھ سے، جیسے جو کچھ ہوا اس میں میرا ہی ہاتھ ہو۔" آپا گل جویا کے رویے پر تلملائی تھیں۔

شاکرہ بیگم نے سارے ڈبے اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

نو کمنٹس!

آپا گل نے ماں اور بہن دونوں کے رویے میں آئی دکھائی کو بڑے دل سے محسوس کیا تھا۔

"نا شکرے پن کی بھی انتہا تھی۔"

جو بات وہ کرنے آئی تھیں، زیادہ ضروری نہیں ہوتی تو شاید وہ تھوڑا سا گلہ شکوہ ضرور ہی کر لیتیں۔

"جویا کے سسرال والوں نے بڑا برا مانا ہے، ہمارے گھر بکنے کی خبر انہیں فوراً مل گئی تھی۔ ادھر کی ادھر کرنے والوں کی کمی تھوڑی ہے یہاں۔"

جویا نے ان کا صرف آخری جملہ سنا تھا، سو بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی۔

"کس کی بات ہو رہی ہے؟"

"تمہاری سسرال کی۔" وہ برجستہ بولیں۔

"میری سسرال۔" اسے یہ لفظ بڑا ہی اجنبی سا لگا۔

"ہاں نا، اعجاز کے گھر والے، بھئی ان کی بات کر رہی ہوں۔"

"جب میں منع کر چکی ہوں تو میرا ان سے کیا تعلق ہے اب؟" اسے برا لگا تھا۔

"تم نے ہمیں منع کیا تھا، ہم نے انہیں، ہری جھنڈی نہیں دکھائی تھی اب تک، لیکن اب وہ خود دامن چھڑا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ جیل میں رہے، سزا یافتہ کی لڑکی اپنے خاندان میں لانا ہمیں منظور نہیں ہے۔"

سرسری سے انداز میں خبری پڑھ کر آپا گل نے اپنا اور جویا کا حساب فوری طور پر برابر کیا تھا۔

شاکرہ بیگم دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے میں مشغول ہو گئیں۔ جویا کا رشتہ تو ایک طرح سے پہلے ہی ختم تھا، اصل تکلیف انہیں جیل والے طعنے سے ہوئی تھی۔

"ایک تو اس سلمان نے وکیل بھی ایسا بے کار کیا ہے جو بس پیسے لیے جا رہا ہے، ابھی تک ضمانت بھی نہیں کرائی گئی ہے اس سے، پیسے بھی جمع ہو گئے ہیں عدالت میں، آپ اس سے کہہ کر وکیل کیوں نہیں چینج کروائیں۔"

آپا گل کے تعلقات گھر اور سامان کے بکنے کے دوران سلمان سے پھر کشیدہ ہو چکے تھے، سو اسی حساب سے غصہ بھی زیادہ آیا تھا۔

"وہ یہاں آتا ہی کب ہے، بس فون پر بتا دیتا ہے کہ اب کیا ہوا یا ہوگا۔"

دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے شاکرہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"آپ بھی تو اس کی باتوں میں آجاتی ہیں، کہا بھی تھا میں نے کہ پیر کرامت شاہ کو آزما لیں، کوئی مانتا ہی نہیں۔"

چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے انہوں نے جس طرح ترچھی آنکھوں سے جویا کو دیکھا تھا۔ کوئی پرانے سے دن ہوتے تو

وہ ایک بار تو ضرور ہی فنس پڑتی۔

شاکرہ بیگم نے کوئی تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ یہ قصہ بہت بار دہرایا جاچکا تھا اور وہ بھی جتنا افسوس کر سکتی تھیں کرچکی تھیں۔

"اور کیا کہہ رہی تھیں جویا کی ساس۔" وہ اپنا مزید دل دکھانے کے لیے تیار رہی تھیں۔

"وہ میری ساس نہیں ہیں۔" جویا نے تلملا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"پتا ہے مگر اب عادت ہوگئی ہے "اس طرح کہنے کی۔ تم کیوں برا مانتی ہو۔"

"چھوڑیں اسے "اگر اس نے ہی عقل سے کام لیا ہوتا تو یہ نوبت ہی کہاں آتی۔ سارے میں ذلیل ہو کر رہ گئے' دیکھ لیں کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔"

کہاں سے کہاں "پہنچنے میں اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ سو وہ جواب دینا بھی خود پر فرض نہیں رکھتی تھی سو اطمینان سے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

"جویا کا سامان بھجوانے کا کہا ہے انہوں نے "پوچھ رہے تھے کس پتے پر بھجیں "میں نے اپنے گھر کا ایڈریس لکھوا دیا ہے "یہاں تو انچ بھر بھی جگہ نہیں ہے۔" آپا گل کی بات میں مسئلہ اور اس کا حل دونوں ہی موجود تھے۔

"ہوسکے تو اپنے کسی کمرے میں رکھ کر بند کروا دو سامان "جب شادی ہوگی جویا کی "کام آجائے گا۔" شاکرہ بیگم کی سمجھ داری کو آپا گل نے بڑی حیرت سے سنا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ابھی جلدی زویا یا جویا میں سے کسی کی شادی ہوسکے گی؟ بہتر ہوگا کہ ابھی پہلے اپنے حالات کو بہتر ہونے دیں "معلوم نہیں کتنا وقت لگے گا اس سب میں "سامان میں خرید لوں گی آپ سے "فکر مت کریں۔" ان کی دلی خواہش پوری ہو رہی تھی۔

جویا نے یوں ہی اٹھ کر ٹی وی کا بٹن آن کیا۔

"قلم کی حرمت کو برقرار رکھنے والے ایک ایسے دانشور جن کے مداحوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہے "جن کے قلم کا لکھا ایک ایک حرف لاکھوں دلوں کو ایک ساتھ اپنا اسیر کرتا ہے "ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج وہ ہمارے ساتھ......"

ایک بہت پاپولر ٹاک شو جو رات شاید آچکا تھا "اس وقت دہرایا جا رہا تھا۔

جویا نے بہت دلچسپی سے اس تعارف کو سنا اور سامان کی تفصیل بتانے والی آپا گل کی نگاہ بھی بے دھیانی میں وہیں جا کر رکی۔

"بہت احترام اور محبت کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں جناب اسلام احمد کو جو آج ہمارے مہمان ہیں۔"

وہ نرم مسکراہٹ والا شفیق چہرہ "اسکرین پر روشن ہوا۔

چند لمحوں کے لیے تو جیسے سب ہی کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم کے درمیان کھڑا موضوع اپنی ساری اہمیت کے ساتھ گم ہوا۔

جویا نے چہرہ موڑتے ہوئے ان دونوں کے پھیلے پڑتے ہوئے چہروں کو دیکھا اور آنکھ کے کونے پر نکلے آنسو کے قطرے کو انگلی کی نوک سے جھٹک کر گرا دیا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سالِ نو 2011 مبارک

سیاہ رات کی ڈولی' ادھورے دن کے کہار
اُداس دُھوپ کی پائل' خوش پھولوں کے ہار
نہ بَن میں تتلی کوئی ہے' نہ ہی کلی پہ نکھار

اکیلے پیڑ خزاؤں کے زخم گنتے ہوئے
ٹھٹھرتی تیز ہواؤں کے بین سنتے ہوئے

ہیں کتنی ان کہی بے نام بے زباں چاہیں
جو اپنی مٹھیوں میں آس کا گلال لیے
دھنک کے رنگ میں لپٹی سمے کی چال لیے
نئے برس کی وہ دُلہن کے انتظار میں ہیں

نیا برس' جو نئے یُگ کے ساتھ آئے گا
وہ تیرے میرے نئے من کے میت لائے گا
جو دھڑکنوں سے ہیں بچھڑے وہ گیت لائے گا
محبتوں کی زمیں آسماں ملائے گا

سوسن راہی

اک متاعِ دل و جاں تھی جسے کھوتے ہوئے آئے
ہم ترے پاس کہیں اور سے ہوتے ہوئے آئے

وقت بے وقت کسی خواہشِ بے جا کے لیے
ہم وہ مزدور کہ دُنیا ہی کو ڈھوتے ہوئے آئے

کیسے گرداب' تہہِ عشق' بلا خیز تھے جو
تیرنے والوں کو ساحل پہ ڈبوتے ہوئے آئے

نیند اور خواب کی وادی سے گزرتے ہوئے ہم
چاند تارے تری راہوں میں پروتے ہوئے آئے

تم سے یہ سب نے کہا ہم یہاں موجود نہیں
جانِ جاں ہم یہاں موجود نہ ہوتے ہوئے آئے

کل تری یاد نے وہ ہجر منایا ہے کہ بس!
ضبطِ گریہ میں بھی دامن کو بھگوتے ہوئے آئے

ایسا کیا کہہ دیا میں نے کہ مرے یار سلیم!
طنز کرتے ہوئے' نشتر ہی چبھوتے ہوئے آئے

سلیم کوثر

سرائے خواب میں اب جی نہیں لگتا ہمارا
مگر یہ بھی نہیں ہوتی تو کیا ہوتا ہمارا

کہاں تک سانس کی بے کیف سی تکرار سنتے
کہاں تک خامشی سے دم نہیں گھٹتا ہمارا

بہت دلدوز منظر دیکھ کر محسوس کر کے
تعجب ہے کہ اب تک دل دھڑکتا ہے ہمارا

وہ جب آیا تھا تب بھی دل نے آنے سے نہ روکا
اب اُس کے جانے پر بھی بس نہیں چلتا ہمارا

کسی کے لوٹ آنے کی توقع میں سرِ شب
دیا جلتا نہ جلتا دل رہا جلتا ہمارا

سخن میں گر ہمیں بھی مصلحت در پیش ہوتی
تو سارا ماجرا ہی بے اثر رہتا ہمارا

خرم خرام صدیقی

ایک دو سرسری ملاقاتیں
دل کو کیا کیا سمجھا گئیں باتیں

حشر کی صبح تک نہ بھولوں گا
جیسی کٹتی ہیں آج کل راتیں

حسن کا ایک ہی قبیلہ ہے
عشق کی ہیں ہزار ذاتیں

مینہ برستا ہے خاک اڑتی ہے
دیدنی ہیں یہاں کی برساتیں

بار بار اس کے خط کو پڑھتا ہوں
گویا لکھی ہیں پیار کی باتیں

رات ڈھلتی نہیں کسی صورت
بے اثر ہو گئیں مناجاتیں

چند کرنیں امید کی شہرت
ناامیدی کی دائمی راتیں

شہرت بخاری

سائرہ غلام نبی

ناس

مچھلی کے شوقین شکاری نے دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔
"میں کوئی کام ناس کے بغیر نہیں کرتا اس لیے کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ آج صبح ناس کر کے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے مچھلی کے شکار پر جانا چاہیے یا عبادت کے لیے۔"
"پھر کیا ہوا؟" ساتھی نے پوچھا۔
"بڑا سخت مرحلہ تھا۔ مجھے چھ دفعہ سکہ اچھالنا پڑا تب کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔"
عقیلہ گیلانی۔ مجھ رشا قیم

احتیاط

ایک سرکاری ملازم کو ایک اہم مقدمے میں گواہی کے لیے طلب کیا جا رہا تھا مگر وہ کوئی نہ کوئی حربہ استعمال کر کے عدالت میں حاضر ہونے سے جان چھڑا لیتا تھا۔ کئی بار سمن جاری ہونے کے بعد آخر وہ ایک روز حاضر ہوا اور اس روز بھی جج صاحب سے درخواست کرنے لگا کہ اسے جلدی فارغ کر دیا جائے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے یہ بھی جتانے کی کوشش کی۔
"سر! آپ کو معلوم ہی ہے سرکاری دفتروں میں ہم جیسے لوگوں پر کتنی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ہماری کتنی زیادہ مصروفیات ہوتی ہیں۔"
"اوہ... تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم جیسے لوگوں کے بغیر سرکاری دفتروں کا نظام نہیں چل سکتا۔" جج صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"سر... چل تو سکتا ہے... لیکن میں چاہتا ہوں یہ بات افسروں کو نہ معلوم ہو جائے۔" ملازم نے جواب دیا۔
عائشہ، تحریم۔ کراچی

سرٹیفکیٹ

عبدالرشید نے ایک گھر میں نوکر کے طور پر کام کرنے کی درخواست دی تو صاحب خانہ نے پوچھا۔
"تم نے اس سے پہلے کسی گھر میں کام کیا ہے؟"
"جی صاحب!" عبدالرشید نے مستعدی سے جواب دیا۔
"میں نے کرنل رحیم صاحب کے بنگلے پر کام کیا ہے۔"
"انہوں نے تمہیں کوئی سرٹیفکیٹ وغیرہ دیا ہے؟" صاحب خانہ نے دریافت کیا۔
"جی صاحب! یہ سرٹیفکیٹ دیا ہے انہوں نے..." عبدالرشید نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔
صاحب خانہ نے پڑھا اس پر کرنل رحیم نے لکھا تھا۔
"مسمی عبدالرشید ایک مہینہ میرے گھر کام کرنے کے بعد جا رہا ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوں۔"
ندا، فضہ۔ کراچی

توجہ

ملازمت کے لیے امیدواروں کے انٹرویو ہو رہے تھے افسر نے ایک امیدوار سے پوچھا۔
"ہمارے ہاں صفائی پر بہت دھیان دیا جاتا ہے کیا آپ نے آتے وقت پائیدان پر جوتے صاف کیے تھے۔"
امیدوار فوراً بولا۔ "جی ہاں... بالکل۔"
افسر نے کہا۔ "ایک اور بات ہمارے ہاں سچ بولنے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ہمارے دفتر میں کوئی پائیدان نہیں ہے۔"
گڑیا شاہ۔ کبیر والا

عقل مند

مسز عائزہ نے تہیم سے کہا۔ "آپ کل صبح چھ انڈے لائے تھے۔ ان میں سے چار بلخ کے تھے۔"
تہیم نے اپنی بیوی عائزہ سے پوچھا۔ "آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟"
مسز عائزہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں اتنی بھی کم عقل نہیں ہوں۔ میں نے انہیں ابالنے کے لیے پانی میں ڈالا تو بلخ کے انڈے تیرنے لگے اور مرغی کے ڈوب گئے۔"

نسبت سنیعہ۔ کہروڑ پکا

قابلِ دید

کراچی کے ایک دفتر میں کام کرنے والے ایک کلرک کی آواز ویسے ہی کافی اونچی تھی اور جب وہ فون پر کسی سے ناراض ہوتے یا بحث میں الجھتے تو اور بھی زیادہ زور زور سے چلانے لگتے۔
ایک روز رضا صاحب اسی طرح چلا رہے تھے۔ آواز جنرل منیجر کے کمرے میں بھی پہنچ گئی۔ جی ایم نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور پوچھا۔
"یہ کون صاحب چلا رہے ہیں؟" منیجر حسن نے پوچھا۔
"سر! یہ رضا صاحب اپنے بہنوئی شرجیل سے بات کر رہے ہیں۔" چپراسی نے بتایا۔
"تو یہ کم بخت کلرک فون کیوں نہیں استعمال کرتا؟ آخر ہم نے فون کس لیے لگوائے ہیں؟" جنرل منیجر غصے سے بولے۔

کرن، بینش۔ کراچی

الجھن

"تمہارا فیملی ڈاکٹر کون ہے؟"
"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"
"کیا مطلب؟ تمہیں اپنے فیملی ڈاکٹر کا نام معلوم نہیں؟"
"کسی زمانے میں سلیمان صاحب ہمارے فیملی ڈاکٹر ہوا کرتے تھے۔ یہ میرے بچپن کے زمانے کی بات ہے۔ اب میری والدہ ایک آئی اسپیشلسٹ کے زیرِ علاج ہیں۔ میرے والد مشورے کے لیے ہارٹ اسپیشلسٹ کے پاس جاتے ہیں۔ میری بہن ای این ٹی اسپیشلسٹ سے علاج کرا رہی ہے۔ میرا بھائی پیٹ اسپیشلسٹ کے پاس جاتا ہے۔ میرے بچے چائلڈ اسپیشلسٹ کے زیرِ علاج رہتے ہیں۔ میں خود ہڈیوں اور جوڑوں کے ماہر کے پاس علاج کے لیے جاتا ہوں۔ میری بیوی گائناکالوجسٹ کے پاس زیرِ علاج رہتی ہے۔ اس لیے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسے اپنا فیملی ڈاکٹر قرار دوں۔"

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

کھچڑی

شوہر نے بیوی سے پوچھا۔
"آج تم نے کھانے میں کیا پکایا ہے؟"
بیوی نے جواب دیا۔ "کھچڑی پکائی ہے۔"
"کھچڑی پکانے کی تمہیں کیا ضرورت تھی؟" شوہر نے حیرت سے کہا۔ "وہ تو تم روزانہ بہت مزے دار پکا لیتی ہو۔"

جاسمہ مریم نوید۔ کراچی

میرا مشورہ

پچھلے دنوں مجھے ایک نجومی نے مشورہ دیا۔
"اگر آپ مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچنا چاہو تو جنوری اور دسمبر میں ——— ہرگز شادی نہ کرنا۔" پھر کچھ توقف سے بولا۔ "اور باقی مہینوں کے لیے بھی میرا یہی مشورہ ہے۔"

فائزہ کرن۔ کوٹ غلام محمد

چوپایہ

کسی مشاعرے میں ایک علیم شمیم شاعر غزل پڑھ رہے تھے اور ہر شعر کو شروع کرنے سے پہلے کہتے تھے۔
"دیکھیے کس پائے کا شعر ہے۔"
جب وہ اس جملے کو تین چار بار دہرا چکے اور پانچویں شعر کی بسم اللہ بھی ان ہی الفاظ سے کی تو پنڈت ہری چند اختر ایک دم اپنی جگہ سے اٹھے اور بولے۔
"چار پائے کا۔"

عابدہ نثار۔ کراچی

بلا عنوان

ایک دفعہ ایک آدمی نیویارک کے مرکزی پارک میں ٹہل رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک کتے کو ایک چھوٹی بچی پر حملہ کرتے دیکھا۔ وہ اس طرف دوڑنے لگا اور کتے کو مارنے لگا۔ آخر کار وہ کتے کو مار کر بچی کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔
ایک پولیس والا جو یہ واقعہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، اس کے پاس آیا اور بولا۔
"تم ایک ہیرو ہو۔ کل تم سارے اخباروں میں یہ خبر پڑھو گے کہ ایک بہادر نیویارکر نے ایک چھوٹی سی بچی کی جان بچالی۔"
"مگر میں نیویارکر نہیں ہوں۔" آدمی نے جواب دیا۔
"اوہ! پھر یہ پڑھو گے کہ بہادر امریکن نے ایک چھوٹی سی بچی کی جان بچائی۔" "مگر میں امریکن بھی نہیں بلکہ پاکستانی ہوں۔"
اگلے دن اخبار میں لکھا تھا۔
"ایک اسلامی تشدد پسند نے ایک امریکی کتے کو مار ڈالا۔ ممکن ہے کہ دہشت گردوں کے کسی گروپ کے ساتھ اس کا تعلق ہو۔"

[illegible] یوسف۔ فیصل آباد

جہنم

جو کہتی ہے دنیا وہ سچ ہے اے بیگم!
کہ میں تیرے زیر اثر آ گیا ہوں
کہا باس نے جب جہنم میں جاؤ
تو دفتر سے سیدھا ہی گھر آ گیا ہوں

شبنم شمشاد۔ نرمان

کارکردگی

پولیس کو جرائم پیشہ افراد سے نمٹنے کے لیے ریڈیو ٹرانسمیٹر سے لیس گاڑیاں فراہم کی گئیں۔ ایک دن ہیڈ کوارٹر کے ریڈیو روم میں رپورٹ موصول ہوئی۔
"میں موبائل کار زیرو زیرو سیون سے حوالدار نتھو خان بول رہا ہوں۔ ابھی صدر میں رہزنی کی ایک واردات ہوئی ہے اور ہم نے ان میں سے ایک کو قابو کر لیا ہے۔"
"تفصیل بتاؤ۔ وہ کون ہے؟" ہیڈ کوارٹر سے پوچھا گیا۔
"جی سر! یہ وہ آدمی ہے جسے لوٹا گیا تھا۔"

ملیحہ طاہر۔ جھبراں

بچے ہمارے عہد کے

بچے نے ماں سے پوچھا۔
"ممی! میرا چھوٹا بھائی کس طرح پیدا ہوا تھا؟"
بے چاری ماں اس سوال پر پریشان ہو گئی پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔
"ایک دن میں سو کر اٹھی تو میں نے دیکھا، وہ میرے برابر میں لیٹا ہوا تھا۔"
"اور اس سے چھوٹا بھائی کس طرح پیدا ہوا تھا؟" اس نے پھر سوال کیا۔ ماں نے کہا۔
"ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت بچہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ میری آنکھ کھلی تو یہ بچہ میری گود میں تھا۔"
اس پر بچے نے اپنے دوسرے بھائیوں کے بارے میں بھی یہی سوال کیا۔ ماں نے ہر دفعہ ایک کہانی گھڑ کر سنا دی۔ بالآخر بچے نے اپنی ماں سے کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے ہاں کوئی بچہ بھی نارمل طریقے سے پیدا نہیں ہوا!"

ملیحہ۔ جھبراں

ناقابلِ یقین

- پولیس والوں نے بغیر رشوت کے مجرم کو چھوڑ دیا۔
- باپ نے بیٹی کی پیدائش پر پورے شہر میں مٹھائی تقسیم کی۔
- آج گوالا خالص دودھ بیچ رہا ہے۔
- لڑکوں نے لڑکیوں کو دیکھ کر شرم سے نظریں جھکا لیں۔
- پوتی کی پیدائش پر ساس نے بہو کو بہت سی دعائیں دیں۔
- آج بازار میں عورتیں بغیر میک اپ کے شاپنگ کر رہی تھیں۔

معراج النساء۔ خان بیلہ

نصیحت

ماں نے اپنے بچے سے کہا۔

"دیکھو! جو! تم ہمیشہ بُرے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہو، اچھے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے۔"

یہ سن کر جو نے کہا۔

"کیا کروں امی! اچھے بچوں کی ماؤں نے اپنے بچوں کو میرے ساتھ کھیلنے سے منع کیا ہے۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

قبرستان،

اسٹیٹ ایجنٹ ایک صاحب کو شہر کے مضافات میں زمین دکھا رہے تھے جہاں ایک ہاؤسنگ اسکیم تیار کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اخباروں میں اشتہارات چھپ چکے تھے۔ سروے کرانے کے بعد اسٹیٹ ایجنٹ نے متوقع گاہک سے پوچھا۔

"ہاں۔ تو پھر آپ کا اس اسکیم کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سچ پوچھیں تو میں نے پہلی مرتبہ ایسا قبرستان دیکھا ہے جس میں بجلی کے کھمبے لگے ہوئے ہیں۔" ان صاحب نے تبصرہ کیا۔

ساجدہ نعیم۔ گوجرہ

پراپرٹی ڈیلر،

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔

"بھئی یہ پراپرٹی ڈیلر بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک ڈیلر نے گوادر کی دو ایکڑ زمین مجھے بیچ دی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہاں زبردست فلیٹ تعمیر ہوں گے۔ اور میں چند لاکھ لگا کر کروڑوں کماؤں گا۔ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو اس زمین پر آٹھ آٹھ فٹ پانی کھڑا تھا۔"

"اوہ… حد ہو گئی۔ پھر تم اس سے اپنی رقم واپس لینے گئے؟" دوست نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں… گیا تھا… پیسے تو نہیں ملے… البتہ اس نے مجھے ایک لانچ دلوادی۔" ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

ثمرہ، اقرأ۔ کراچی

باعثِ حیرت،

کراچی کی ایک سڑک پر ایک صاحب بے ہوش پڑے تھے۔ ایک ٹریفک کانسٹیبل ان کی طرف اشارہ کرکے کار سوار سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے اس آدمی کا رسے ٹکر مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔"

"آپ قسم لے لیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ صاحب گھبرا کر بولے۔ "میں نے ان صاحب کو سڑک پار کرتے دیکھ کر احتراماً گاڑی روک لی تھی۔ اس پر یہ صاحب حیرت سے بے ہوش ہو گئے۔"

عذرا ناصر۔ کراچی

جواب،

شکیلہ: "کیا یہ درست ہے کہ تم نے امجد سے شادی صرف اس لیے کی ہے کہ اس کے دادا اس کے لیے ڈھیر ساری دولت چھوڑ کر مرے تھے؟"

صائمہ: "بالکل غلط۔ اگر دادا کے بجائے کوئی اور بھی امجد کے لیے اتنی دولت چھوڑ کر مرتا تب بھی میں امجد سے شادی کر لیتی۔"

باعثِ اطمینان،

باپ نے بیٹے سے کہا "مجھے یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ تمہیں کلاس میں سب سے پیچھے بٹھا دیا جاتا ہے۔"

بیٹا باپ کو تسلی دیتے ہوئے بولا "آپ پریشان نہ ہوں ڈیڈی! ہماری کلاس میں چاہے لڑکے آگے بیٹھیں یا پیچھے، انہیں ایک ہی لیکچر سننے کو ملتا ہے۔"

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

شگفتہ جاہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت صخر بن وداعہ غامدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے اللہ! میری امت کے لیے صبح کا وقت بابرکت بنا دے۔"

انہوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ یا لشکر روانہ فرماتے تو صبح کے وقت روانہ فرماتے تھے۔"

حضرت عمارہ بن حدید نے کہا۔ حضرت صخرؓ تاجر تھے اور وہ اپنا تجارتی قافلہ صبح کے وقت روانہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خوشحال ہو گئے اور ان کا مال زیادہ ہو گیا۔

فوائد و مسائل:

1۔ صبح کا وقت بابرکت ہے۔ لہٰذا اسے مفید کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ غفلت اور نیند میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

2۔ صبح جلدی دکان کھولنا تاجر کے لیے باعثِ برکت ہے۔

(ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن کا ذکرِ جمیل،

حضرت شیماءؓ کو اس کائنات کی سب سے عظیم شخصیت کی بہن ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بیٹی تھیں۔ حضرت شیماؓ کا نام جدامہ تھا جبکہ شیما عرف تھا۔ آپؓ کے والد کا نام حارث بن العزیٰ بن رفاعہ تھا۔ کہتے ہیں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیماؓ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لے کر کھلایا کرتی تھیں اور اکثر انہیں یہ لوری بھی سناتی تھیں۔

"یا اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ رکھ یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں۔

پھر ہم ان کو ایک صاحبِ عزت سردار دیکھیں اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں۔

اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی عزت عطا کر۔"

حضرت شیماؓ غزوہ حنین تک اپنے قبیلہ ہی میں گمنامی کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ پھر 8 ہجری میں غزوہ حنین کے بعد جب بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبیلوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کے طالب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ انہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماؓ بھی تھیں۔ جب انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو وہ بولیں۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کی بہن (رضاعی) شیما ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے ایک ایسا نشان بتلایا، جس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عہدِ طفلی یاد آ گیا اور وہ اپنے بچپن کو یاد کر کے آب دیدہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر شیماؓ کو نہایت عزت و احترام سے بٹھایا پھر فرمایا۔

"بہن! اگر آپ میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔"

حضرت شیماؓ کی زندگی چونکہ اپنے قبیلے ہی میں گزر رہی تھی چنانچہ انہوں نے واپس جانا پسند کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت

عزت و احترام کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ بطور ہدیہ ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی انہیں عنایت فرمائی۔

عذاب سے نجات کس کو ملے گی

بعض مرتبہ اللہ کسی قوم کو آفات میں مبتلا کر کے بھی عذاب کا مزا چکھاتا ہے اور اس عذاب سے بچنے کا واحد راستہ سورۃ الاعراف کی ایک سو پینسٹھویں آیت میں واضح طور پر بتا دیا۔

"اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا۔ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے۔ یا انہیں عذاب دینے والا ہے۔ بہت سخت عذاب۔ انہوں نے جواب دیا تمہارے رب کے سامنے عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں۔ پھر وہ اس بات کو بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب پر پکڑ لیا۔"

یعنی اس بستی میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو دیدہ دلیری سے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کرتے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی سے بیٹھ کر دیکھتے تھے اور منع کرنے والوں سے کہتے تھے کہ ان کم بختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو غیرت ایمانی سے معمور تھا اور انہیں برائی سے روکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں گروہوں کو غرق کر دیا۔ ان کو بھی جو گناہ پر خاموش تھے کہ اللہ کے نزدیک ایسی خاموشی بھی گناہ ہے اور ان کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے۔

سید الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلیۂ عذاب کو اپنی ایک حدیث میں واضح کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو چند بستیوں پر عذاب نازل کرنے کو کہا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔

"ان میں سے ایک بستی میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس نے پلک جھپکنے جتنا عرصہ بھی گناہ میں صرف نہیں کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"وہ خود تو زاہد اور پرہیزگار تھا لیکن میرے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی تھی لیکن اس کے چہرے کا رنگ کبھی میری غیرت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا۔ سب سے پہلے اسے زمین پر پٹخو اور پھر پوری بستی کو اس پر الٹا دو۔"

اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا بغاوت اور نافرمانی پر خاموش رہنے پر اللہ کی ناراضی کا یہ عالم ہے اور عذاب کی سختی کی یہ کیفیت ہے۔

(از حرف راز)

سوال

حضرت علیؓ ایک دشمن سے جنگ لڑ رہے تھے۔

انہوں نے تلوار کا زور سے وار کیا اور اس کی تلوار دو ٹکڑے کر دی۔ حضرت علیؓ غیر مسلح شخص پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اس لیے فوراً ہاتھ روک لیا۔ وہ کہنے لگا۔

"مجھے تلوار دو۔ میں مقابلہ کروں گا۔"

حضرت علیؓ نے اپنی تلوار دی۔ وہ حیران ہو کر بولا۔

"تعجب ہے آپ خود غیر مسلح ہو گئے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ "ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے مانگنے والے کا سوال رد کیا ہو۔ تم نے مجھ سے تلوار مانگی میرے پاس ایک ہی تلوار تھی اس لیے میں نے وہ تمہیں دے دی۔"

یہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

عیشو علی شاہ۔ جڑانوالہ

اچھی باتیں

- جو تمہارا بھروسا توڑے تمہارا فرض ہے کہ تم اسے معاف کر دو لیکن پھر کبھی اس پر بھروسا نہیں کرنا۔
- خوف میں تنہائی میں رونے کے سوا کوئی بھی چیز اللہ کی ناراضی کو مٹا نہیں سکتی۔
- ہمیشہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں کیونکہ انسان پہاڑوں سے نہیں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
- رشتوں کی خوبصورتی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنا ہے بے عیب انسان تلاش مت کرو ورنہ اکیلے ہو جاؤ گے۔

رملہ شاہ۔ میانوالی

آواز دوست

یوں تو مینار پاکستان اور بادشاہی مسجد آمنے سامنے ہیں مگر ان کے درمیان یہ ذرا سی مسافت جس میں سکھوں کا گردوارہ اور فرنگیوں کا پڑاؤ شامل ہے۔ تین صدیوں پر محیط ہے۔ میں مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا ان تین گزشتہ صدیوں کا ماتم کر رہا تھا کہ مسجد کے مینار نے جھک کر میرے کان میں راز کی بات کہہ دی کہ جب مسجدیں ویران اور مدرسے آباد ہو جائیں، جہاد کی جگہ جمود اور حق کی جگہ حکایت کو مل جائے، ملک کے بجائے مفاد اور ملت کے بجائے مصلحت عزیز ہو جائے، جب مسلمانوں کو زندگی سے محبت ہو جائے اور موت سے ڈر لگنے لگے تو صدیاں یونہی بیت جایا کرتی ہیں۔"

شاہدہ شبیر رانا۔ دھمان گڑھ

غرور کا مرض

حضرت بایزیدؒ حج سے واپس لوٹ رہے تھے۔ راستے کے لوگوں کو پتا چلا تو سارا شہر استقبال کے لیے امڈ پڑا۔ آپ کو راستے میں علم ہو گیا کہ لوگ ٹھاٹھ باٹھ سے شہر میں لے جائیں گے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ جب ہجوم خلق کے سامنے پہنچے تو چند کھجوریں جیب سے نکالیں اور کھانے لگے۔ لوگ سخت بدظن ہوئے کہ نیکی اور پارسائی کی اس قدر شہرت کے باوجود روزہ توڑ دیا۔ سب واپس چلے آئے۔ آپ نے اپنے ساتھی سے ہنس کر کہا۔

"کیسی رہی ترکیب۔ چلے تھے مجھ میں غرور کا مرض پیدا کرنے۔" پھر فرمایا۔ "انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ مسافر روزے کا مکلف نہیں۔"

نمرہ، اقصیٰ۔ کراچی

بولتے لفظ

★ اپنی زندگی میں ہم جتنے دل راضی کر لیں اتنے ہی ہماری قبر میں چراغ جلیں گے۔

★ ہماری نیکیاں ہمارے مزاج روشن کرتی ہیں۔

★ سخی کی سخاوت اس کی اپنی قبر کا دیا ہے۔

★ ہماری اپنی صفات ہی ہمارے مرقد کو خوشبودار بناتی ہیں۔ زندگی کے بعد کام آنے والے چراغ زندگی میں ہی جلائے جاتے ہیں۔

★ کوئی نیکی رائیگاں نہیں جا سکتی۔

مقدس رباب۔ چکوال

پیٹ بھر کر کھانا

حضرت عبید اللہ بن عدی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام تھے۔ عراق سے واپسی پر انہوں نے حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سلام کیا اور عرض کیا کہ

"میں آپ کے لیے ہدیہ لایا ہوں۔"

حضرت عبداللہ نے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "جوارش ہے۔"

حضرت عبداللہ نے پوچھا۔ "جوارش کیا چیز ہوتی ہے؟"

انہوں نے کہا۔ "اس سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔"

حضرت عبداللہ نے فرمایا۔

"میں نے چالیس سال سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ میں اس جوارش کا کیا کروں گا۔"

شہناز فاطمہ سیال۔ خانیوال

نور کا ستون

ابوالقاسمؒ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد رات میں حدیث کی کتاب کا دوسری کتب سے تقابل کیا کرتے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ جس جگہ ہم تقابل کیا کرتے تھے اس جگہ نور کا ستون ہے۔

کسی نے پوچھا۔ "یہ ستون کیسا ہے؟"

بتایا گیا کہ "یہ وہ درود شریف ہے جس کو یہ دونوں کتاب کے تقابل کے وقت پڑھا کرتے تھے۔"

سونیا بانی۔ قاضیاں محلہ بالا

رکوع اور جدید سائنس

رکوع کے متعلق سرجنز کا بیان ہے کہ رکوع سے کمر کے درد کے مریض یا ایسے مریض، جن کے حرام مغز میں ورم ہو گیا ہو۔ بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

رگوں سے دماغ اور آنکھوں کی طرف دوران خون کے بہاؤ کی وجہ سے دماغ و نگاہ کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ندا، فضہ۔ کراچی

مذاہب

دُنیا کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں خانہ بدوشانہ زندگی سے لے کر شہروں کی آبادیوں تک انسانیت اور انسانی اصولوں کا درس صرف اور صرف مذاہب یا خدا کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبروں نے دیا۔ سچ بولو، ایفا کرو، قتل نہ کرو۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، یتیم کی دیکھ بھال کرو، پڑوسی کا خیال رکھو، غیبت نہ کرو، دھوکا مت دو، جانوروں پر ترس کھاؤ، درختوں کی حفاظت کرو، یہ سب اصول اگر انسانی تاریخ میں کہیں ملتے ہیں تو آسمانی کتابوں میں۔

(اوریا مقبول جان)

خدیجہ سلیم۔ کراچی

غیبت

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔ یہ سن کر آپ نے ایک طباق تازہ کھجوروں کی اس کے لیے روانہ کی اور کہلوایا۔
”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنی نیکیاں مجھے عنایت فرمادی ہیں۔ اس کے بدلے میں یہ معمولی ہدیہ پیش خدمت ہے پورا بدلہ تو نہیں دے سکتا معاف فرمائیں۔“

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑ پکا

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

- دُنیا میں وہی لوگ سربلند رہتے ہیں جو تکبر کے تاج کو دُور پھینک دیتے ہیں۔
- اگر انسان رنج یا مسرت کی فکر سے بلند ہو جائے تو آسمان کی بلندی بھی اس کے قدموں کے نیچے آ جائے گی۔ (شیخ سعدیؒ)
- کنول کا پھول تالاب میں کھلا ہو تو سب کو خوشنما لگتا ہے، کنارے پر کھڑے لوگ اسے سراہتے ہیں لیکن گندگی میں جا کر اسے توڑنے کا حوصلہ ہر کسی میں نہیں ہوتا۔ (ڈاکٹر دیوداس)
- خود غرض لوگ انڈوں کی طرح ہوتے ہیں ان میں اپنے علاوہ کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ (بلنگز)
- سیدھی اور صاف بات کہنے سے نقصان بہت تھوڑا مگر فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (لارڈ میکالے)

گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

ایفائے عہد

جب دمشق فتح ہوگیا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ایک عہد نامے کے ذریعے لوگوں کو امان دے دی۔
جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے جو اس فوج کے افسر تھے، عہد نامہ دیکھا اور بعض شرطوں کو نامناسب پایا تو کہا۔
”بغیر میرے حکم کے عہد نامہ کیوں مکمل کیا گیا۔ میں کافروں کو پناہ نہیں دے سکتا۔“
ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھایا۔
”ابھی ہم کو بہت سی فتوحات حاصل کرنی ہیں۔ جب یہ بات مشہور ہو جائے گی، مسلمان اپنے عہد کا پاس نہیں رکھتے اور اپنے ماتحت افسروں کا بنایا وعدہ ختم کر دیتے ہیں تو اس کا بہت برا انجام ہوگا۔“
آخر خالد بن ولیدؓ خاموش رہے۔
تامس عیسائیوں کا سربراہ تھا۔ اس نے انطاکیہ جانے کی اجازت طلب کی۔ خالدؓ نے کہا۔
”جاؤ لیکن سوائے کھانے کے کوئی اور چیز ہمراہ نہ لے جاؤ گے۔“
ابوعبیدہؓ نے کہا۔
”میں ان سے ان کے مال و اسباب کی امان کا بھی وعدہ کر چکا ہوں۔ اس وعدے کی پاسداری ضروری ہے۔“
چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے اس معاہدے کی پاسداری کی۔

شاعری سچ بولتی ہے

سندر شازی

میں سندر شازی شعر و ادب کی ایک ادنیٰ سی طالبہ ہوں۔ یوں تو اردو شاعری میں لاتعداد عمدہ شعراء ہیں لیکن جو شعراء مجھے بہت پسند ہیں ان کے اسمائے گرامی میر تقی میر، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، قتیل شفائی، ابن انشاء، اطہر نفیس، انور شعور، زہرہ نگاہ، ظریف احسن، افتخار عارف، امجد اسلام امجد وغیرہ۔ جگہ کی کمی کے سبب چند شعراء کا کلام پیش خدمت ہے۔

میر تقی میر خدائے سخن، خدائے تغزل اپنے ابتدا سے تا کمال شاعری کے میدان میں سرگرم رہے۔ میر ہی اردو کی ابتدا ہیں۔ میر کی شاعری ہر زمانے پر غالب ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

ابن انشاء کی شاعری حقیقت سے قریب ترین شاعری ہے۔ اپنی مٹی اور اپنے موسموں کی شاعری ہے۔ آیئے ایک خوبصورت نظم ”دروازہ کھلا رکھنا“ سے کیف حاصل کریں۔

دروازہ کھلا رکھنا

دل درد کی شدت سے خوں گشتہ و سی پارہ
اس شہر میں پھرتا ہے اک وحشی و آوارہ
شاعر ہے کہ عاشق ہے جوگی ہے کہ بنجارہ
دروازہ کھلا رکھنا

سینے سے گھٹا اٹھے آنکھوں سے جھڑی برسے
پھاگن کا نہیں بادل جو چار گھڑی برسے
برکھا ہے یہ بھادوں کی برسے تو بڑی برسے
دروازہ کھلا رکھنا

آنکھوں میں تو اک عالم آنکھوں میں تو دنیا ہے
ہونٹوں پہ مگر مہریں منہ سے نہیں کہتا ہے
کس چیز کو کھو بیٹھا کیا ڈھونڈنے نکلا ہے
دروازہ کھلا رکھنا

ہماری کلاسیکی شاعری میں سہل ممتنع کی روایت کو نبھانے میں انور شعور انتہائی اخلاص سے مصروف عمل ہیں اور قطعہ نگاری بھی خوب کرتے ہیں۔

جب کوئی ہم سے دور جاتا ہے
تب ہمارے قریب آتا ہے

سننے والوں کو پیار کا قصہ
کچھ ہنساتا ہے کچھ رلاتا ہے

روشنی میں نظر نہیں آتا
چاند اندھیرے میں جگمگاتا ہے

آئیں تو آئیں ہم نہیں تو نہیں
وہ ہمیں اس طرح بلاتا ہے

تم خود ہو مے کدے میں شعور
یا کوئی اور کھینچ لاتا ہے

ظریف احسن کی شاعری میں ہمیں جا بجا زندگی، انسان رویے اور دنیا کے دکھ سکھ کے مختلف رنگ ملتے ہیں۔ بلاشبہ ظریف احسن اپنے اسلوب میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

آنکھ میں جب نمی نہ تھی پہلے
زندگی، زندگی نہ تھی پہلے

اب جو میرے لبوں تک آئی ہے
بات وہ گفتنی نہ تھی پہلے

کار دنیا کی وحشتیں تو تھیں
دل کی یہ بے کلی نہ تھی پہلے

روز و شب رنج کی مسافت تھی
ایسی بے کلی نہ تھی پہلے

اب سمندر بھی ایک قطرہ ہے
اس قدر تشنگی نہ تھی پہلے

وقت نے اک عجیب کروٹ لی
اس میں یہ کافری نہ تھی پہلے

چند متفرق اشعار جو مجھے بہت پسند ہیں۔ آپ سب بہنوں کے لیے۔

اہل خرد نے دل یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے
(جگر مراد آبادی)

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں، کوئی قہر نہیں، پھر سچا شعر سنائیں کیا
(اطہر نفیس)

میں وہ آئینہ رو برو جس کے
یہ جہاں دیر تک سنورتا ہے
(ظریف احسن)

کبھی نہ سوچا تھا ہم نے قتیل اس کے لیے
کرے گا ہم پہ ستم وہ بھی ہر کسی کی طرح
(قتیل شفائی)

غم زمانہ سے دل کو بچا کے رکھتے ہیں
تمہارے خواب سے آنکھیں سجا کے رکھتے ہیں
(امجد اسلام امجد)

یارب تو لاج رکھ مرے شوق فضول کی
دنیا ہے نیند میں مری آواز ہے اٹھا
(عزیز حامد مدنی)

مجھے یقین ہے کہ شعاع کے تمام قارئین بالخصوص شعر و ادب کے قارئین اور طالب علموں کو میرا انتخاب ضرور پسند آئے گا۔ شاعری در اصل زندگی ہے اور مجھے زندگی سے پیار ہے۔ میں شاعری یا شعر تو کیا بس کچھ خیالات کو کہنے کی جسارت کرتی رہتی ہوں۔ سعدیہ شازی اپنے احساس کو اس طرح لکھتی ہے۔

بہت سے وسوسے دل سے اٹھا کے رکھتے ہیں
تمہارے واسطے خود کو سجا کے رکھتے ہیں

خالدہ جیلانی

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات
اے دوست تیری یاد بھی کتنی عجیب ہے
جب آ گئی تو گویا زمانے ٹھہر گئے
اس کو بھول کر بھی آئی نہ ہماری یاد
ہم اس شوق انتظار میں جاں سے گزر گئے

فوقیہ رباب جبیں ______ بورے والا
یاد کے دشت میں پھرتا ہوں میں ننگے پاؤں
دیکھ تو آ کے کبھی پاؤں کے چھالے محسن
وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

شانزہ کنول ______ کوٹ غلام محمد
ہم سے اک بار بھی جیتا ہے نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر
ہم نے ان تند ہواؤں میں جلائے ہیں چراغ
جن ہواؤں نے الٹ دی ہیں بساطیں اکثر

ثمینہ اکرم ______ بہار کالونی، لیاری
تو کہ سمٹا تو رگ و جاں کی حدوں میں سمٹا
میں کہ بکھرا تو سمٹا نہ گیا تیرے بعد
یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تجھ پہ مگر
کتنا محسوس کیا میں نے تجھے تیرے بعد

عظمیٰ اکرم ______ کراچی
جو حیراں ہیں تمہارے ضبط پر کہہ دو قتیل ان سے
جو دامن پر نہیں گرتا وہ آنسو دل پہ گرتا ہے

شازیہ رانا ______ دیپالپور
یہ بھی کیسا عذاب دے ڈالا
ہے محبت تو اس قدر کیوں ہے
تو ملا ہے تو یہ خیال آیا
زندگی اتنی مختصر کیوں ہے

شمیم صدر دین رحمانی ______ صفدر آباد
وہ جھوٹ بھی بولے تو بھی سچ ہے محسن
شرط یہ ہے کہ وہ بولے تو سہی

جان فاطمہ ______ ریاض، سعودی عرب
وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
مہ جبیں! یاد ہیں کہ بھول گئے
وہ شب ماہتاب کی باتیں

ایمہا فاطمہ ______ ساہیوال
چاند ہوتا ہے اور بھی خفقان
سن کے ناصح جناب کی باتیں

ہاجرہ فرید ______ کہروڑ پکا
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں

سمیرا کاجل صدیقی ______ جڑانوالہ
اس کی چاہت کا تو انداز جدا ہے سب سے
مثل خوشبو وہ مری روح میں اترا تا ہے
تم نے کیا سوچ کے یہ پیڑ سے کاٹ دیے
پھول کے بعد تو شاخوں پہ ثمر آتا ہے

کرن محبوب ______ فیصل آباد
سب کو حسرت ہے دوسرے کے ملنے کی
سب کو اک شکایت ہے دوسرا نہیں ملتا
دل میں ہو تو کچھ کہیے جب نہ ہو تو کیا کہیے
لفظ مل بھی جاتے ہیں مدعا نہیں ملتا

رملہ شاہ ______ میانوالی
آ جاؤ گے حالات کی زد میں جو کسی دن
ہو جائے گا معلوم خدا ہے کہ نہیں ہے

گیلانی سسٹرز ———— کھروڑ پکا

جن درختوں کی جڑیں دل میں اترتی ہیں
ان کا آندھی کی درانتی سے بھی کٹنا مشکل

گڑیا شاہ ———— کھروڑ پکا

حسن دل آرا کی خاطر پائی رسوائی بہت
ہم نے اپنے عشق کی سچائی کھلائی بہت
کیسے ملے گا تجھ کو زنجیر رفاقت توڑ کر
میں بھی تنہا تو بھی تنہا اور تماشائی بہت

سیدہ نسبت زہرا ———— کھروڑ پکا

تعبیر کیا میں ڈھونڈوں سپنے نہیں ملتے
غیروں سے کیا گلہ ہو اپنے نہیں ملتے

نمرہ، اقراء ———— کراچی

دیر تک کچھ نظر نہیں آتا
خواب جب ٹوٹ کر بکھرتا ہے

ماریہ رحمانی ———— گجرات

عمارتوں کی بلندی پہ کوئی موسم کیا
کہاں سے آ گئی مجھے مکان کی خوشبو
گلوں پہ لکھتی ہوئی لا الہٰ الا اللہ
پہاڑیوں سے اترتی اذان کی خوشبو

ماریہ سید واجد علی ———— کراچی

لائی ہوں چراغ اپنا ہواؤں کے مقابل
جیسے کوئی سورج ہو گھٹاؤں کے مقابل
گونجا ہے پھر اک نغمہ سر بزم تمنا
ابھری ہے اک آواز صداؤں کے مقابل

حرا شاہ ———— شجاع آباد

مجھے آرزوئے سحر رہی یونہی رات بھر بڑی دیر تک
نہ بکھر سکا نہ سمٹ سکا یونہی رات بھر بڑی دیر تک
مجھے زندگی ہے عزیز تر اسی واسطے میرے ہمسفر
مجھے قطرہ قطرہ پلا زہر جو اثر کرے بڑی دیر تک

فوزیہ ثمر بٹ ———— گجرات

درد کے چاند کی کرنوں میں نہایا ہوں کہ یوں
میرے ماتھے پہ محبت کا پسینہ آئے
اس لیے ٹوٹ کے رویا ہوں اکثر میں محسن
مجھ کو دل کھول کے ہنسنے کا قرینہ آئے

ایشا خالد خانزادہ ———— ٹنڈو الہ یار

بے نشاں منزلوں کے سفر پر نکلو گے تو جان جاؤ گے محسن
دلوں کے مسافر کیوں گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں

ڈاکٹر کومل ———— مہران یونیورسٹی

پھر اس کے بعد آنکھوں میں بس گیا ہے وہ شخص
اگرچہ ہم نے اسے بے دلی سے دیکھا تھا

یسریٰ ستار ———— مہران یونیورسٹی

اداس راتوں میں، تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں ہے اسے پکارنے کی
جو گونجتا ہے لہو میں، سینے کی دھڑکنوں میں

ایمہا کاشف ———— کوئٹہ

تجھ سے ملنا ہو یا خود سے دونوں ہی آسان نہیں ہیں
راتیں لمبی ہو جاتی ہیں، جیون چھوٹا پڑ جاتا ہے

زریاب فرخ ———— کراچی

کہیں اندر بزم سجائے ہوئے کہیں باہر خود کو چھپائے ہوئے
تیرے ذکر کا کام نہیں رکتا، تری یاد کی عمر نہیں ڈھلتی

فرزانہ شاہ ———— لاہور

تیرے کوچے سے کہاں ہم دل بیچارہ نکل آئے
وقت کم رہ گیا اور کام زیادہ نکل آئے

گل پری مرزا ———— لاہور

نہ جی بھر کے دیکھا نہ کچھ بات کی
یہ رت جگا ہے، کوئی خواب ہے کہ دنیا ہے

صبا طارق ———— گوجرانوالہ

اس وحشت میں ہنستے بستے جیون ڈھول بجے ہیں
اس نے اک دیوار اٹھا دی، میں نے ایک گرا دی

ایمان علی ———— سکھر

جس کی خاطر ساری دنیا چھوڑ کے کوئی چلا ہے
اس کے ساتھ بھی رہ کر آدمی تنہا ہو سکتا ہے

سیدہ حنا بخاری ———— حیدرآباد

مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دھواں دھواں سا موسم
یہ ہوائے شام ہجراں مجھے راس ہے تو کیوں ہے
میں اجڑ کے بھی ہوں تیرا تو بچھڑ کے بھی ہے میرا
یہ یقین ہے تو کیوں ہے، یہ قیاس ہے تو کیوں ہے

مریم رانا ———— ٹنڈو جان محمد

کل جنہیں زندگی تھی راس بہت
آج دیکھا انہیں اداس بہت
وادی دل میں پاؤں دیکھ کے رکھ
ہے یہاں درد کی اگاس بہت

بینا خان ———— کھٹہ مرالی، خوشاب

محسن چلو محبت کی نئی بنیاد رکھتے ہیں
خود پابند ہوتے ہیں اسے آزاد رکھتے ہیں
ہمارے خون میں رشتے بھی تاثیر رکھتے ہیں
برائی بھول جاتے ہیں، اچھائی یاد رکھتے ہیں

سونیا رتبانی ———— قاضیاں محلہ بالا

ماں! اچانک تیرے ہاتھوں نے مجھے تھام لیا
یاد آتا ہے کہ منظر کسی منجدھار کا تھا
کسی کم ظرف کے ہاتھوں نہیں کھائی ہے شکست
خوش ہیں اس پر ہوں کہ دشمن مرے معیار کا تھا

سمیرا حیات ———— رینالہ خورد

میدان وفا دربار نہیں یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

گڑیا شاہ ———— کھروڑ پکا

یوں دل کو ہر اک پہ وارا نہیں کرتے
آنکھوں میں ہر عکس اتارا نہیں کرتے
کاجل سے بھی اب کام لو نا کوئی سہیلی
یوں درد سے آنکھوں کو سنوارا نہیں کرتے

سیدہ نسبت زہرا ———— کھروڑ پکا

لوگ ٹکرا کے در و بام سے مر جاتے ہیں مگر
دیکھ لیتے وہ تیری مست نگاہ آنکھیں
یہ شرارت بھرا لہجہ تو عادت ہے مری
تو ہر بات پہ یوں نم نہ کیا کر آنکھیں

عذرا ناصر ———— کراچی

دھیان کی طاق سے ہم کو نہ ہٹانا جب تک
رات کے بام پہ تاروں کے دیے جلتے رہیں
دیکھنا ہم کو ہمیں ــ دیکھتے رہنا جب تک
ہم تیری آنکھ کی وادی میں سفر کرتے رہیں

فائزہ ارشد ———— لاہور

پھر نہ ملنے کی قسم ٹوٹ گئی
مل گئے پھر سر راہ آخر

مبشرہ الٰہی ———— کراچی

تال دو نینوں کے جل تھل ہو گئے
ابر سا اک رات بھر برسا کیا
دل کے زخموں کی ہری کھیتی ہوئی
کام ساون کا کیا اچھا کیا

ریحانہ سلیم ———— اٹک

جو راہ تم نے سجھائی تھی درمیاں ہے ابھی
ستارو ڈوب چلے ہو، سحر کہاں ہے ابھی
وہی زمین ہے وہی اپنا آسمان ہے ابھی
وہی جہاں ہے وہی قسمت جہاں ہے ابھی

غزل ثوبان

آمد

کچھ لوگوں کی آمد ہمیشہ چونکانے والی ہی ہوتی ہے۔ اب اداکارہ صاحبہ ہی کو لیجیے جن کی سادگی میں بھی حسن جھلکتا ہے۔ ان دنوں وہ ایک اشتہار میں بھی خاصی کم عمر اور خوب صورت نظر آرہی ہیں۔

شوبز میں آمد کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ۔

"شوبز میں 1992ء سے 1997ء تک میرا کامیاب دور رہا۔ اس کے بعد میں نے اپنی پسند سے جان ریمبو سے شادی کی لیکن اس کے لیے بھی امی (نشو بیگم) کو منانا ضروری سمجھا' بطور ہیروئن میری دوستیاں بہت کم رہی ہیں۔ شادی سے قبل ریما' سعود' بابر علی کے ساتھ دوستی تھی۔ دراصل میں آزادی میں بھی حدود و قیود کی قائل ہوں۔ شادی سے قبل ہر کام امی سے پوچھ کر کرتی تھی۔ اب شوہر کی مرضی کو اہمیت دیتی ہوں کیونکہ ہم ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہیں (رشتے کی مضبوطی کے لیے یہ ضروری بھی ہے) میں ریمبو پر بالکل شک نہیں کرتی۔" (ریمبو کی خوش قسمتی)

مارننگ شوز

ہمارے چینلز کے مارننگ شوز اکھاڑے کی صورت اختیار کرچکے ہیں جہاں روزانہ میزبان ایک دوسرے کو پچھاڑنے کے چکر میں حماقتیں کرتے نظر آتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے انہیں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی (زیادہ پیسہ جو ملتا ہے بھئی) ایسے میں میزبانی ہو یا نہیں بھرتی کا کام ضرور ہو جاتا ہے۔ کوئی شاہ رخ خان کی بھونڈی ایکٹنگ کرتا ہے تو کوئی ساحر لودھی بننے کے چکر میں اپنا امیج برباد کر رہا ہے۔ اس دوڑ میں فیصل قریشی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں' جو کم عمر نظر آنے کے چکر میں ساتھی میزبان عائشہ کے ساتھ اوور ایکٹنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ ساتھی اینکر کے چہرے کے تاثرات بھی اتنے اذیت ناک اور مصنوعی ہوتے ہیں کہ لگتا ہے کہ اسے زبردستی باندھ کر بٹھایا گیا ہے۔ کبھی ورزش انسٹرکٹر کے ساتھ مل کر مسلز کی نمائش ہوتی ہے تو کبھی اردو کی ٹانگ توڑ کر کانونٹ کا لہجہ اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نجانے ہمارے فنکار اس احساس کمتری سے نکلنا پسند کیوں نہیں کرتے۔ عین ممکن ہے ناظرین ان کی اچھی اداکاری دیکھنا بھی چھوڑ دیں۔

شادی مبارک

شادی دو دلوں کا ہی نہیں دو خاندانوں کا میل بھی ہے' خصوصاً" جب اس بندھن میں گھر والوں کی رضا شامل ہو جائے تو یہ بندھن کچھ مضبوط ہو جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں معروف کمپیئر شاہ طارق بھی سادگی سے شادی کے بندھن میں بندھ گئیں' انہوں نے نیو نور کے صاحبزادے نادعلی سے شادی کی۔ جو اشتہاروں میں صداکاری کا جانا مانا نام ہیں۔ دونوں اس بندھن پر خاصے مسرور ہیں۔ اس حوالے سے شاہ طارق کہتی ہیں۔ "میرا پورا نام شاہ طارق زیدی ہے۔ تاہم میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ شادی کے بعد میں اپنا نام تبدیل کروں گی۔ میرے شوہر بھی میری رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ اسلام میں شوہر کا نام بیوی کے نام کے ساتھ لگانے کے احکامات نہیں ہیں۔ سسرال میں سب لوگ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ خصوصاً" ساس (نیو نور) مجھے بیٹیوں کی طرح چاہتی ہیں۔" (آپ بھی اچھی بہو ثابت ہوں تو بات ہے جناب!)

اعزاز

کھیل کے میدان کو ہار جیت سے زیادہ دو اقوام کو قریب لانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ بات اگر پاک بھارت ٹیموں کی ہو تو جنگ کا سا ماحول ترتیب پاتا ہے۔ تاہم ٹینس کے میدان کا معاملہ تھوڑا مختلف ہے۔ گزشتہ سالوں میں مشہور پاک بھارت جوڑی اعصام الحق اور روہن بوپنا نے ٹینس کی دنیا میں اپنی کارکردگی سے خاصا نام کمایا ہے۔ حال ہی میں انٹرنیشنل اولمپک کمیشن نے اپنے عجائب گھر میں دونوں کھلاڑیوں کی شرٹس کو محفوظ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو عالمی امن کی خاطر دونوں ملکوں کو قریب لانے کے لیے سرگرداں ہیں۔ ان کھلاڑیوں کی شرٹس پر "جنگ بند ٹینس شروع" کے الفاظ کندہ ہیں۔ جسے پوری دنیا میں سراہا جاتا ہے۔ جبکہ یہ جوڑی پاک ہند ایکسپریس کے نام سے

بھی مشہور ہے۔ ممکن ہے ہاکی اور کرکٹ میں بھی اسی قسم کی روایت قائم ہو پائے۔

معاملہ فہمی

معمر رانا کو فلم انڈسٹری کا "سمجھ دار" ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ جنہوں نے تھرڈ ٹائپ فلموں کا حصہ بننے کے بجائے اس سے الگ رہنے میں عافیت جانی۔ اس کے باوجود وہ ٹی وی کے علاوہ ریما اور فیصل بخاری کی فلموں میں کام کر رہے ہیں۔ فلم انڈسٹری کی زبوں حالی پر ان کے خیالات ہیں کہ "اگر ماضی کی طرح پرویز ملک نذر الاسلام، ایس سلیمان، میڈم شمیم آرا جیسے لوگ ہدایت کاری کر رہے ہوتے تو فلم انڈسٹری کے حالات اتنے دگرگوں نہ ہوتے بقیہ کسر سینما گھروں کے مالکان نے پوری کر دی ہے، جو یہاں کی انڈسٹری کو سہارا دینے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ وہ ان بھارتی فلموں کے رائٹس نہیں خریدتے، جس میں ہمارے فنکاروں نے کوئی کردار ادا کیا ہے (اس سے کمائی جو نہیں ہو سکتی) ہمارے سینما گھر اب صرف فلاپ بھارتی فلموں کی نمائش کے لیے رہ گئے ہیں۔ (ہر شعبہ اسی طرح مافیا کے ستم کا شکار ہے جناب!) جہاں تک سوال میری ذاتی زندگی کا ہے تو میری بیگم سمجھ دار اور سلجھی ہوئی خاتون خانہ ہیں۔ پڑھی لکھی بھی مجھ سے زیادہ ہیں اس لیے بچوں کی تربیت اور گھریلو امور کے حوالے سے مجھے کوئی فکر نہیں۔ وہ سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سنبھال لیتی ہیں، جس پر میں خود اس کا مداح ہوں۔ اسی لیے میرا آج تک کوئی اسکینڈل بھی نہیں بنا۔" (شوبز کے اندر رہتے ہوئے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے۔)

تشخیص
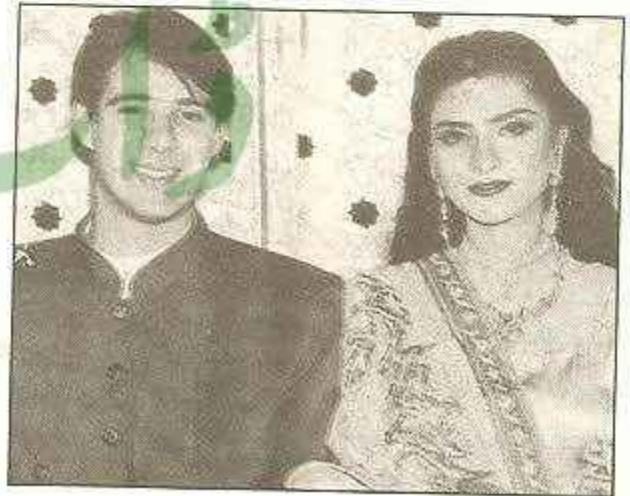
ماں کی صحت بچے کی تندرستی کی ضمانت ہے۔ تاہم ہمارے یہاں مائیں اپنی صحت سے لاپروا رہتی ہیں۔ اس لیے دوران حمل مختلف پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جن میں سرفہرست بریسٹ کینسر ہے۔ پوری دنیا میں خواتین کی سب سے زیادہ اموات اسی مرض سے ہوتی ہیں۔ تاہم حالیہ تحقیق نے اس مرض کو قابل علاج قرار دیا ہے۔ امریکی محقق ڈاکٹر زوجیوسکی کے مطابق بریسٹ میں غیر معمولی ابھار یا گلٹی محسوس ہونے کی صورت میں فوراً "میمو گرافی" کرائی جائے اور ڈاکٹر سے علاج کروا لیا جائے تو مرض کا سدباب ممکن ہے۔ عموماً "ہارمونز کی تبدیلی، موٹاپا، الکحل کے استعمال، بچوں کو دودھ نہ پلانے اور ورزش نہ کرنے سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے۔ جس کی ابتدائی تشخیص اگر میمو گرافی کے ذریعے ہو جائے تو فوری علاج سے مریض کی زندگی بچائی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے احتیاط لازم ہے۔

سادگی

ہماری اداکاراؤں کو بھولی بھالی باتیں کرنا خوب آتی ہیں۔ خاص کر اس صورت میں جب ان کی شکل پر خود ساختہ معصومیت نظر نہ آئے۔ اداکارہ مہوش حیات بھی گفتگو میں بھولپن کا اظہار کرنا نہیں بھولتیں۔ گزشتہ دنوں وہ کہتی نظر آئیں۔

"عام زندگی میں، میں اپنے کرداروں سے بالکل مختلف ہوں۔ مجھے ہر دم ایکٹو نظر آنا اچھا لگتا ہے۔ اپنے کرداروں کے برخلاف میں عام زندگی میں رونے دھونے کے بجائے ہنستی مسکراتی رہتی ہوں (پھر ناظرین نے کیا قصور کیا ہے؟) مجھے سیر و سیاحت کا بہت شوق ہے اور شوبز میں آ کر میرا یہ شوق خوب پورا ہو رہا ہے (پھر تو ریوڈیو سرکائل بھی خوب بن رہا ہو گا) میرے پاس اتنا کام ہے کہ اپنے لیے ٹائم نہیں ملتا۔ تاہم میں اپنے شوق کے لیے وقت ضرور نکالتی ہوں۔ مجھے اچھا سننے کے علاوہ اچھا گانا گانا بھی آتا ہے (پہلے اداکاری تو اچھی کر لو) جب بھی مجھے کوئی سنجیدہ کردار کرنا ہو تو میں ویسا ہی میوزک سنتی ہوں۔ (کاش کہ تم سنجیدگی سے صرف اداکاری پر دھیان دو) ہمارے فنکار کسی قومی اور فلاحی کام میں شرکت کے لیے معاوضے مانگتے ہیں۔ مجھے ان کی سوچ پر بھی شرم آتی ہے۔ جب اس ملک سے اتنا کچھ لیا ہے تو مشکل وقت میں اس کی رضاکارانہ خدمت میں کیا حرج ہے۔"

سرورق کی شخصیت

ماڈل ———— شاہین
ڈائریکشن ———— موسیٰ رضا
میک اپ ———— روز بیوٹی پارلر

شعاع کے ساتھ

ادارہ

حنا عباس بجرا۔۔۔ 19 چک جنوبی

میرا تعلق ایک گاؤں سے ہے، جو سرگودھا شہر سے 45 منٹ کے فاصلے پہ ہے۔ مجھے اپنا گاؤں بہت پسند ہے۔ ہر طرف لہلہاتے کھیت اور بہت ہی کیئرنگ لوگ۔ ہمارے گاؤں کی سب سے بڑی پہچان۔

نایاب جیلانی جو کہ شعاع اور کرن کی رائٹر ہیں اور میری بہت اچھی دوست ہیں اور ایک بہت ہی پیاری بچی کی ماما ہیں۔

(1) "شعاع" سے وابستگی کو تقریباً چھ سال ہو گئے ہیں۔ پہلے تو نایاب سے مانگ کے پڑھتی تھی۔ لیکن میٹرک کے بعد اپنا "شعاع" منگوا کر باقاعدہ طور پر پڑھنا شروع کیا۔

"شعاع" کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ ہے، جو اب بھی یاد آتا ہے تو مجھے مسکرانے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ میرے ابو کو میرا رسالے پڑھنا سخت زہر لگتا تھا اور میں کمرے میں چھپ کے رسالے پڑھتی تھی۔ ایک دن میں کمرے میں لیٹ کر رسالہ پڑھ رہی تھی کہ ابو کمرے میں آ گئے۔ میں نے ابو کو دیکھ کر فوراً" رسالہ تکیے کے نیچے رکھا اور سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ ابو نے میری چوری پکڑ لی اور کہنے لگے۔

"بیٹا! اتنی گرمی میں تم پہلے تو کبھی نہیں سوئیں۔ آج کیا خاص بات ہے؟؟"

ابو کی بات سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔ ابو نے تکیہ اٹھا کے نیچے سے رسالہ برآمد کیا اور مزے سے بغور مطالعہ کرنے لگے اور میں ابو کے چہرے کے تاثرات کا۔ تھوڑی دیر بعد کہتے ہیں۔ "واہ اس میں تو کافی ناچ ہے۔"

اور رسالہ لے کے باہر چلے گئے۔ وہ دن اور آج کا دن ابو بھی رسالہ پڑھتے ہیں اور سونے پہ سہاگہ خرید کے بھی دیتے ہیں۔ اب جب بھی میں اور ابو کوئی اسٹوری ڈسکس کر رہے ہوں تو امی کی دہائیاں عروج پہ ہوتی ہیں اور خالص اپنے پنجابی لہجے میں کہتی ہیں۔

"ویلے نکمے ہور کوئی کم نئیں، سویرے سویرے نور پیر دے ویلے رسالے لے کر بہہ جاندے نے" (ہا ہا ہا)

میں نے ابو کو بھی رسالے پڑھنے کی عادت ڈال دی۔

(2) دن کا آغاز ابو کی آواز پر ہوتا ہے جو نماز کے لیے جگا رہے ہوتے ہیں۔ مگر آج کل چونکہ ہاسٹل میں ہوں۔ اس لیے صبح صبح اٹھنا مشکل لگتا ہے (ابو کی آواز سننے کی عادت جو ہو گئی ہے) پھر سات بجے کالج جانا اور دو بجے واپسی روزانہ کی بور روٹین ہے۔ کالج سے واپس آ کے ٹیوشن جانا مجھے کے۔ ٹو سر کرنے کے مترادف لگتا ہے۔ لیکن جانا تو ہوتا ہے۔ آخر مستقبل کی ڈاکٹر جو ہوں (اہم)

اکیڈمی سے واپس آ کے تھوڑی بہت اسٹڈی کرتی ہوں۔ لیکن اگر "شعاع" کا کوئی تازہ شمارہ ہو تو وہ لے کے بیٹھ جاتی ہوں۔ آج کل لائٹ کا بہت پرابلم ہے۔ ادھر اسٹوری درمیان میں پہنچی ادھر لائٹ غائب (اف) اور میرا کوفت سے برا حال اور پھر موبائل کی لائٹ میں شعاع پڑھا جاتا ہے اس لیے میرا موبائل زندہ باد۔

(3) "شعاع" کی تحریریں تقریباً" سب ہی دل پر نقش ہو جایا کرتی ہیں۔ کسی ایک کے بارے میں لکھنا مشکل ہے (چلو کوشش کرتے ہیں)

ماہا ملک کا "جو چلے تو جاں سے گزر گئے" ناول مجھے بہت پسند ہے۔ عالم شاہ کے مرنے پہ میں بہت روئی تھی اور رونے کے ساتھ ساتھ ماہا جی سے شکوہ کیا تھا کہ اتنے اچھے انسان کو کیوں مارا؟ اس کے علاوہ نگہت سیما کا "بارِ وفا" عمیرہ احمد کا "پیر کامل"، "ایمان امید اور محبت"، "امر بیل"، "شہر ذات"، "حسنہ اور حسن آرا"، "لا حاصل"، "سحر ایک استعارہ ہے"۔ میں نے خوابوں کا شجر دیکھا۔ ماہا ملک کا "میرے خواب ریزہ ریزہ"، "اک دیا جلائے رکھنا"۔ "فرحت اشتیاق کا" "وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر"، "دل سے نکلے ہیں جو لفظ"، "عین روئے آنسو۔"

رفعت سراج کا "دل دریا تن صحرا"، "شہر یاراں" طاہر لاہوتی "دل دیا دہلیز" اور ماہا کوکب بخاری کا "ماہی ماہی کوک دی" میں مجھے بہت پسند ہیں۔ میرے کمرے کی الماری ناولز اور مختلف رسالوں سے بھری ہوئی ہے۔ (ماشاء اللہ) جس کو دیکھ کر میری کزنز اور دوستوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

(4) خوبیاں اور خامیاں؟ (ہوں) بہت مشکل سوال ہے۔

خوبیاں، کیئرنگ ہوں 'لونگ ہوں۔ انتہائی مخلص ہوں۔ (یہ دیکھے بغیر کہ اگلا بندہ مخلص ہے یا نہیں) نفرت نہیں کر سکتی چاہے کوئی میرے ساتھ لاکھ برا کرے۔ حساس بہت ہوں، کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ بقول ثنا (دوست) کے تم بہت اچھی ہوں (آہم) تم مجھے نوٹس دے دیتی ہو (حنا کی بچی۔۔۔) اور سب سے بڑی بات تم میری دوست ہو (واہ جی واہ کیا کہنے)

خامیاں۔ منہ پھٹ ہوں جو بات دل میں ہوتی ہے فوراً" منہ پہ کر دیتی ہوں اس کی وجہ سے کافی نقصان بھی اٹھا چکی ہوں۔ ناراض بہت جلدی ہوتی ہوں اور جتنی جلدی ناراض ہوتی ہوں اتنی ہی جلدی مان بھی جاتی ہوں' لڑائیاں بہت کرتی ہوں (بدتمیز) جس کی وجہ سے بچپن میں سب سے بہت مار کھائی ہے (شاباش) بدگمان بہت جلدی ہوتی ہوں (اونو) اور ٹرسٹ بہت جلدی کرتی ہوں۔ بقول قاسم (بھائی) کے حنا کو بے وقوف بنانا بہت آسان ہے۔ (ہا ہا ہا)

(5) عید کا دن تھا اور اس دن بارش بھی بہت ہوئی تھی اور میں نے عید کے حوالے سے مکمل تیاری کی ہوئی تھی (فرینڈز کو جیلس کرنے کے لیے) میں نے لہنگا پہنا اور منہ پر کافی لالی لگائی (رج کے) تیار ہو کے باہر نکلنے لگی تو امی اسٹارٹ ہو گئیں "نی کڑیے باہر نہ جاویں من جا میری گل" (پر کڑی کسی کی مانتی ہے) بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ پھر جس تیزی کے ساتھ باہر گئی تھی۔ اسی تیزی کے ساتھ کیچڑ میں لت پت ہو کے واپس آئی اور امی کے ڈر سے رونا شروع کر دیا۔ امی کو بھی ترس نہ آیا۔ ایک آدھا دھمو کا کمر میں لگایا (ہائے۔۔۔) اور میں نے کپڑے چینج کیے' یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے تو بے اختیار میرے قہقہے ابل پڑتے ہیں۔ (اپنی لگائی ہوئی لالی کو یاد کر کے)

(6) پسندیدہ شعر:

اس نے کہا یہ زندگی کتنی حسین چیز ہے
میں نے بھی کچھ کہا تو تھا، سرد ہوا کا شور تھا

پسندیدہ لطیفہ۔

ہر وہ لطیفہ پسند ہے، جو ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دے۔

پسندیدہ اقتباس:۔

عمیرہ احمد کی تحریر "ایمان امید اور محبت" میں یہ اقتباس مجھے پسند ہے۔

"محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ۔ تو پھر یہ باہر نہیں آنے دیتی۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ وہ بھی نہیں جو بالکل صاف واضح اور روشن ہوتا ہے۔"

صبا طارق۔۔۔ گوجرانوالہ

(1) جہاں "شعاع" سے وابستگی کا تعلق ہے تو

سب سے پہلے جو کہانی پڑھی وہ میمونہ خورشید کا ناول ”تیری راہ میں رل گئی دے“ تھی۔ تو ایک دم دلچسپی پیدا ہو گئی۔ پھر اس کے بعد ”شعاع“ سے میرا تعلق کبھی نہ چھوٹا بس آپ یہ ہی سمجھ لیں کہ ”شعاع“ مجھے وراثت میں ملا ہے کیونکہ میری امی جی اور مجھ سے بڑی چار بہنیں ”شعاع“ اور ”خواتین“ باقاعدگی سے پڑھتی تھیں اور پڑھتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ”شعاع“ میں میری تشنگی مٹانے کا دیگر سامان موجود تھا اس لیے اس کا پیچھا لے لیا۔ ہر تحریر، ہر موضوع، ہر لفظ اپنی مثال آپ ہیں۔ تنہائی ہو یا بوریت دونوں کا حل یہ ہی تحریریں ہو سکتی ہیں اور ”شعاع“ سے پسندیدگی کا حال یہ ہے جس دن ”شعاع“ آتا ہے اسی دن سے ہی دوسرے شمارے کا انتظار شروع ہو جاتا ہے اور اگر کسی دلچسپ واقعہ کا تعلق ہے تو وہ کوئی خاص نہیں کیونکہ مجھے کبھی چھپ چھپ کر ڈائجسٹ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی اور۔۔۔ کبھی منتیں کر کے منگوانے کی بھی نوبت نہیں آئی اور کلاس روم میں تو میں کبھی بھی نہیں لے کر گئی۔

(2) یہ کیا پوچھ لیا آپ نے 'اب آپ نے زخموں پر نمک چھڑک ہی دیا ہے تو سنیے کہ یہ پانچ فٹ تین انچ کی بندی سارے دن میں کیا کرتی ہے۔ سب سے پہلے تو صبح نماز پڑھنے کے لیے آوازیں پڑتی ہیں۔ نماز کے بعد تلاوت قرآن اور پھر سونا۔

اب آپ لوگ خود ہی انصاف کیجئے کہ یہ میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہے پہلے صبح اٹھو اور پھر گیارہ بجے بے دردوں کی طرح جھنجھوڑ کر میری نیند میں خلل ڈال دیا جاتا ہے۔

”گھنٹہ بھر سے آوازیں دے رہی ہوں مجال ہے جو نیند ہے یا۔۔۔ صبا اب تم نہ اٹھیں تو جگ بھر کے پانی کا ڈال دوں گی۔“ یہ وہ جملے ہیں جو ہر صبح رد و بدل کے ساتھ کانوں میں انڈیلے جاتے ہیں اور کان تو ہیں ہی اس لیے کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دو اگر ابو جی اٹھائیں تو فوراً“ اٹھ جاتی ہوں اپنی عزت کو خطرہ جو لاحق ہوتا ہے اور اگر امی جی اٹھائیں تو پھر تو آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔

ناشتہ ہم دونوں نے ہی کرنا ہوتا ہے یعنی میں اور بشریٰ۔ کیونکہ امی جی اور ابو جی، دونوں بھائی ناشتہ کر چکے ہوتے ہیں۔ ناشتہ کر کے ہم دونوں صفائی کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کے ٹی وی دیکھنا یا ”شعاع“ پڑھنا ہوتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ دوپہر کا کھانا ہم سب مل کر ہی کھاتے ہیں کھانے اور ظہر کی نماز کے بعد دو تین گھنٹے تو شعاع اور خواتین کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ یعنی اس وقت بالکل فارغ ٹائم ہوتا ہے۔ ابھی میں کہانی میں پوری طرح سے گم ہی ہوتی ہوں کہ آواز آتی ہے۔

”بشریٰ! صبا! چائے کا ٹائم ہو گیا ہے۔“

پھر کبھی میں تو کبھی بشریٰ چائے بناتی ہے۔ رات کا کھانا پکانے کے ساتھ ساتھ بھائیوں سے لڑائی بھی جاری رہتی ہے کہ ہم نے ”جیو“ اور ”ہم“ دیکھنا ہے اور بھائی کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی پسند کا کوئی چینل دیکھنا ہے اسی نوک جھونک میں رات کا کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ پھر دس بجے کے قریب ابو جی اپنے کلینک سے واپس آتے ہیں پھر ان کو کھانا بھی دینا ہوتا ہے۔ پھر کسی کو ٹھنڈا اور کسی کو گرم دودھ چاہیے ہوتا ہے تو کسی کو چائے۔

اس کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ پھر ”شعاع“ اور میں ساتھ ساتھ۔ باقی رہا سارے دن میں ”شعاع“ کے لیے وقت نکالنا تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ آدھے کمرے میں جھاڑو لگایا تو ”شعاع“ ہاتھ میں، سالن پکا رہے ہیں تو ”شعاع“ ہاتھ میں بلکہ ہر ماہ شعاع اور خواتین ختم کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے۔

”ہائے! ابھی تو آدھے سے زیادہ مہینہ پڑا ہوا ہے

اور یہ اتنی جلدی ختم ہو گئے۔ باقی کے دن کیسے گزریں گے۔ باقی کے دن پھر پچھلے رسالے پڑھنا یا کوئی غزل نظم یا کوئی شعر اچھا لگا تو اسے اپنی ڈائری میں اتارتی ہوں۔ ارے ہاں یہ تو میں بتانا ہی بھول گئی کہ F-M 106 سننا بھی میرا پسندیدہ مشغلہ ہے اور میری رات بھی تین چار بجے تک ہی ہوتی ہے کیونکہ رات تک میں ریڈیو سنتی ہوں۔ پھر آگے وہی روٹین۔

(3) عمیرہ احمد وہ نام ہے جسے میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی اور ”پیر کامل“ کی تو کیا ہی بات ہے یہ تحریر میرے دماغ بلکہ روح تک میں اتری ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ”امر بیل“ وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر“ اور ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“ یہ ایسی تحریریں ہیں جنہیں پڑھ کر میں بہت زیادہ روئی ہوں۔ اس کے علاوہ فرحت اشتیاق کی بھی ہر تحریر مجھے اچھی لگتی ہے اور نئے لکھنے والوں میں نمرہ احمد بھی ایک بہترین رائٹر ہیں۔ پھر فائزہ افتخار، مریم عزیز، رخسانہ نگار، راشدہ رفعت اور تنزیلہ ریاض کی بھی اچھی تحریریں ہوتی ہیں۔ ایسی تحریریں جنہیں پڑھ کر دل الجھا؟ اچھا تو نہیں البتہ سمجھا بہت ہے اور ——

کسی کردار میں اپنی شخصیت کی جھلک دیکھنے کی تو بات ہے کہ صرف کسی ایک کردار میں کسی کی شخصیت مکمل فٹ نہیں آسکتی۔ ہر انسان کی اپنی عادات ہیں۔ لہٰذا میری بھی اپنی عادات ہیں خوبیوں خامیوں سمیت۔

(4) تعریف کے معاملے میں اللہ کا بڑا کرم ہے اور رہے گا انشاء اللہ۔ ویسے تعریف کروانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بلکہ اس کو برقرار رکھنا بڑی بات ہے بلکہ بہت مشکل۔ خیر میری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں بہت ہنسنے ہنسانے والی لڑکی ہوں اور دوسروں کو بھی اس میں شامل کر لیتی ہوں۔ اپنی غلطی بہت جلدی مان لیتی ہوں دوسروں سے نہ کہوں لیکن دل میں ضرور اعتراف کر لیتی ہوں اور رہی خامی تو غصہ بہت زیادہ جلدی آجاتا

ہے جس کی وجہ سے ای جی سے بھی اکثر و بیشتر بدتمیزی کر جاتی ہوں۔ جسے بعد میں سوچ کر بہت دکھ ہوتا ہے اور تعریفی جملہ میری پھپھو فرحت اکثر کہتی ہیں کہ "صبا بہت سلجھی ہوئی، محنتی بچی ہے۔"

5- چار سال پہلے کی بات ہے میری دو باجیوں کی شادی تھی۔ اس دن صبح سے ہی سرمئی بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ پہلے آپی سدرہ کی طرف جانا تھا ولیمہ کے فنکشن سے فارغ ہو کے جب ہم سب باہر نکلے تو بہت تیز بارش ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی ابوجی سے پوچھا کہ گھر کیسے جانا ہے تو کہتے ہیں کہ بچوں کو تو میں بائیک پہ گھر چھوڑ آتا ہوں تو گھر نزدیک ہے آپ سب لڑکیاں پیدل ہی آجاؤ۔ ہم سب کزنز اور بہنوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور پہلا قدم آگے بڑھایا لیکن جب پہلا قدم زمین پہ رکھا ہی تو ہم سب کی آدھی ایڑی مٹی کے اندر چلی گئی۔ زور سے پاؤں کو اوپر کر کے دوسرا قدم آگے بڑھایا تو پھر اندر چلی گئی آگے دیکھا تو سوچا کہ شاید صاف راستہ آجائے لیکن نا جی نا بارشوں نے تو ہر طرف کیچڑ ہی کر رکھا تھا۔ پھر ہم سب ایک دوسرے کے باہم مشورے سے جوتے اتارے ہاتھ میں پکڑے نہ ادر گرد دیکھا اور دوڑ لگا دی جنوری کا مہینہ تھا اور شو مارنے کی وجہ سے کسی نے بھی سوئیٹر نہیں پہنا تھا۔ آپی کوثر اور آپی نبیلہ کو زیادہ مسئلہ تھا کہ انہوں نے ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کے سوچا کہ سب سے پہلے پاؤں دھو کے ڈریس چینج کرتے ہیں لیکن جب ٹونٹی کھولی تو پانی نہیں آرہا تھا۔ بھائی عرفان کو بلایا انہوں نے موٹر چینج کی سب کو ہی جلدی تھی کہ پہلے ہم ہاتھ منہ دھوئیں اور ڈریس چینج کریں اور پیچھے سے مسلسل آوازیں بھی آرہی ہیں کہ جلدی کرو ابھی ادھر بھی جانا ہے۔ پھر خالی صرف ڈریس چینج کیے نہ کوئی میک اپ کیا بس ویسے ہی چلے گئے "ابھی بھی ہم سب سوچیں تو بہت ہنسی آتی ہے اس ٹائم ہمارا کیا حال تھا۔

6- پسندیدہ لطیفہ۔

ایک شخص اخبار پڑھ رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی تو اس نے بیوی سے کہا۔ "تم فون اٹھاؤ۔ اگر میرا پوچھے تو کہہ دینا کہ میں گھر میں نہیں ہوں۔"

بیوی نے فون اٹھایا اور کہا۔ "میرے شوہر گھر پر ہیں۔"

خاوند ناراضی سے بولا۔ "میں نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔"

بیوی نے کہا۔ "وہ آپ کا فون نہیں تھا۔"

پسندیدہ شعر۔

بارشیں چھت پہ کھلی جگہوں میں ہوتی ہیں مگر
غم وہ ساون ہے جو بند کمروں کے اندر برسے

پسندیدہ اقتباس۔

فاخرہ جبیں کے ایک ناول "ان ہی کے دم سے چراغاں ہے" یہ اقتباس وہیں سے لیا ہے۔

"کسی بھی انسان کی بدصورتی اس کی پیدا کردہ نہیں ہوتی' کوئی بھی انسان خود کو بدصورت بنانا پسند نہیں کرتا' اگر خود کو بنانا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا۔ ہمیں معذور لوگوں پہ ہنسی آتی ہے۔ ہم بدصورت لوگوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمیں ان پہ ترس آتا ہے مگر محبت نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے کہ ہم انہیں تخلیق کرنے والے کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔"

پسندیدہ کتاب۔

جاوید چودھری کی "زیرو پوائنٹ" اور عمیرہ کا ناول "پیر کامل"۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

چکن حلیم

ضروری اجزاء :

مرغی	ڈیڑھ کلو (ٹکڑے کرلیں)
گیہوں	ایک پاؤ
مونگ کی دال	آدھا پاؤ
مسور کی دال	آدھا پاؤ
چنے کی دال	آدھا پاؤ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
ہری مرچ	تین سے چار عدد
ہلدی	کھانے کے دو چمچے
پسی ہوئی لال مرچ	کھانے کے دو چمچے
پسا ہوا گرم مسالا	کھانے کا ایک چمچہ
پسا ہوا دھنیا	کھانے کا ایک چمچہ
پسا ہوا زیرہ	کھانے کا ایک چمچہ
پسا ہوا لہسن ادرک	کھانے کے دو چمچے
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چوتھائی پیالی

ترکیب :

سادہ پانی میں گیہوں اور تمام دالیں ابال لیں' جب گیہوں اور دالیں اچھی طرح سے گل جائیں تو ان میں ہلدی اور نمک شامل کر کے یکجان ہونے تک گھوٹیں۔ ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز کو سنہری کریں۔ اس میں پسا ہوا ادرک لہسن شامل کر کے ٹماٹر' ہری مرچ' ہلدی' پسی ہوئی لال مرچ' پسا ہوا زیرہ' پسا ہوا گرم مسالا اور نمک ڈالیں۔ خوب اچھی طرح سے اس وقت تک بھونیں۔ جب تک مسالے کا کیا پن

ختم نہ ہو جائے۔ مرغی کی بوٹیاں مسالے میں شامل کریں۔ ساتھ ہی ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور خوب بھونیں قورمے میں ڈیڑھ پیالی پانی ڈال کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ گھٹی ہوئی دالوں میں تیار شدہ قورمہ تھوڑا تھوڑا شامل کریں اور ساتھ ہی گھوٹا لگاتے جائیں۔ جب لیس بن جائے تو اتار لیں۔ لیموں، تلی ہوئی پیاز اور ہرا دھنیا کے ساتھ پیش کریں۔

جودھ پوری کچوری

ضروری اجزا:

میدہ	دو پیالی
تیل	کھانے کا ایک چمچہ
نمک	چائے کا آدھا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے
دال چنا	ایک پیالی
پیاز	دو عدد (کاٹ لیں)
ہینگ	ایک چٹکی
ثابت دھنیا (کوٹ لیں)	چائے کا ایک چمچہ
ادرک (کدوکش کر لیں)	کھانے کا ایک چمچہ
سونف	چائے کا ایک چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	چائے کا ایک چمچہ

ترکیب:

میدے میں تیل اور نمک ملا دیں۔ پانی کے ساتھ سخت آٹا گوندھ لیں۔ چنے کی دال کو 5 سے 6 گھنٹے کے لیے بھگو دیں اور پھر اسے پیس کر گاڑھا سا پیسٹ بنا لیں۔ پیاز اور دیگر تمام مسالے بھی اچھی طرح ملا دیں۔ نمک شامل نہ کریں۔ گندھے ہوئے آٹے کے چھوٹے پیڑے بنا کر انہیں درمیان سے کھوکھلا کریں اور چنے کی دال کا آمیزہ بھر لیں پوری کی شکل میں بیل کر کڑاہی میں دھیمی آنچ پر ڈیپ فرائی کر لیں۔ حتیٰ کہ ان کی رنگت سنہری مائل ہو جائے۔ گرم گرم سرو کریں۔

آلو اور دال کے سندھی پراٹھے

ضروری اجزا:

مونگ کی دال	آدھی پیالی
آلو	دو عدد
آٹا	دو پیالی
ہرا دھنیا	چند پتے
ہری مرچ (کتری ہوئی)	چائے کے دو چمچے
لیموں کا رس	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	چائے کا آدھا چمچہ
چائنیز نمک	چائے کا آدھا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

آٹے میں تھوڑا سا نمک ڈال کر گوندھ لیں۔ آلو کو باریک چھیل کر کاٹ لیں۔ دال کو ابال کر آلو کو شامل کریں۔ ہرا دھنیا، ہری مرچ، لیموں کا رس، سیاہ مرچ پاؤڈر، چائنیز نمک اور نمک بھی شامل کریں۔ انہیں اچھی طرح ملا لیں۔ آٹے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا کر روٹی کی طرح بیلیں۔ پھر ایک روٹی پر دال اور آلو کا آمیزہ رکھیں پھر دوسری روٹی بیل کر اس کے اوپر رکھیں اور کنارے دبا کر بیلن سے تھوڑا پھیلا لیں۔ توے پر ڈال کر تھوڑے تیل میں پراٹھے کو سینک لیں۔ تیار ہونے پر چٹنی اور رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

پنجابی ڈھابہ دال

ضروری اجزا:

دال چنا	ایک چوتھائی پیالی
دال لوبیا	ایک چوتھائی پیالی
ارد کی دال	ایک چوتھائی پیالی
پیاز (چوپ کر لیں)	دو عدد

ٹماٹر (چوپ کر لیں)	تین عدد
لہسن کے جوے (چوپ کر لیں)	8 عدد
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	چائے کا ڈیڑھ چمچہ
زیرہ پاؤڈر	چائے کا ڈیڑھ چمچہ
قصوری میتھی	کھانے کا ایک چمچہ
تیل	کھانے کے چار چمچے
مکھن	کھانے کے تین چمچے
ہرا دھنیا (چوپ کر لیں)	کھانے کے دو چمچے

ترکیب:

چنا، لوبیا اور ارد کی دال کو چھ سے سات گھنٹے تک بھگو کر ابال کر گلا لیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ لہسن شامل کریں۔ سنہری مائل ہونے پر پیاز شامل کر دیں۔ وہ ہلکی سنہری ہو جائے تو اس میں لال مرچ پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر شامل کریں۔ ایک منٹ بھون کر ٹماٹر، ہری مرچیں ڈال دیں۔ جب ٹماٹر گل جائیں اور تیل الگ ہونے لگے تو اس میں دالیں اور مکھن شامل کریں۔ اچھی طرح ملا کر نمک بھی ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر آٹھ سے دس منٹ پکائیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور قصوری میتھی شامل کر دیں ایک منٹ بعد گرم گرم سرو کریں۔

قبولی پلاؤ

ضروری اجزا:

دال چنا	آدھا کلو
چاول	تین پاؤ
گھی	ایک پاؤ
لونگ، بڑی الائچی، مرچ سیاہ	ایک ایک ماشہ
نمک	حسب ضرورت
ثابت سرخ مرچ	آٹھ سے دس عدد
دودھ	آدھا کلو

چنے کی دال رات کو پانی میں نمک ڈال کر بھگو دیں۔ صبح اس کا پانی نچوڑ دیں اور ذرا دیر کے لیے کپڑے پر پھیلا دیں کہ خشک ہو جائے۔ پھر اسے دودھ میں ڈال کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں اور اتنا پکائیں کہ دودھ بالکل خشک ہو جائے لیکن دال بکھری بکھری رہے۔ اب پتیلی میں گھی ڈال کر اس میں لونگ اور الائچی کے دانے نکال کر ڈال دیں۔ ذرا کڑکڑانے پر دال ڈال دیں اور بھونیں۔ جب دال بھن جائے تو چاول ڈال دیں اور پھر ثابت سرخ مرچ اور نمک حسب ضرورت ڈال دیں۔ دم کے وقت کالی مرچ ڈالیں۔ اگر پسند ہو تو تھوڑا زعفران چھڑک سکتے ہیں۔ دس سے پندرہ منٹ بعد قبولی پلاؤ تیار ہے۔

چنے کی دال کے کباب

ضروری اجزا:

چنے کی دال (ابال کر پیس لیں)	تین پیالی
ادرک لہسن	کھانے کے دو چمچے
ہرا دھنیا	ایک گڈی (باریک کٹا ہوا)
آلو (ابلے ہوئے)	دو عدد
لال مرچ (کٹی ہوئی)	کھانے کا ایک چمچہ
نمک	چائے کا ایک چمچہ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	کھانے کا ایک چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر	چائے کا ایک چمچہ
ڈبل روٹی کا چورا	حسب ضرورت
انڈے	حسب ضرورت
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

چنے کی دال میں آلو، ادرک، لہسن، ہرا دھنیا، لال مرچ (کٹی ہوئی)، نمک، ہری مرچیں اور گرم مسالا پاؤڈر اچھی طرح ملا لیں۔ اب اس کے کباب بنا لیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں۔ کباب کو پہلے پھینٹے ہوئے انڈوں میں پھر ڈبل روٹی کے چورے میں رول

کریں اور گرم تیل میں سنہری مائل کرلیں۔ تیار ہونے پر چاول یا کچپ کے ساتھ سرو کریں۔

بادامی دہی بڑے

ضروری اجزا :

ماش کی دال (دھو کر پانی میں بھگو دیں)	ایک پیالی
دھلی ہوئی مونگ کی دال (دھو کر پانی میں بھگو دیں)	آدھی پیالی
لہسن کے جوے	تین عدد
پیاز	ایک عدد (چھوٹی ڈلی)
دودھ	ایک پیالی
شکر	کھانے کے دو چمچے
بادام	آٹھ عدد (باریک کٹے ہوئے)
سونٹھ پسی ہوئی	کھانے کا آدھا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
چاٹ مسالا	کھانے کا آدھا چمچہ
تلنے کے لیے تیل	حسب ضرورت
ادرک	ایک چھوٹا سا ٹکڑا
دہی	ایک کلو
کارن فلور	کھانے کا ایک چمچہ
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	کھانے کا ایک چمچہ
املی کا گاڑھا رس	ایک پیالی
سفید زیرہ پسا ہوا	کھانے کا ایک چمچہ
کالا نمک یا ہینگ	چٹکی بھر
میٹھا سوڈا	چائے کا ایک چمچہ

بھیگی ہوئی دالوں سے پانی نتھار کر ملالیں اور لہسن اور پیاز ڈال کر باریک پیس لیں۔ پھر سوڈا ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ ایک پیالے میں دہی، تھوڑا سا نمک، کارن فلور، شکر اور دودھ ملا کر پھینٹ کر رکھ لیں۔ املی کے رس میں سونٹھ، زیرہ اور چاٹ مسالا ملا کر ایک پتیلی میں پکائیں۔ پانچ منٹ بعد آدھی املی کی چٹنی نکال لیں۔ آدھی میں تھوڑی سی چینی ملادیں۔ کھٹی میٹھی چٹنی تیار کرلیں۔ جب ٹھنڈی ہو جائے تو نمک اور کالا نمک ملالیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ ساتھ میں ایک برتن میں سادہ گرم پانی نمک ملا کر رکھیں اور ایک پیالے میں کھانے کے دو چمچے دہی، گرم پانی اور نمک ملا کر رکھ لیں۔ جب دہی بڑے تلنا شروع کریں تو آنچ دھیمی کرلیں۔ جب سنہری مائل ہونے لگیں تو نکال کر پہلے سادے گرم پانی میں ڈالیں۔ دو منٹ بعد نکال کر دہی والے پانی میں ڈالیں سب اسی طریقے سے تل لیں۔ اب ایک چپٹی ڈش جو تھوڑی گہری ہو لے کر پہلے تیار کیا ہوا دہی ڈالیں پھر دہی بڑے رکھیں اور اوپر سے دہی ڈالیں۔ کٹے ہوئے بادام اور ادرک چھڑک دیں۔ چاٹ مسالا بھی ڈالیں۔ ساتھ تیار کی گئی کھٹی میٹھی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

مونگ کی دال کا حلوہ

ضروری اجزا :

مونگ کی دال (دو گھنٹے بھیگی ہوئی)	ایک کلو
بناسپتی گھی	آدھا کلو
کھویا	ایک پاؤ
بادام پستہ	ایک چھٹانک
الائچی	5 عدد
شکر	آدھا کلو
پانی	آدھا کلو

مونگ کی دال دودھ میں ابال لیں۔ ایسے کہ بکھری بکھری رہے زیادہ نہ گل جائے پھر سل پر پیس لیں۔ ایک کڑاہی میں گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر کڑکڑائیں۔ الائچیوں کے منہ ذرا سے کھول لیں پھر دال ڈال کر پکائیں۔ برابر چمچہ ہلاتی رہیں تاکہ دال کڑاہی میں نہ چپکے۔ جب اس کا رنگ سنہری مائل سے بھورا سا ہو جائے تو اس میں کھویا شامل کر کے چولہے سے اتار لیں۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ چولہے پر رکھ کر شکر شامل کردیں، چمچہ مستقل ہلاتی رہیں۔ آخر میں بادام پستے شامل کریں اور چولہے سے اتار لیں۔ مونگ کی دال کا مزیدار حلوہ تیار ہے۔

☆

عادل خان

سلطان محمد قسطنطنیہ کا حکمران تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی کا نام یوسف عادل تھا۔ سلطان محمد کے دوست یوسف عادل کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان محمد کو اس کے خلاف بھڑکایا اور اسے یہ یقین دلایا کہ یوسف حکومت پر قبضے کا خواہش مند ہے۔ سلطان محمد اپنے دوستوں کی باتوں میں آگیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تاکہ کوئی اس کی سلطنت کا دعوے دار نہ رہے۔ سلطان کی ماں نے بیٹے کی بہت منت سماجت کی اور کہا۔

"اپنے چھوٹے بھائی کے خلاف قتل کا حکم واپس لے لو۔"

سلطان نہ مانا تھا آخر ماں نے اس سے کہا۔

"اچھا اسے ایک رات کی مہلت دے دو۔ میں ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہونے سے پہلے اس کے ساتھ ایک رات گزار لوں۔"

سلطان نے یہ درخواست منظور کرلی۔ ان دنوں خواجہ عمادالدین ایک بڑا اور مشہور سوداگر تھا۔ وہ ایران سے سامان تجارت لا کر فروخت کیا کرتا تھا وہ ان دنوں قسطنطنیہ میں تھا۔ ملکہ نے اسے بلا کر سارا واقعہ اسے سنایا۔ اور اس سے کہا "تم راتوں رات میرے بیٹے کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔"

خواجہ عمادالدین یوسف عادل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے یہاں ایک عالم شیخ صفی تھے۔ یوسف عادل کو ان سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔

گیا۔ لیکن اس کا راز کھل گیا۔ لہٰذا اس نے یہاں رہنا بھی مناسب نہ سمجھا اور ایک اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں چند ماہ گزار کر واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن اسی رات اس نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا۔ وہ بزرگ اس سے کہہ رہے تھے۔

"وطن واپس جانے کا خیال دل سے نکال دو۔ عزیزوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرو۔ اللہ کی مدد اور رحمت پر بھروسہ کر کے ہندوستان کا سفر اختیار کرو۔ ہندوستان میں تمہارے اچھے دن آئیں گے۔"

شہزادہ یوسف نے اس خواب پر عمل کیا۔ ہندوستان کا سفر کیا۔ اس طرح احمد آباد پہنچا۔ اس کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ اس کی شکل صورت بہت اچھی تھی۔ اخلاق بھی بہت اچھا تھا۔ اس لیے اسے فوج میں بھرتی ہونے کا موقع مل گیا۔ سپہ گری کا فن اسے آتا تھا۔ آخر ایک بادشاہ کا بیٹا تھا۔ وہ جلد ہی اپنی بہادری اور دلیری کی وجہ سے اعلا درجے پر پہنچ گیا۔ ایسے میں بہمن نامی ایک شخص سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔

شہزادے نے فوج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور ترکوں کے امیر نظام الملک کے پاس چلا گیا اور ان کی فوج میں شامل ہو گیا۔

جلد ہی اسے فوج میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے اچھے کردار کی بنیاد پر نظام الملک اسے اپنا بھائی کہنے لگے اور اسے عادل خان کا خطاب دیا۔

بادشاہ کی وفات کے بعد اس نے اپنی فوج میں اضافہ

گیا اور اپنی فتوحات کا سلسلہ بڑھایا۔ بیجاپور میں خودمختار ریاست قائم کی اپنی بہادری سے بہادر گیلانی، حاکم کھنڈی، دستوری کی جاگیر اور عروج جیسی بڑی ریاستوں کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ عادل خان کی آخری لڑائی عیسائیوں کے خلاف ہوئی۔ تب عیسائی ہند کو وہ پر قابض تھے۔ عادل خان نے عیسائیوں کو شکست دی اور بیجاپور واپس آگیا۔ اس طرح وہ 75 سال کی زندگی گزارنے کے بعد 912ء میں فوت ہوا..... مؤرخین لکھتے ہیں عادل خان بہت تجربہ کار، دوراندیش، بہادر سخی اور عادل تھا۔ تب ہی اس کی رعایا اسے عادل خان کے نام سے پکارتی تھی۔

شہناز شاز سے سیال ضلع خانیوال

تاریخ بابری مسجد

6 دسمبر 1992ء انسانی روایات سے عاری ہندوؤں کے ہاتھوں بابری مسجد کی شہادت کا المناک واقعہ تاریخ کا ایک حصہ بن کر عالم اسلام کے قلب و جگر پر ایک ایسا زخم چھوڑ گیا کہ 18 سال گزرنے کے بعد بھی جب یہ دن اور مہینہ آتا ہے تو اس زخم کو پھر سے تازگی مل جاتی ہے ان زخموں سے پھر خون رسنے لگتا ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون کا سمندر بہنے لگتا ہے۔ شاید یہی زندگی ہے۔

مسجد کا پس منظر

بابری مسجد کی تاریخی حیثیت اور اس کو شہید کرنے کے اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے دور حکومت کی 1528ء میں میر باقی بیگ کی تعمیر کردہ بابری مسجد میں مسلمان پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کرتے رہے۔ صدیوں تک کسی ہندو نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت 19 جنوری 1875ء میں ایک ہندو مہنت رگھبیر نے فیض آباد کی ایک عدالت میں رٹ دائر کی کہ شہنشاہ بابر کے حملے سے پہلے جس جگہ بابری مسجد موجود ہے وہ رام چندر جی کی جنم بھومی تھی اس لیے مسجد کے احاطے میں مندر تعمیر کرانے کی اجازت دی جائے، لیکن اس کی درخواست مسترد کردی گئی۔ اس طرح تین عدالتوں میں اس مشرک کو منہ کی کھانی پڑی مگر دوسری طرف یہ ہندو گائے کے پجاریوں کو بھڑکا کر مسلمانوں کے خلاف کافی فضا بنا چکا تھا جس کی وجہ سے 27 مارچ 1934ء میں ہندو مسلم فسادات بھڑک اٹھے اس موقع پر ہندوؤں نے مسجد کو معمولی نقصان پہنچایا۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد جب ہندوستان بھر میں انتہاپسند ہندوؤں نے مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنا شروع کردیا تو یہ تاریخی بابری مسجد بھی ان کی زد میں آ گئی 1949ء تک یہ جگہ مسجد رہی 1949ء سے لے کر 1991ء تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عدالتی جنگ جاری رہی۔ 26 اکتوبر 1991ء کو ایک خصوصی مرکزی عدالت کے جج نے یوپی کی حکومت کو ہدایت کی کہ وہ مسجد کی جگہ پر مستقل ڈھانچہ کو روکے 26 نومبر 1991ء میں سپریم کورٹ نے ہدایت کی کہ وہ پرانی مسجد کی جگہ یہ مندر تعمیر نہ کرے۔ اس کے باوجود ہندوؤں نے صوبائی حکومت کی زیر نگرانی 9 جولائی 1992ء کو مسجد کی جگہ مندر کی تعمیر شروع کردی۔ پھر 4 دسمبر 92ء کو اجودھیا میں صورت حال انتہائی کشیدہ کرکے فسادات کی آگ بھڑکا دی گئی۔

سپریم کورٹ کے واضح احکامات اور صوبائی حکومت کی یقین دہانی کے باوجود ہندوؤں نے بابری مسجد کے سامنے متنازعہ جگہ پر تعمیراتی سامان اکٹھا کرنا شروع کردیا تھا اور اس وقت تک تقریباً" تین لاکھ سیوک اکٹھے ہو چکے تھے۔ جنہوں نے چند مزاروں، مساجد اور مسلمانوں کے گھروں پر حملہ کرکے مقامی آبادی کو وحشت زدہ کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران ہندو مساجد کو توڑ کر ان کی جگہ مندر بنانے کا اعلان کرتے رہے بابری مسجد جو عرصہ دراز سے ہندوؤں کے نرغے میں تھی بالآخر ان جنونی ہندوؤں کے ہاتھوں 6 دسمبر 1992ء کو شہید کردی گئی۔ تین لاکھ سے زیادہ انتہا پسند ہندوؤں نے سولہویں صدی کی تاریخی بابری مسجد کو شہید کرنے کے لیے بلہ بول دیا، ہندو بھاری آلات کے ساتھ مسجد کے اندر اپنے نجس جسم کے ساتھ گھس گئے دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کی عمارت ملبہ کا ڈھیر بن گئی ہندو پولیس جو مسجد کی نگہداشت پر مامور تھی کوئی مزاحمت کیے بغیر وہاں سے تیزی سے ہٹ گئی۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر 485 سال پرانی تاریخی عبادت گاہ کی جگہ پیلے جھنڈے لہرا دیے گئے۔ ہندوؤں نے کلہاڑی اور کدالوں سے دیگر خستہ عمارتوں کو بھی گرانا شروع کردیا جو مسجد کا حصہ تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں نے حفاظتی رکاوٹوں کے گرد سڑکوں پر آگ لگادی، تاکہ حفاظتی فورسز اور مشتعل مسلمان وہاں نہ پہنچ سکیں۔ اس طرح ہندوؤں کے لیے مسجد کو منہدم کرنے کا راستہ ہموار ہوگیا۔

بابری مسجد جس کے بارے میں ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ اسے مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر نے اس جگہ تعمیر کیا جو رام چندر کی جنم بھومی ہے اور بابر نے رام کا مندر ڈھا کر مسجد تعمیر کی ہے۔ تاریخ کی کتابوں اور ہندوؤں کی اپنی کتابوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور اس کا سچ سے کوئی تعلق نہیں۔ تاریخی کتب کے حوالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بابری مسجد بابر کے بجائے سید میر باقی بیگ نے تعمیر کرائی۔ جس کو بابر نے 935ء میں اودھ کا حاکم مقرر کیا تھا، بابری مسجد کے کتبوں پر درج تین ہزار سے زائد فارسی اشعار میں بھی میر بیگ باقی کا تذکرہ موجود ہے۔ بابر کا بابری مسجد تعمیر کرنا تو دور کی بات، ہندو آج تک بابر کا اجودھیا آنا ثابت نہیں کرسکے۔

بھارتی تاریخ دانوں اور ماہر ارضیات نے وشوا ہندو پریشد کے اس دعوے کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے کہ جن کے مطابق، ہندوؤں کے دیوتا رام نے اس جگہ جنم لیا تھا، جہاں کچھ عرصہ پہلے تک بابری مسجد قائم تھی۔ بابری مسجد کے مقام پر کسی مندر کی موجودگی کے وہ آثاری شواہد جو وشوا ہندو نے پیش کیے نہایت کمزور اور مشکوک ہیں کہ آثار قدیمہ تیرھویں صدی اور اس کے بعد کے ادوار میں ایک مسلم نو آبادی کی ایک بالکل نئی مسجد کی تعمیر کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

کسی بھی مستند و معتبر تاریخ میں بابر کے اجودھیا آنے کا ذکر نہیں ملتا اور نہ یہ ثبوت کہ اجودھیا رام کی جنم بھومی ہے۔ اس لیے جس بنیاد پر مندر توڑ کر مسجد بنانے کا ڈھونگ رچایا گیا ہے، جب بنیاد کا وجود ہی نہیں تو عمارت کہاں؟

صبا کوثر، تخت آباد

انگریزوں کی نسل

آریاؤں کی عظیم قوم کی شاخوں میں سے ایک نجیب نا ہے جس میں سے انگریزوں کی نسل پیدا ہوئی۔ جو اگرچہ ہندوستان کے ہندوؤں سے کافی حد تک علیحدہ ہو چکے تھے ان کے ساتھ مشترکہ نسل کا دعوا کرتے ہیں۔

تاہم ہندو اور یونانی تہذیب و تمدن کے متعارف ہونے کے کافی عرصے بعد انگریز قوم انتہائی وحشی پن کی حالت سے نکلی تھی۔

ہندوستان کے آریا وضع قطع اور جسمانی لحاظ سے اپنے مغرب کے بھائیوں سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ ان کی ستواں ناک، تیکھے اور خوب صورت نقوش اور سفید رنگت، سب کا ایشائی چھاپ ہونے کی وجہ سے مغربی اقوام کے ساتھ ان کی مشترکہ نسل کو ظاہر کرتے ہیں۔

ایک دور میں وہ تراشیدہ سنسکرت بولتے تھے اور ابھی تک ان میں یہی زبان بولی جاتی ہے۔ جدید ماہرین لسانیات نے سنسکرت کے ساتھ مغرب کی مشہور زبانوں کی مشترکہ ابتدا کو ثابت کیا ہے۔

آریائی، یونانی، لاطینی، البنو، سیلووٹیش، جرمن اور سیلٹک زبانوں کے باہمی ربط سے بلاشبہ ان کو بولنے والی اقوام میں مطابقت ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں مشترکہ طور پر ملنے والے ورثے میں جو الفاظ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آثار قدیمہ کی یادگاریں دراصل گزرے ہوئے زمانوں میں ہمیں اپنے آباء کی طرف سے ملے ہیں۔

اور جس طرح سکے قدیم تاریخ کے نشانات کو بے نقاب کرنے کے لیے ہماری مدد کرتے ہیں اسی طرح زبانیں اور الفاظ سکوں کی طرح، جن کا ہم اپنی روزمرہ ضروریات اور زندگی کے لازمی میل جول میں تبادلہ کرتے ہیں۔

خاندان کے افراد مویشیوں، چھکڑوں، گاڑیوں، کشتیوں، امور خانہ داری، دھاتوں، برتنوں، اوزاروں اور ہتھیاروں کے لیے ہمارے پاس الفاظ کا مشترکہ ذخیرہ ہے۔ بس ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی لفظ پنجاب (پانچ دریا) یونانی 'Tievte' جدید ویلش ربیر، دوآب میں یونانی SVO یا لاطینی DUO اور اسی طرح ویلش میں بھی ہے۔

اسی طرح لفظ daughter سنسکرت زبان کے لفظ "دوہتری" سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب گوالن ہے۔ کیونکہ آریاؤں میں گھریلو معیشت میں سے خصوصی حصہ بیٹی کو بھی دیا جاتا تھا۔

ایک دوسرے سے انتہائی دور فاصلوں پر واقع علیحدہ قوموں کے درمیان بولے جانے والے الفاظ کے باہمی ربط سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اس سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ ان الفاظ کے حامل اور انہیں استعمال کرنے والی قومیں یورپ اور ایشیاء کے براعظموں میں آباد ہونے کے باوجود ایک ہی مشترکہ گروہ کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں۔

یونانی، لاطینی اور ٹیوٹن زبانیں، سنسکرت سے ربط رکھتی ہیں۔ اسی طرح قدیم ایرانی اور یونانی زبانیں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ دیگر الفاظ میں یہ جڑواں زبانیں ہیں۔ دوسری چیز یہ ثابت کرتی ہے کہ جدا ہونے سے قبل یہ اقوام تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عروج پر پہنچ چکی تھیں۔

"از تاریخ پنجاب"
سائرہ مجید رانا۔ فیصل آباد

نیا موجد

کرکٹ آج کا مقبول ترین کھیل ہے۔ پانچ دن کا یہ کھیل اب ون ڈے اور ٹوئنٹی ٹوئنٹی میں سمٹ رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کھیل برطانیہ کے لارڈز کے ذہن کی پیداوار تھا جن کے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہوتا تھا عوام میں یہ بعد میں پھیلا۔

ٹوئنٹی ٹوئنٹی کرکٹ آج کھلاڑیوں سے لے کر اداروں تک کے لیے راتوں رات لاکھوں روپے کمانے کا ذریعہ بن چکی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کا موجد آج بھی تنخواہ پر گزارا کر رہا ہے۔

انگلینڈ اینڈ ویلز کرکٹ بورڈ کا یہ مارکیٹنگ منیجر ایک معمولی قامت اور دلکش نقوش کا آدمی ہے۔ اسے بورڈ نے یہ ٹاسک سونپا تھا کہ وہ کسی طرح اس کھیل میں شرکت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ افراد متوجہ کرے کیونکہ سن 2001ء میں تماشائیوں کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی اس شخص نے پہلے ساٹھ افراد بھرتی کیے جن میں عورت اور مرد دونوں شامل تھے اس نے انہیں جوڑوں میں تقسیم کیا اور ان سے کہا کہ وہ عام آدمیوں سے ملیں اور ان سے پوچھیں کہ وہ کس قسم کا کھیل پسند کرتے ہیں۔ کئی ہزار لوگوں سے ملاقاتیں کی گئیں، اس کام پر کوئی دو لاکھ پاؤنڈ خرچ آیا جو ہماری کرنسی میں دو کروڑ سے زائد رقم بنتی ہے انہیں پتا چلا کہ لوگ ایسا کھیل چاہتے ہیں جو تیز رفتار اور جلد ختم ہو۔ اسی بات سے متاثر ہو کر ٹوئنٹی ٹوئنٹی اوورز کی بات سوچی یہ ایک انقلابی آئیڈیا تھا اس پر تنقید شروع ہو گئی تاہم اسے یقین تھا کہ تعلیم اور ملازمت کی سرگرمیوں کے بعد ایک شام کو ٹوئنٹی ٹوئنٹی والے مقابلے منعقد کروائے جائیں تو تفریح کے متلاشی بڑی

تعداد میں ادھر کا رخ کریں گے۔

پھر بورڈ نے طے کیا کہ اس طرح کے میچ کا تجربہ کیا جائے۔ یہ تجویز برطانیہ کے مختلف کاؤنٹیز کے مشترکہ اجلاس میں رکھی گئی۔ گیارہ کاؤنٹیز نے اسے منظور کر لیا مگر 7 کاؤنٹیز نے اس کی مخالفت کی۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ خود اس کے اپنے بورڈ کا چیئرمین بھی اس میچ کے حق میں نہ تھا۔ تاہم کثرت رائے سے یہ بات طے پائی۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ جس کاؤنٹی نے اس قسم کے میچ کی مخالفت کی تھی وہ مڈل سکسز کاؤنٹی تھی مگر آج اس کاؤنٹی نے اسے اپنا مارکیٹنگ مینجر ڈائریکٹر بنا رکھا ہے۔

سن 2002ء میں اس کھیل کو "ٹوئنٹی ٹوئنٹی" کرکٹ کا نام ایک صحافی نے دیا جو چل پڑا۔

پہلا ٹورنامنٹ سن 2003ء میں منعقد ہوا اور اسے زبردست کامیابی ملی۔ آج بھارت کی آئی پی ایل دنیا میں کرکٹ کی سب سے بڑی لیگ ہے چلتے چلتے اس نئی کرکٹ کی صنف کے موجد کا نام بھی جان لیں جو بے چارہ آج تک گمنام ہے اس کا نام اسٹیورٹ رابرٹسن ہے۔

رضیہ چوہدری

ریاست میسور

تقریباً" پانچ سو سال قبل یہ ریاست معرض وجود میں آئی جو قدرتی حسن' باغات اور محلات کی وجہ سے کرۂ ارض میں جانی پہچانی جاتی تھی۔ 1766ء میں سلطان حیدر علی نے اس ریاست کا اقتدار سنبھالا۔ اس وقت اس ریاست کا پایۂ تخت سرنگاپٹم تھا۔ سلطان حیدر علی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ولی عہد ٹیپو سلطان تخت نشین ہوا۔ یہ بہادر سلطان مئی 1799ء میں انگریزوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہوا۔ انگریزوں نے ایک کٹھ پتلی ہندو راجہ کو تخت پر بٹھا دیا جس نے میسور کو دوبارہ پایۂ تخت بنا لیا۔ تقسیم کے بعد 1948ء میں بھارت نے ریاست میسور کو انڈین یونین میں شامل کر لیا اور 1973ء کو نئی حد بندی کے بعد اس کا نام "کرناٹک" رکھ دیا گیا اب یہ بھارت کا صوبہ ہے۔ جس کا دارالحکومت بنگلور ہے۔

شاہدہ شبیر رانا۔ رحمان گڑھ

کابل کی تاریخی حقیقت

کہتے ہیں از منہ قدیم میں وادیٔ کابل ایک بہت بڑی جھیل تھی جس کے وسط میں ایک خوب صورت جزیرہ تھا۔ اس جزیرے میں ایک گویا رہتا تھا جو سارا وقت گانے اور ناچنے میں گزارتا۔ ایک بادشاہ اس وادی میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ جزیرے کے اردگرد گہرا نا قابل عبور پانی ہے۔ اس نے جزیرے تک پہنچنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اردگرد اور دور دراز کے گاؤں سے کاہ یعنی گھاس اکٹھی کر کے لائیں۔

گھاس اور لکڑی کی مدد سے ایک لمبا پل بنایا گیا۔ بادشاہ کو یہ وادی اس قدر پسند آئی کہ اس نے یہاں ایک شہر آباد کیا۔ جس کا نام اس نے گھاس کے اس پہلے پل کے نام پر "کاہ پل" رکھ دیا جو کثرت استعمال سے کابل ہو گیا۔ کابل کی دوسری وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کابل چونکہ عالمی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اور اس کا بازار ہر قسم کی چیزوں سے بھرا رہتا تھا۔ وہاں آدمی کا پول (روپیہ) اس تیزی سے جاتا تھا جیسے وہ کاہ ہو۔ اس طرح شہر کا نام "کاہ پول" پڑ گیا جو بعد میں کابل کہلانے لگا۔

ادارہ

دلہن کا ہربل سنگھار

کیا آپ آسان' سادہ اور نتائج میں بہترین گھریلو' ہربل فیشل اور ٹریٹ منٹس کا انتخاب کرنا چاہتی ہیں جو کہ جلد کی ساخت اور اقسام کی مطابقت سے کیے جا سکتے ہیں تو پھر ہمارے بتائے ہوئے ان آسان ٹریٹ منٹس کو اپنائیے اور خوب صورت نظر آئیے۔

اہم ٹپس

کوئی بھی گھریلو یا دیگر ماسک استعمال کرنے سے پہلے کلینزنگ ضرور کیجیے اور موئسچرائزنگ کی پتلی تہہ لگا کر 10 سے 15 منٹ انتظار کیجیے پھر ماسک لگائیے۔

انڈے کی سفیدی کا ماسک (ہر قسم کی جلد کے لیے)

یہ جلد کو موئسچرائزر (نمی) فراہم کرتا ہے اور ٹھنڈک کا احساس بخشتا ہے۔

اجزا :

انڈے کی سفیدی (زردی علیحدہ کر لیں) دو عدد
سادہ دہی 2 کھانے کے چمچے

دونوں اجزا کو آپس میں ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں پھر پانچ منٹ کے لیے چہرے پر لگائیں۔ گرم تولیہ سے چہرہ خشک کر لیں۔

دہی کا ماسک (ہر قسم کی جلد کے لیے)

یہ ماسک جلد کو تازگی بخشتا ہے۔

اجزا :

دہی (سادہ) 1 کھانے کا چمچہ
شہد 1 چائے کا چمچہ

دونوں اجزاء کو ملا لیں۔ چہرے پر 15 منٹ کے لیے لگائیں۔ گرم تولیے سے چہرہ صاف کر لیں۔ اگر جلد خشک ہو تو 1 چائے کا چمچہ شہد مزید شامل کر لیں اور اگر جلد چکنی ہے تو اسی ماسک میں لیموں کے چند قطرے شامل کریں۔

جو اور دہی کا ماسک (ہر قسم کی جلد کے لیے)

جو کا آٹا یا دلیہ (پسا ہوا) 1 کھانے کا چمچہ
دہی (سادہ) 1 کھانے کا چمچہ
شہد چند قطرے

اس کی تیاری کے لیے دہی کا اور جو کے آٹے کا

مکسچر بنائیں۔ شہد کے چند قطرے گرم کریں اب اسے جو اور دہی کے آمیزے میں ملائیں۔ 10 منٹ تک چہرے پر یہ ماسک لگائیں۔ گرم پانی سے چہرہ دھولیں (یاد رہے کہ پانی نیم گرم ہو) پھر گرم تولیے سے چہرہ خشک کریں۔ موئسچرائزر لگائیں اور جلد کی چمک دمک دیکھ کر خود بھی حیران رہ جائیں۔

رنگت نکھارنے کا ہربل نسخہ

ہلدی 1 کھانے کا چمچہ
دہی 1 کپ

مندرجہ بالا دونوں اجزا کو اچھی طرح مکس کرلیں۔
5 سے 10 منٹ چہرے پر لگائیں۔ چہرہ دھولیں۔

چکنی اور کیل مہاسوں والی جلد کے لیے

کیلے کا ماسک (چکنی جلد کے لیے)

اجزا:
لیموں یا کینو کا رس چند قطرے
کیلا (خوب پکا ہوا) 1 عدد
شہد چند قطرے

کینو یا لیموں کا رس شہد اور کیلے کو اچھی طرح یک جان کرکے چہرے پر لگائیں 15-10 منٹ بعد چہرہ دھولیں۔ یہ ماسک جلد کو ٹھنڈک بخشتا ہے۔ چہرہ دھونے کے لیے آپ گرم یا ٹھنڈے دونوں قسم کے پانی کا انتخاب کرسکتی ہیں۔

جھریوں والی جلد کے لیے ماسک

اس ماسک میں چینی کا استعمال نمک سے بہتر ہے کیونکہ چینی جلد کو جلا بخشنے والی وہ شے ہے جو آپ کی جلد پر جلن پیدا نہیں کرتی ہے۔ جب جلد کی سطح پر مردہ خلیات جمع ہوجائیں تو انہیں دور کرنا ضروری ہوجاتا ہے یہ جلد کے مسامات کی صفائی کرتا ہے میل کچیل کو نکال پھینکتا ہے جب جلد کو میل کچیل اور گردوغبار سے پاک نہ کیا جائے تو وہ بدرنگی اور جھریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

اجزا:
شکر 2 کھانے کے چمچے
نیم گرم پانی کھانے کے چمچے

شکر کو نیم گرم پانی میں ملائیں تاکہ وہ پگھل جائے جب آمیزہ یک جان ہوجائے تو اس آمیزے کو جلد پر لگائیں اور ہلکے ہاتھوں سے دائروں کی شکل میں مساج کریں۔ اب نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں یا گرم تولیہ سے جلد کی صفائی کریں۔

کچھ نادر و مفید گھریلو ٹوٹکے

[illegible] کے لیے نسخہ خاص

(1) گوری رنگت کے لیے:
تھوڑے سے دودھ میں 2 سے 3 قطرے لیموں کا ملا کر چہرے پر لگائیں 10 منٹ بعد نیم گرم پانی سے منہ دھوئیں۔

(2) جلد کی نرمی و ملائمت کے لیے:
گلیسرین، عرق گلاب اور چند قطرے لیموں کا رس باہم ملائیں۔ 8 سے 10 منٹ تک جلد پر لگائیں۔ پھر نیم گرم پانی سے دھولیں۔

(3) چمکتی دمکتی جلد کے لیے:
ٹماٹر اور لیموں کا عرق باہم ملاکر روزانہ چہرے پر لگائیں۔

(4) گوری رنگت کے حصول کے لیے مفید ماسک:
1/2 چائے کا چمچہ دودھ (خشک پاؤڈر)، 1/2 چائے کا چمچہ انڈے کی سفیدی اور 1/2 چائے کا چمچہ لیموں کا عرق باہم ملاکر 10 سے 15 منٹ چہرے پر لگائیں۔ یقیناً اس کے نتائج بہت اچھے آئیں گے۔